بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات

آل عمران : ۷

دروس القرآن الحکیم

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

مرتبہ عبد الغنی عفا اللہ عنہ

جلد ہفتم

مکتبہ شمس الحق افغانی
شاہی بازار، بہاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ

آل عمران : ۷

دروس القرآن الحکیم

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی

مرتبہ

عبد الغنی عفا اللہ عنہ

جلد ہفتم

مکتبہ شمس الحق افغانی

شاہی بازار ، بہاولپور

نام کتاب	دروس القرآن الحکیم (جلد ہفتم)
افادات	حضرت علامہ سید شمس الحق افغانیؒ
ناشر	مکتبہ سید شمس الحق افغانیؒ
	شاہی بازار، بہاول پور
مرتبہ	عبدالغنی
مطبع	
قیمت	
کمپیوٹر کمپوزنگ	محمد ذکاء الحسن، بہاول پور
	موبائل: 0321-6804318

عرضِ حال

محترم قارئین کرام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے (دروس القرآن الحکیم) کی جلد ہفتم شائع ہوچکی ہے۔ جو اس وقت آپ کے سامنے ہے اس میں بھی ۴۳ دروس شامل ہیں۔ جن میں بہت اہم مضامین پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ انتخابِ یزید، واقعہ کربلا اور حکمتِ شہادت حسینؓ وغیرہ۔ نیز یہ عرض ہے کہ بعض دروس کا مختلف جلدوں میں تکرار ملے گا وجہ یہ ہے کہ ایک عنوان کے دونوں دروس میں بیان کا انداز اور نکات کچھ مختلف ہیں مثلاً (ایاک نعبد) میں عبادت پر بیان گذر چکا ہے اور اب یہاں (یاایھاالناس اعبدوا) میں عبادت پر کچھ اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے حضراتِ علماء کرام اور طلباء صاحبان سے التماس ہے کہ خود بھی مطالعہ فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی مطالعہ کی ترغیب دیں۔ جزاکم اللہ

احقر اور میرے معاونین صاحبان کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

احقر: عبدالغنی عفااللہ عنہ

۱۴ جون ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس نمبر ا

۳ فروری ۱۹۶۷ء

عقیدہ و عمل اسلام کے دو اہم ستون ہیں

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی۔

ترجمہ: اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ عبادت کی تحقیق ایک نعبد میں گذر چکی ہے۔ اس جگہ اس کا مختصر بیان ہوگا۔

عبادت کی روح دو چیزیں ہیں۔

(۱) خدا کا کہنا ماننا۔ (۲) خدا کے کہنے پر چلنا۔

(۱) خدا کے فرمان ماننے کو اسلام میں عقیدہ کہتے ہیں۔

(۲) اور خدا کے فرمان پر چلنے کو عمل کہتے ہیں۔

عقیدہ اور عمل اسلام کے دو اہم ستون ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ستون خراب ہو جائے تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ علم تو استادوں اور کتابوں سے مل سکتا ہے۔ لیکن عقیدہ مذہب اور دین کے سوا نہیں مل سکتا۔

مثلاً یہی باتیں جو دین کی ہیں۔ اگر آپ انہیں کتابوں سے حاصل کریں تو علم حاصل ہوا۔ لیکن عقیدہ اس سے کچھ اوپر ہے۔ علم اس کو کہتے ہیں کہ نامعلوم چیز معلوم ہو جائے۔

اور عقیدہ یہ کہ جو چیز معلوم ہوئی اس کی حکومت ہمارے نفس و بدن پر جاری ہو جائے۔ مثلاً ایک ہی بات ہے کہ جھوٹ اور ظلم برا ہے۔

یہ بات کالجوں کی تعلیم سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اور دینی مدارس سے بھی۔ تو نامعلوم معلوم تو ہو گئی۔ لیکن جب یہ چیز عقیدہ کے دروازے سے آتی ہے۔ تو اس معلوم شئی کی حکومت قلب و جسم پر جاری ہو جاتی ہے۔ تو اس عقیدہ والا شخص نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ رشوت لیتا ہے۔ وغیرہ۔

یہی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عقیدہ حاصل کیا تھا۔ اسلام سے پہلے شراب پیتے تھے۔ مگر جب شراب کو حرام قرار دیا گیا تو پھر ان حضرات نے مرتے دم تک شراب نہ پی۔ مگر آج شراب کی بُرائی پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں مگر شراب نوشی بند نہیں ہو سکی۔ تو مطلب یہ کہ عقیدہ ہو۔ کیونکہ عقیدے سے دل میں عظمت بڑھ جاتی ہے۔

علماء کا بیان ہے کہ بے عملی عقیدہ کی کمزوری کی نشانی ہے۔ عمل ہو گا تو جانو کہ عقیدہ پختہ ہے۔ تو عقیدہ نے عمل پیدا کیا۔ اگر بار بار عمل کرو گے تو عقیدہ پختہ ہو گا۔ مثال کہ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ دی ہے۔ یہ ایک مخفی طاقت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو قرآن حفظ نہیں ہو سکتا۔ جیسے عمل کا کرنا عقیدہ کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح قرآن

حفظ کرنا قوتِ حافظہ کی وجہ سے ہے۔تو جب آدمی قرآن کے حفظ کرنے میں لگ جائے تو اس کی قوت حافظہ بڑھے گی۔ کیونکہ شروع شروع میں بچہ ایک یا دو آیات حفظ کرتا ہے۔مگر بعد میں ایک رکوع یا اس سے زائد حفظ کر لیتا ہے۔تو جوں جوں حفظ کرے گا اسی طرح حافظہ بھی پختہ ہوتا جائے گا۔یہ بعینہ ایسے ہے جیسے بار بار عمل کرنے سے عقیدہ پختہ ہوتا ہے۔

فرض کرلو ایک انسان میں قوتِ کتابت ہے۔یعنی لکھنے کی طاقت۔اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ قوت شروع سے رکھی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ یہ قوت نہ رکھتا تو کوئی انسان نہ لکھ سکتا۔تو کتابت اس خدا کی عطا کردہ قوتِ کتابت سے پیدا ہوگئی۔مگر بار بار لکھنا۔کتابت کرنا اس قوت کو بڑھاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بار بار لکھنے سے خوشنویس بنتا ہے۔اسی طرح بار بار عمل کرنے سے عقیدہ پختہ ہوتا ہے۔

حلال خور کا ایمان حرام خور سے قوی ہے۔نمازی کا ایمان بے نمازی سے قوی ہے۔وغیرہ۔عبادت کی یہ مختصر تحقیق کافی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا کہا ماننا اور اس پر چلنا۔یعنی اس پر عمل کرنا۔یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ چھ احسان بتلائے تا کہ انسان ان سے شرمندہ ہو کر عبادت کرے۔

ا۔ربکم: کہ اللہ تعالیٰ تمہارا پالنے والا ہے۔یہ تعلق ربوبیت ہوا۔

۲۔خلقکم: انسان کو سب سے زیادہ محبت اپنی جان سے ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری جان کہاں سے آئی ہے۔فرمایا۔خلقکم: کہ تمہاری

جان اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔

قدرتی طور پر انسان کو اپنی جان کے علاوہ باپ دادا سے محبت ہوتی ہے۔ تو فرمایا۔ والذین من قبلکم: کہ تمہارے باپ دادا کو بھی میں نے بنایا ہے۔

۴۔ انسان کا تعلق زمین سے ہوتا ہے۔ اور زمین انسانی زندگی کی کل ضروریات کا خزانہ ہے۔ پیدائش زمین سے ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی زمین میں جانا ہے۔ الم نجعل الارض کفاتا: کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والا نہیں بنایا۔ منها خلقنکم و فیها نعیدکم و منها نخرجکم: اسی (زمین اور مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔

۵۔ آسمان۔ ۶۔ بارش۔

یہ کل چھ چیزیں ہوگئی۔ ربکم الذی: یہ پہلی چیز ہے۔ اس کی تشریح کرتا ہوں۔

ربکم الذی: ربکم کا لفظ فرمایا انسان ایک چیز نہیں بلکہ دو چیزیں ہیں۔ ایک بدن اور ایک جان۔ تو دو چیزیں ملکر انسان بنتے ہیں۔ فرمایا کہ دونوں کی میں نے تربیت کی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی تربیت سے ہی ترقی ہے۔ آج تو ہر زبان پر ترقی کا دور دورہ ہے۔ مگر ترقی کا صحیح تصور صرف اسلام دیتا ہے۔ نہ کہ یورپ اور امریکہ۔

اسلام کہتا ہے کہ روح اور بدن دونوں ترقی کریں۔ یہ نہ کہ بدن تو ترقی کرے مگر روح ناقص رہے۔ یعنی مجموعی طور پر ترقی ہو کہ قلب، روح اور بدن سب ترقی کریں۔ تو ہر مجموعہ اس وقت مکمل ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے تمام اجزا مکمل ہوں۔ مثلاً

جوارش جالینوس کے سترہ اجزا میں زعفران بھی ہے۔اگر ہر دوا عمدہ ڈالی مگر زعفران رَدّی ڈالا۔تو جوارش جالینوس کا مجموعہ ناقص ہے۔کامل نہیں۔تو مجموعہ کے کل اجزا مکمل ہوں تو ترقی ہوگی ورنہ نہیں۔

انسان بحیثیت کل اس وقت ترقی کرے گا جب اس کی روح اور بدن دونوں جز اعلیٰ وعمدہ ہوں۔بلکہ روح جسم سے بلند و بالاتر ہو۔کیونکہ اگر روح کامل ہوئی تو پھر سب کچھ درست ہے۔اور اگر اس کے برعکس ہو کہ روح کامل نہ ہو اور جسم کامل ہو تو پھر بہت نقص ہے۔

مثلاً موٹروں کی کئی اقسام ہیں۔عمدہ بھی اور ناقص بھی۔تو ہماری روح ہمارے جسم کی موٹر کو ڈرائیور کی طرح چلاتی ہے۔اگر موٹر بہت عمدہ ہو مگر چلانے والا ڈرائیور ناقص اور اناڑی ہو تو کیا ایسا ڈرائیور گاڑی اچھی طرح چلائے گا یا کسی گڑھے میں مارے گا۔

اسی طرح اگر روح خراب ہے تو وہ جسم کی موٹر کو جہنم کے گڑھے میں جا مارے گی۔

یہی وجہ ہے کہ آجکل باگ ڈور ان حیوانوں کے ہاتھ آ گئی ہے جن کی روح ناقص ہے۔وہ انسان کو لڑا کر اپنا قومی غرور کا نشہ پورا کر رہے ہیں۔ ہر جگہ جنگ کروا رہے ہیں۔پوری دنیا کو فساد سے پُر کر رکھا ہے۔کہیں بھی چین اور سکون نہیں۔

کیا یہ نظیر یہ نہیں کہ پوری دنیا ایک موٹر ہے۔تو پوری دنیا کے لیڈر اور رہنما جن کے ارواح سیاہ ہیں۔وہ ہمیشہ انسانیت کو ٹکراتے چلے آ رہے ہیں۔اور انسانیت کا

خاتمہ کر رہے ہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ بدن کی نسبت کہیں زیادہ روح کی تربیت و درستگی پر توجہ ہونی چاہیے۔

انسانیت کی شکل اگر سادہ ہو۔ یورپ کی طرح پُر تکلف نہ ہو تو ایسی روح عمدہ اور کامل ہوگی تو ایسی روح دنیا کی موٹر کو اچھی طرح چلائے گی۔ اور اچھی رہنمائی کرے گا۔

آج دنیا ترقی یافتہ ہے۔ مگر اس کی روحیں بدمعاش ہیں۔ ناقص ہیں۔ تو ان کو مسلح کرنا تو ڈاکو کو مسلح کرنا ہوا۔ یہ تو ظلم کریں گے۔

تو موجودہ ناپاک روحیں ناپاک ڈاکو ہیں۔ ان کے بارے میں آٹھ سو سال پہلے مولانا رومیؒ نے مثنوی میں ذکر کیا ہے۔

بدگُہر را علم و فن آموختن   دادن تیغ است بدست راہ زن

معنی: بدفطرت اور ناقص روح والے کو علم وفن کی تعلیم دینا۔ ایسے ہے کہ جیسے ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دے دینا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے وہی ہی تمہارے روح اور بدن کی تربیت کرتا ہے مختصر کرتا ہوں۔ مادی ترقی کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے پوری سخاوت فرمائی ہے۔ کہ ہمارے بدن کی پرورش کے لیے جس قدر سامان کی ضرورت تھی اس کے انبار لگا دیئے ہیں۔

محققین کی رائے ہے کہ عالم بالا کا ہر ستارہ انسانی زندگی میں تعلق رکھتا ہے۔

موجودہ سائنس کی تحقیق ہے کہ کہکشاں میں جو ستارے نظر آچکے ہیں ان کی تعداد دس کروڑ ہے۔اور جو نظر نہیں آتے ان کی تعداد معلوم نہیں۔واللہ اعلم۔

اور سائنس نے کہا کہ انسان کے لیے ہر ستارہ زندگی بخش ہے۔اور کہتے ہیں کہ بعض ستارے سورج سے بھی بڑے ہیں۔

زمین کا قطر سات ہزار نو سو میل ہے۔اور پوری زمین تقریباً چوبیس سو ہزار میل ہے۔امریکہ اور یورپ اس میں لڑ رہے ہیں۔کوئی مولوی کو گالی دیتا ہے وغیرہ۔ اتنی تنگ زمین کے لیے انسانیت کو تباہ کرر ہے ہیں۔کیا ان کی روح ناقص نہیں؟

تو جدید علم الفلسفہ میں ہے کہ سورج اتنا بڑا ہے کہ ہماری زمین جیسی تیرہ لاکھ جیسی زمینیں اس کے پیٹ میں آسکتی ہیں۔

دیکھو ان کافروں کو کتنی معلومات ہیں۔لیکن وہ علم جو بے عمل ہو اس کا کیا فائدہ۔

اس کے بعد ستاروں کی ایک اور دنیا ہے۔اس میں ایک ستارہ کے سامنے سورج کی حیثیت ایسے ہیں جیسے پورے ریگستان میں ریت کے ایک ذرہ کی حیثیت ہے۔وما یعلم جنود ربک الا ھو : یہ سب کچھ جو میں نے کہا۔یا جو کچھ اوروں نے کہا۔یا جو کچھ ابھی انسان سے مخفی ہے۔یہ ساری چیزیں سوامن کے انسان کے لیے ہیں۔ان کے علاوہ انسان کے لیے جو عالم ملکوت ہیں۔ان کا تو پتہ بھی نہیں۔

یہ سب چیزیں مادی تربیت کے لیے پیدا کیں یعنی جسمانی تربیت کے لیے انتظام فرمایا۔

دوسری چیز روحانی تربیت ہے۔ جس سے آخرت کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے لیے انبیاء کرامؑ کا ایک سلسلہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک فرمایا۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ ختم فرمایا مگر شیطان کا سلسلہ شروع ہے۔ کہ چاہے جسے نبی قرار دے۔

تو آخری ہدایت کنندہ یعنی حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے احکامات سخت کردیئے تاکہ یہ ہدایت رہتی دنیا تک قائم رہے۔ اور ساتھ فرمایا وانالہ لحفظون : کہ ہم اس کے محافظ ہیں۔ تو اس لیے قرآن کا ایک ایک حرف کاغذات اور سینوں میں محفوظ ہے۔ کرۂ ارضی کے اگر تمام قرآن پاک کے نسخے اکٹھے کیئے جائیں تو ان میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں۔ یہ ہے الفاظ کی حفاظت۔ اور پھر قرآن کے حفظ کا انتظام کیا۔

یہ اچھا ہوا کہ یہ انتظام خود اللہ تعالیٰ نے کیا۔ اور اسے اپنے ہاتھ میں رکھا۔

کیا آج حافظ قرآن کو حکومت کی طرف سے کوئی وظیفہ ملتا ہے۔ بالکل نہیں ملتا۔ بس اللہ تعالیٰ نے ایک جوش ایک جذبہ اور شوق رکھا جس کے تحت بچہ قرآن حفظ کرتا چلا جاتا ہے۔ اسے قوم یا گورنمنٹ سے لالچ نہیں ہوتی بس اللہ سے اسے جو یقین کامل ہے وہ اسے حفظ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ الفاظ تو الفاظ رہے بلکہ قرات کو بھی محفوظ فرمایا۔

قرآن عربی زبان میں ہے۔ تو الفاظ اور لب و لہجے کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی طرز اور لب ولہجہ تھا اسے بھی محفوظ رکھا۔

تو عجم میں اس لب و لہجے کی حفاظت کے لیے قراء حضرات کھڑے ہو گئے۔

آجکل مکہ اور مدینہ میں عرب والوں کے تو چند گھر ہیں۔ اصل عرب تو اب دیہاتوں میں ہیں۔ اس لیے عام لب و لہجہ میں فرق آ گیا ہے۔ مگر قرآن کی قرات کے لیے قراء نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لب و لہجہ محفوظ رکھا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ نے قرات کے سلسلے کو بڑھایا ہے۔ ترقی دی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ روحانی نظام ہے۔

اور حدیث کے بارے میں یہ دیکھو کہ دنیا میں کتنے اچھے سے اچھے لوگ ہو گزرے ہیں۔ کیا لوگوں کو کسی کی باتیں یاد ہیں۔ عیسائیوں سے پوچھیں کیا انہیں حضرت عیسیٰ کی باتیں یاد ہیں۔

اصول الحدیث میں توجیہ النظر فی اصول الاثر میں فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات مبارک کا نام حدیث ہے۔

جو حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کو نہ مانے اس نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات کو نہ مانا۔ یہ تو الٹی بات ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مانتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات کو نہیں مانتے۔

تو اس کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سات لاکھ باتیں محفوظ ہیں۔

کفار نے بھی اقرار کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے شاگردان اولین صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور ان کے دس لاکھ شاگردوں کے حالات قلمبند

ہیں۔ یہ اس لیے کہ دین اسلام محفوظ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دین پایا۔ حاصل کیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دین حاصل کیا۔

اور جنہوں نے حدیث روایت کی ہے۔ علم الرجال میں ان کے حالات بھی قلمبند ہیں۔ اور احتیاط اتنی برتی کہ اگر کسی راوی نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بھول کر کوئی لغزش کی تو اس سے روایت نہیں لیں۔

اور یحیٰ بن معینؒ لکھتے ہیں کہ جن سے ہم نے روایت نہ لی۔ وہ صرف اس لیے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحیح بات معلوم ہو۔ مگر وہ لوگ ایسے تھے کہ انہوں نے سینکڑوں برس پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑھ لیے تھے۔ مطلب یہ کہ بہت نیک و بزرگ لوگ تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے روح اور بدن کی تربیت کے لیے کتنا عظیم نظام فرمایا۔

دیکھو انجیل وغیرہ کی زبان بولنے والا کرۂ ارضی پر ایک محلہ بھی موجود نہیں۔ مگر قرآن عربی میں ہے تو بائیس لاکھ عرب عربی بولنے والے ہیں۔ اور پوری دنیا میں مولوی عربی بولنے والے موجود ہیں۔ یہ انتظام صرف قرآن پاک کی حفاظت کے لیے کیا گیا۔

حضرت امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن پرانی طرز کتابت میں لکھا ہوا ہے۔ کیا ہم اسے کتابت کی نئی طرز میں لکھ سکتے ہیں۔ فرمایا نہیں پُرانی طرز میں برکت ہے۔

درس نمبر۲

۵فروری ۱۹۶۷ء

عمل کا محرک احسان ہے

یاایھا الناس اعبدوا۔

یاایھا الناس اعبدوا۔میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا ہے۔لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ اس پر عمل بھی ہو۔نفس حکم کا علم ہو اور عمل نہ ہو تو پھر کوئی فائدہ نہیں۔جس طرح ایک مریض کو نسخہ کا علم ہو اور علاج نہ کرے تو شفاء نہیں ہو گی۔

یہی قرآن نسخہ شفاء ہے۔ہم اسے پڑھتے بھی ہیں۔اور علم بھی رکھتے ہیں۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔تو روحانی مرض کی شفاء نہ ہو گی۔یہ بعینہ اسی مریض کی طرح ہے جو نسخہ استعمال نہ کرے۔اس لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میں جو حکم دوں اس پر عمل بھی کرو۔تو یاایھاالناس اعبدوا۔میں عمل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عمل میں سب سے بڑی محرک چیز احسان ہے۔انسان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنے محسن کا کہا مانتا ہے۔تو اطاعت وعبادت کے لیے بڑی محرک چیز احسان ہے۔حیوانات تک بھی اس کا اثر ہے۔کہ کسی حیوان پر احسان کرو تو وہ بھی احسان سے متاثر ہوتا ہے۔مثلاً کتے کو صرف ایک روٹی ڈال دیں تو وہ مالک پر جان تک قربان کر دیتا ہے۔اور مالک سویا ہوا ہوتا ہے اسے اس کی وفاداری کا علم بھی نہیں

ہوتا۔ لیکن ہمارا مالک تو دیکھ رہا ہے کہ میرے احسان کے بدلے میری مخلوق یہ کچھ کررہی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے احسان کے سلسلہ میں چھے چیزیں بیان فرمائی ہیں۔

ا۔ ربوبیت: اسکی ربوبیت شکم مادر سے لیکر عالم بالا وغیرہ تک ہے۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ جس انسان کو جو کوئی کھلاتا پلاتا ہو۔ تو کہتے ہیں کہ میاں اس کا کہنا ماننا ضروری ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جو حقیت میں ہمارا مربی و تربیت دینے والا ہے۔ کیا وہ عبادت کے لائق نہیں۔

۲۔ خالقیت: خالقیت سے مراد یہ کہ کسی خاص انداز ہ سے پیدا کرنا۔ حدیث پاک ہے۔

کل شئ بقدر حتی العجز والکیس ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اندازہ سے پیدا فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ عقل اور بے عقلی بھی اندازہ پر پیدا فرمائی ہے۔

انا کل شئی خلقناہ بقدر۔

ترجمہ: بے شک ہم نے **خلقناہ** ہر چیز اندازہ سے پیدا فرمائی۔ پس اس نے اس (انسان) کا ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ خاص اندازہ پر پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

افمن یخلق کمن لایخلق ۔ کیا خالق اور غیر خالق برابر ہو سکتے ہیں۔

ہمیں بنایا اور بنانے کے ساتھ ساتھ لاکھوں نعمتیں بھی عطا فرمائیں۔ خواہ ظاہری نعمت ہو کہ باطنی۔ ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ سر سے پاؤں تک اگر ایک پرزہ بگڑ

جائے تو اس کا بدل نہیں ہے۔

خدائی آنکھ کی جگہ اگر مصنوعی آنکھ ہو تو وہ اس کا بدل نہیں۔ تو بدن کے ایک ایک پرزہ کے بدلے میں کوئی قیمت نہیں۔ یہ ظاہری نعمتیں ہیں۔

اور باطنی نعمت مثلاً عقل عطا فرمائی۔ اگر ساری نعمتیں ہوں مگر عقل نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ فرض کرلو کہ ایک شخص نے یورپ کی تمام ڈگریاں حاصل کیں۔ اور اس کے پاس دولت بھی بہت ہے۔ اگر اس کی عقل والی نعمت چھن جائے تو اس کا مقام پاگل خانہ ہے۔

تو بہر حال خلقنکم میں تو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک نعمت کا اظہار کیا ہے۔ کہ تمہارا وجود میرا بخشا ہوا ہے۔ اور تم نے تو میری عطا کردہ چیز سے اپنا کام کرنا ہے (کیونکہ عبادت کرنا اپنا کام ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا) کیا عبادت کا عوض ہمیں ملے گا یا کہ خدا تعالیٰ کو؟

عبادت کرنا اپنا کام ہے۔ اور کس مشین سے کرنا ہے۔ خدا کی مشین سے۔

جب ایک آدمی کسی کو اپنی موٹر دے کہ تم لوگ اپنا مریض اس میں ملتان لے جاؤ۔ تو کیا انسان یہ نہیں سمجھے گا کہ کام میرا ہے۔ مگر دوسرے کی موٹر سے ہو رہا ہے۔

تو یہ نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ اپنے کام ہیں مگر خدا تعالیٰ کی موٹر سے ہو رہے ہیں۔ تو یہ کتنی بیوقوفی ہے کہ دوسرے کی دی ہوئی مشین سے اپنا کام نہ کریں۔

ہمارے متکلمین اسلام نے ایک عجیب مسئلہ بیان کیا ہے۔ کہ ایک آدمی پوری عمر نیکی کرے اور کوئی گناہ نہ کرے۔ تو علم الکلام میں بیان ہے کہ قیامت میں اس

شخص کو اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا یا نہ دے گا۔ فرمایا دے گا۔ مگر وہ بدلہ نہ ہوگا احسان ہوگا۔ کیونکہ انسان پر جتنی نعمتیں برسائی گئی ہیں۔ وہ ان کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

تو عبادت ہم اپنے لیے کرتے ہیں پھر اس کا عوض اللہ تعالیٰ سے کیوں مانگتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا کر دے گا وہ اس کا احسان ہوگا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کی گائے ہے۔ آپ نے اسے گھاس کاٹ کر ڈالا ہے۔ پھر میرے پاس آئے کہ گھاس کا عوض دیدو۔ میں کہوں گا کہ میاں ڈالا تو آپ نے اپنی گائے کو ہے مجھ سے عوض کیوں مانگتے ہو۔

دیکھو ایک پیشگی مزدوری ہوتی ہے۔ کہ مزدور کو پہلے دیدی۔ دیکھو انسان کو جو نعمتیں دی گئی ہیں۔ وہ پہلے مزدوری دے دی گئی ہیں۔ تو جب مزدوری مل گئی ہے تو اب اللہ تعالیٰ پر عوض نہیں ہے۔ بس اگر دیدے تو اس کا فضل ہے۔

حدیث: لایدخل احدکم الجنة بعمله ولا انت یارسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال ولا انا الا ان یحفنی الله۔

ترجمہ۔ تم میں سے کوئی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہ ہوگا۔ عرض کیا گیا اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ بھی؟ تو فرمایا ہاں میں بھی اپنے عمل سے داخل نہ ہوں گا مگر جب خدا فضل و کرم سے مجھے گھیر نہ لے۔

تو جنت کا ملنا عمل کی قیمت نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھو۔ تو یہ تصور اسلام دیتا ہے۔ کہ کافر اور گنہگار کو اگر اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالے گا تو یہ اس کا عدل ہے۔ اور اگر مسلمان اور نیکوں کو جنت عطا کرے گا۔ تو یہ اس کا فضل و کرم ہوگا۔

ہمارے عمل کی کوئی قیمت نہیں۔ پہلے تو اس لیے کہ ہم نے اپنے لیے کیا ہے کوئی خدا تعالیٰ کے لیے نہیں کیا۔ چلو یہ کہو کہ خدا تعالیٰ کے کہنے پر کیا ہے۔ تو یہ بھی خدا تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ فائدہ کی بات بتلا دی۔

اگر ایک آدمی کی رقم کی تھیلی راستے میں گر جائے دوسرے شخص نے آواز دی کہ میاں تھیلی اٹھالو۔ کیا وہ اس کا احسان نہ جانے گا۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہمیں ہماری بہتری کی بات بتلاتا ہے۔

میں نے پہلے بتلایا ہے کہ ہمیں جو نعمتیں دی گئی ہیں ہم اگر پوری عمر عبادت کریں تو بھی ان کا بدلہ نہیں ہو سکتی۔ دیکھو عمل کو دخل ہے مگر جب تک اس کا فضل نہ ہوگا تو اس کا بدلہ نہ ملے گا۔

دیکھو ہماری نماز وغیرہ جتنی بھی عبادتیں ہیں ان میں ہماری کوتاہی ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیری عبادت میں فلاں فلاں نقص ہے چلو میں احسان کرتا ہوں۔ تمہیں میں بخش دیتا ہوں۔ تو ہماری ہر چیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے۔ بس اس کا فضل ہونا چاہیے۔

تو جب ہم قیامت میں جائیں گے تو ہمارے اعمال میں نقائص ہونگے۔ تو نقائص کے باوجود قبول فرمایا اور قبول کے بعد فرمایا کہ پہلے بھی تم لے چکے ہو۔ چلو دوبارہ بھی دیدوں۔ یہ دوبارہ دنیا اس کا فضل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس فضل کو بھی مزدوری کر کے بیان کیا۔ یعنی اسے اجرت کا نام دیا۔ تا کہ انسان مزدوری یا اجرت کی لالچ کر کے عبادت کرے۔ اور کوتاہی کر کے اپنا نقصان نہ کرے۔ تو اس لیے اللہ تعالیٰ

نے جو فضل سے کرنا چاہا اسے اجر کا نام دے دیا۔ تا کہ انسان چست ہو کر عبادت میں مصروف ہو جائے۔ اور اپنا نقصان نہ کر بیٹھے۔

فضل بھی قرآن میں بیان کیا۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔**

ترجمہ:۔ وہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔ **قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ فبذالک فلیفر حوا ھو خیر مما یجمعون۔**

ترجمہ:۔ کہدیں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے چاہیے کہ (مومنین) خوش ہوں یہی بہترین ذخیرہ ہے بہترین خزانہ ہے۔ یعنی تمہارے دنیاوی خزانہ سے بہتر ہے۔ لیکن اگر فضل ہی فضل ہوتا۔ تو بندہ میں عمل کی اور عبادت کی چستی نہ ہوئی۔

کل نفس ذائقۃ الموت ۔حضرت امام منذریؒ نے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے کسی کی بہت زیادہ تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کیا وہ موت کو بھی یاد کرتا تھا۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا جو موت کو یاد نہ کرے اس کی تعریف نہ کرو۔ اوکما قال صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

حدیث۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا۔ عرض کی کہ اسامہ بن زیدؓ نے ایک چیز خرید کی اور کہا ہے کہ رقم ایک ماہ تک دیدونگا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اسامہ بن زیدؓ سے بہت محبت و پیار تھا۔ مگر آپ

صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔اے اسامہ تمہیں ایک ماہ زندہ رہنے کا یقین ہے۔پھر فرمایا قسم بخدا کہ میری پلکیں جب کھلتی ہیں تو واپس ملنے تک مجھے یقین نہیں کہ کہیں موت کا پیغام آجائے۔اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ کوئی پیالہ پانی پینے کے لیے نہیں اٹھاتا مگر خیال ہوتا ہے کہ پینے سے پہلے موت آجائے۔اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں لقمہ نہیں کھانے پاتا مگر خیال آتا ہے کہ شاید کھانے سے پہلے موت کا پیغام آجائے۔

ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے۔وصل صلوۃ مودع ۔کہ تم نماز اس طرح ادا کرو جیسے کہ تم دنیا سے رخصت ہونے والے ہو۔یعنی ہر نماز کو آخری نماز تصور کر کے پڑھو۔تاکہ نماز میں عمدگی پیدا ہو۔

تو حسنِ عبادت کے عوامل و محرکات تین ہوگئے۔

ا۔تذکرہ انعام ربوبیت ۔۲۔تصور موت ۔کہ کوئی عبادت کرو یہ تصور ہو کہ یہ زندگی کی آخری عبادت ہے تو پھر دیکھو کہ عبادت میں کیا مزہ ہوتا ہے۔

۳۔تذکرِ حاضرِ الٰہی: کہ ہمیشہ یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔تو جب یہ تصور ہوگا تو عبادت میں لذت پیدا ہوگی۔

حضرت تھانویؒ نے مثال دی کہ ایک آدمی نے اپنے مکان کی تعمیر کے لیے مستری لگائے۔تو جب تک مزدوری دینے والا موجود ہوگا تو وہ عمدگی سے کام دیں گے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ پر ہو کہ مستری کو نظر نہ آئے اور وہ مستری کے کام کو دیکھ سکتا ہو۔اور مستری کو بھی یہ معلوم ہو کہ میں تو نہیں دیکھ رہا مگر وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔تو تب بھی عمل میں چستی ہوگی۔ تعبد اللّٰہ کانک تراہ ۔کہ ایسی عبادت

کرو گویا کہ خدا تعالیٰ تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اگر یہ مقام حاصل نہیں تو کم از کم یہ تصور کرے کہ خدا تعالیٰ تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ تو کل تین تصور ہو گئے۔

تو اللہ تعالیٰ ہمیں صرف عبادت پر نہیں چھوڑتا بلکہ عمل پر آمادہ کیا۔ تو اس سلسلہ میں چھ احسانات بتائے۔

(۱) ربوبیت (۲) تمہیں پیدا کیا۔

(۳) تیرے باپ دادا کو پیدا کیا۔ یعنی آدمؑ تک۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو تو زمین پر نہ ہوتا۔

نسبی رشتہ: انعام کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایسا سلسلہ رکھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے براہ راست پیدا کرنا مناسب نہ سمجھا۔

قرآن:۔ کہ ہم نے تمہیں رشتہ دے رکھا ہے۔ یعنی نسبی رشتہ۔ معلوم ہو گیا کہ ایک اصول اور بھی ہے۔ کہ اگر دنیا میں انسان تنہا ہو تو وہ کمزور اور بے قدر ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک پہلو کے ساتھ نسبی رشتہ کا سلسلہ رکھا۔ اور دسرا شادی کے ساتھ دامادی رشتہ رکھا۔ اس کی وجہ سے انسان کا تعدادی تعلق بڑھ گیا اور نسب کا پھیلاؤ بھی ہو گیا۔ جس کی وجہ سے انسان طاقتور ہوتا ہے۔ یہ کس نے دیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے دیا۔ نسباً و صہراً ۔ اگر انسان کا رشتہ نہ ہوتا تو مریض ہونے کے بعد اسے کوئی نہ پوچھتا۔ مر جائے تو کوئی بھی نہ دفنائے۔ تو رشتہ داری پیدا کر کے دنیاوی قوت بخشی۔ اور دینی فائدہ یہ ہے کہ اس نسب ہی کی وجہ سے علم دیا۔ کیونکہ ماں باپ نے علم حاصل کروایا۔ اور نیکوں کی صحبت دلوائی۔ تو یہ سب کچھ رشتہ داری کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ دینی

فائدہ ہوا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والدین ماجدین پہلے فوت ہو گئے تھے۔اس لیے حضرت عبدالمطلب نے پہلے پرورش کی۔پھر حضرت ابو طالب نے۔

آدمی اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو۔اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔تقدیر سے ڈرتا رہے۔جبکہ ابو طالب اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مذہب ایک نہ تھا۔تو وہ کونسی چیز تھی کہ جس نے چچا کو پرورش پر مجبور کیا۔وہ صرف چچا ہونا ہے۔جو نسبی رشتہ ہے۔تو معلوم ہوا کہ بعض وقت نسب بھی کام آ جاتا ہے۔

حضرت حمزہؓ ابھی شروع میں اسلام نہ لائے تھے ایک مرتبہ ابو جہل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے گستاخی کی حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آئے تھکے ہوئے تھے۔تو جب انہیں اس کی گستاخی کی اطلاع ملی۔تو ابھی گھر نہ گئے وہیں سے ابو جہل کے پاس گئے۔وہ اپنے لوگوں کے ساتھ کعبہ شریف میں بیٹھا ہوا تھا۔بس کمان اس کے سر میں ماری اور فرمایا اے بدبخت۔تو نے میرے بھتیجے کو کیوں برا بھلا کہا۔چلو میں اس کے دین پر ہوں۔تم میرا کیا کرو گے۔گو ابھی تک مسلمان نہ تھے۔ بعد میں ہوئے۔

اس واقعے سے ابو جہل کے ساتھی اور اس کی قوم کے لوگ آپکو پکڑنے لگے۔مگر ابو جہل نے روکا۔کیونکہ وہ سمجھ دار تھا۔کہنے لگا۔انہیں کچھ نہ کہو۔اسے بھتیجے کے غم نے جوش دیا ہے۔اور یہ بھی جانتا تھا کہ اگر انہیں چھیڑا گیا تو ان کی قوم بھی کھڑی ہو جائے گی۔پھر معاملہ دشوار ہو جائے گا۔

دیکھو اس وقت مکہ میں ابوجہل کا بڑا مقام تھا۔ اسے بڑی عزت تھی۔ اس کے سامنے کوئی سخت بات نہ کر سکتا تھا۔ مگر صرف بھتیجے کے نسب کی وجہ سے حضرت حمزہؓ جوش میں آ گئے۔

ایک تو حضرت ابوسفیانؓ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے والد ہیں۔ ایک اور ابوسفیانؓ بن حارث ہیں۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ یہ شاعر تھے۔ اسلام لانے سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ھجو میں شعر پڑھتے تھے۔ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو شرم سے آنکھیں نیچے رہتیں۔ کسی نے کہا شرم کیوں کرتے ہو۔ پہلے گناہ تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دفتر سے تو مٹ گئے۔ مگر میرے قلب سے ان کی ندامت نہیں مٹی۔

جنگ حنین میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خچر مبارک کی لگام ابوسفیانؓ بن حارث نے تھامی ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی۔ مسلمانوں کی تعداد ۱۲ ہزار اور کفار کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ اس جگہ مسلمانوں کو شروع میں غرور کی وجہ شکست ہوئی۔ فرمایا جب میدان سے صحابہ کرامؓ چلے گئے۔ میدان خالی ہو گیا۔ کفار کی طرف سے سخت تیر اندازی جاری تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خچر کو کفار کی طرف چلاتے تھے۔ میں اسے روکتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیکھا کہ ابوسفیانؓ بن حارث خچر کو روکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خچر سے اتر کر کفار کی طرف پیدل چل پڑے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کچھ کنکریاں پڑھ کر پھینکیں تو فتح نصیب ہوئی۔

تو حضرت ابوسفیانؓ بن حارث فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جیسا کوئی بہادر نہیں دیکھا۔ تو مطلب یہ ہے کہ۔ خلقکم والذین من قبلکم۔ میں ایک دینی تعاون ہے اور ایک دنیوی تعاون ہے۔

درس نمبر ۳

۱۰ فروری ۱۹۶۷ء

عبادت تقویٰ کا سبب ہے

یاایھا الناس اعبدوا.................. وانتم تعلمون۔

یہ آیت ہے اس کا ترجمہ پہلے گذر گیا ہے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو تمہارا پالنے والا ہے وغیرہ۔

اس عبادت کا نتیجہ لعلکم تتقون ہوگا۔ کہ تقویٰ پیدا ہوگا۔ یہاں دو چیزیں ہیں۔

گویا کہ عبادت تقویٰ کے لیے سبب بنی۔ کہ عبادت کرو گے تو تقویٰ پیدا ہوگا۔ تو نتیجہ سبب کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔

مثلاً پیاس بجھانے کے لیے پانی پینا سبب ہے وغیرہ۔ تو معاملہ اسباب سے وابستہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اعبدوا۔ کہ جسے تقویٰ کی طلب ہو تو وہ عبادت کرے۔

پیاس بجھانے کی طلب ہو تو پانی پیئے۔ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ دینیات میں عبادت سبب ہے۔

تو پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ یہ وقی یقی سے ہے۔ یعنی بچنا۔ کہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچانا ہے جو آخرت میں نقصان دیتی ہیں۔ فرط الصیانت عمایضر فی الآخرة۔ یہ تو ایک مفہوم ہوا۔ لیکن ہر ایک مفہوم کے لیے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک حدیث میں تقویٰ کا محل تو متعین فرما دیا ہے۔

التقویٰ ھٰھُنا و اشار الی صدرہ۔ کہ تقویٰ کا محل قلب ہے۔ کہ سب سے پہلے تقویٰ قلب میں پیدا ہوگا بعد میں اس کے تاثرات تمام بدن میں پھیل جائیں گے۔

جس طرح بجلی کا سوئچ دباؤ تو روشنی آتی ہے۔ تو اسی طرح تقویٰ قلب میں ہے۔ وہاں سے اس کی روشنی پورے بدن میں پھیلتی ہے۔

ترغیب وترھیب میں امام منذریؒ نے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا۔ فرمایا نور یقذف فی القلب۔ کہ وہ قلب میں ایک روشنی ہے۔ نور ھم یسعی بین ایدیھم۔ کہ قیامت میں صرف تقویٰ کی روشنی ساتھ ہوگی۔ اور کوئی روشنی نہ ہوگی۔ ماامارة ذالک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم۔ اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا التجانی عن دار الغرور۔ دھوکہ دینے والی۔ فریب کاری۔ اور غرور سے دل ٹھنڈا ہو جائے۔ اس سے دنیا مراد ہے۔ جب موت آتی ہے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

پشاور میں ہمارے ایک شاگرد ہیں۔ کتابوں کے تاجر ہیں۔ کافی مالدار ہو گئے ہیں۔ اتفاقاً گذرا دکان میں لے گئے۔ چلنے لگا تو کہا کہ کچھ نصیحت کرو۔ دکان میں روشنی کا بہت انتظام تھا۔ میں نے کہا کہ یہ دکان کا جو نظارہ دیکھ رہے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ قبر کا منظر بھول جاؤ۔ قبر و آخرت کو ہمیشہ یاد رکھو۔

سلطان شمس الدین التمش۔ پرانے زمانے کے بادشاہ تھے۔ ان کا حکم تھا کہ جب میں شاہی دربار میں بیٹھوں تو میرے سامنے کفن رکھا کرو۔ تاکہ آخرت فراموشی نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جب نشانی پوچھی گئی کہ دھوکہ نہ ہو؟ فرمایا کہ ہاتھ دنیا میں ہو۔ مگر خدا تعالیٰ قلب میں ہو۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ ملتانی فرماتے ہیں کہ تصوف کا مقصد یہ ہے کہ دست بکار اور دل بیار کہ قلب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

کنز العمال میں حدیث پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس قدر لامحدود ہوں کہ زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا۔ مگر مومن کے دل میں سما سکتا ہوں۔ تو ایسے قلب کو دنیا کی گندگی سے پلید نہ کرو۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ دنیا ضروری ہے۔ مگر قلب سے باہر ہو۔ اگر قلب کے اندر آ جائے تو پھر تباہی ہے۔ مثال فرمائی کہ اسے کشتی تصور کرو۔ کہ کشتی چلنے کے لیے پانی کی ضرورت ہے۔ بشرطیکہ پانی کشتی سے باہر رہے۔ اور اگر کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو پھر ہلاکت ہے۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　آب زیر کشتی آنر اپشتی است

اسی طرح ہماری دنیا پانی ہے۔اسے کھاؤ پیؤ فائدہ اٹھاؤ۔قلب میں نہ جانے دو۔اگر قلب میں داخل ہوگئی تو پھر بربادی ہے۔

قرآن نے ایک اور علامت بتلائی ہے۔　ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً۔اگر تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تمہارے قلب میں حق پہچاننے کی طاقت رکھے گا۔پھر تم کبھی غلطی نہ کرو گے۔جس طرح کھاری اور میٹھے پانی کو زبان فرق کرلیتی ہے۔اسی طرح اگر قلب میں تقویٰ پیدا ہو جائے تو حق کی پہچان ہو جائے گی۔

یہ کیا بات تھی کہ صحابہ کرامؓ اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔کسی یونیورسٹی کے فارغ نہ تھے۔مگر یہی تقویٰ تھا۔تو اس کی روشنی سے حق و باطل کی پہچان رکھتے تھے۔صحابہ کرامؓ کو کسی باطل فرقہ نے نہ پھسلایا۔آج تقویٰ نہیں تو لوگ دین سے پھسل رہے ہیں بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے۔یہ عام تقویٰ ہے۔اور ایک خاص تقویٰ ہے۔

عام تقویٰ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی عبادت کرے گا۔اسے تقویٰ کا نور مل جائے گا۔

ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فمالہ من نور ۔کہ اللہ تعالیٰ جسے تقویٰ کا نور نہ دیں تو اسے مل ہی نہیں سکتا۔تو تقویٰ صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ملتا ہے۔تو یہ عام تقویٰ ہوا۔

تقویٰ خاص:۔ وہ یہ کہ خاص خاص عبادتوں سے خاص تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ان الصلوة تنهی عن الفحشاء والمنكر ۔ یہ اس خاص فعل نماز کی وجہ سے انسان بُرائی سے محفوظ رہا۔ اسی طرح روزہ سے بھی ایک نور پیدا ہوتا ہے۔

قربانی سے بھی ایک خاص نور پیدا ہوتا ہے۔ لن ینال اللّٰه لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوىٰ منكم ۔ کہ اللہ تعالیٰ کو گوشت وخون کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس قربانی سے تمہارے قلب میں جو تقویٰ ہے وہ پہنچتا ہے۔

آج اکثر حضرات کی عقل یورپ کی تعلیم کی وجہ سے قینچی بن گئی ہے۔ کہ اسلام کو کترتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانون میں قینچی چلاتے ہیں۔ دنیا کے قانون میں نہیں چلا سکتے کیونکہ وہاں ڈنڈے لگتے ہیں۔

مثلاً بغداد سے بہاولنگر تک تین روپے کرایہ مقرر ہے۔ مگر کوئی شخص یہ کہے کہ مہنگائی کا دور ہے میں تو دو روپے کرایہ دونگا۔ کیا کوئی مجتہد یہ کر دکھائے گا۔ نہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ ڈنڈے مارتی ہے۔

مگر اسلام پر خوب قینچی چلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لاوارث ہو گیا ہے۔ پچھلے دنوں یہ بات چلی کہ قربانی کے موقعہ پر لاکھوں، اربوں جانور ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ رقم خیرات کر دینی چاہیے۔ نعوذ باللہ۔

جب یہ بات ہمارے بزرگ حضرت مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کو پہنچی تو وہ رو پڑے۔ فرمایا قربانی نہ کرنے پر نہیں روتا۔ بلکہ قربانی کے عقیدہ کے مٹنے پر روتا ہوں۔

دیکھو عمل کے بگڑنے سے گناہگاری ہوتی ہے۔ مگر عقیدہ کے بگڑنے سے تو کفار کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جس فعل سے اللہ ملے یعنی تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ضائع ہے؟

آج کل یہ کہا جا رہا ہے کہ اصول اسلام اور روح اسلام کے مطابق زندگی گزارو۔ یہ نہیں کہتے کہ اسلام پر چلو۔ یہ سمجھ نہیں آتا کہ ان کے ہاں روح اسلام کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو عام عبادت کو تقویٰ کا سبب بنایا۔ تو قربانی کا نتیجہ تقویٰ ہے۔ یہ رقم کی ادائیگی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح نماز کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر برائی سے بچاتی ہے۔ تو اگر ہم کہیں کہ ہم بُرائی سے بچیں گے۔ نماز کی ضرورت نہیں۔ یا پیسے دیدیں گے۔ قربانی کی ضرورت نہیں۔ اس طریقہ کی نتیجہ سازی بہت خطرناک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو تقویٰ کے لیے ایک ایک عبادت کا جوذکر کیا ہے۔ اس پر عمل کرو گے تو تقویٰ پیدا ہوگا۔ جس طرح پانی سے پیاس بجھانا وابستہ ہے۔ اسی طرح تقویٰ کے لیے قربانی بھی ضروری ہے۔

تو یقینی بات ہے کہ جب تقویٰ عبادت کا نتیجہ ہوا۔ تو عبادت کے بغیر تقویٰ پیدا نہیں ہوسکتا۔ تو اسی طرح جو خاص تقویٰ ہے وہ قربانی کے بغیر نہیں پیدا ہوسکتا۔

ترغیب وترھیب کی حدیث پاک ہے کہ قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے برابر اجر ملے گا۔

کیا یہ چیز روپیہ سے ادا ہوسکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ چاہے ہم ایک سو روپے کی بکری کے عوض ایک لاکھ روپیہ ہی کیوں نہ خیرات کردیں۔ تو بھی اجر پورا نہیں ہوسکتا۔

ان یورپ کے دالداؤں کو کہو تم ہو غریبوں کے ہمدرد؟ تم ہو غریبوں کو امداد دلوانے والے؟ تم تو صدیوں سے غریبوں کا خون چوس رہے ہو۔ کیا تم اپنے روزمرہ کے خرچ میں سے کچھ بچا کر غرباء کو دو گے۔ تم تو یورپ کی تہذیب سے اتنے متاثر ہو کہ غریب کی خوشی تمہیں برداشت ہی نہیں۔ بڑے غریب کے خیر خواہ آ گئے ہیں۔ خیر خواہی کی اوٹ میں اسلام پر قینچی چلاتے ہو۔

دیکھو صحابہ کرامؓ جو تمام دنیا کا مکھن تھے۔ اور غربت کی یہ حالت تھی کہ کھجور کی گٹھلیاں چوس کر گزارا کرتے تھے۔ اس وقت تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نہ فرمایا کہ قربانی کے جانور کی رقم ان میں تقسیم کر دو۔

تم ہو غریبوں کے خیر خواہ؟

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بالمدینته عشر سنین یضحی ۔ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کو غریب سے ہمدردی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو رحمة للعلمین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی دراصل غریب کے ہمدرد و خیر خواہ تھے۔

دیکھو ہمارے بدن کو ہوا، پانی، غذا وغیرہ کی ضرورت ہے۔ کیا ان میں سے کوئی چیز ایک دوسرے کا بدل ہو سکتی ہے؟ جیسے آدمی کہے کہ میرے پاس پانی ہے۔ مجھے ہوا کی ضرورت نہیں۔ یہ غلط ہے۔ تو اگر ہوا، پانی وغیرہ ایک دوسرے کے بدل

نہیں بن سکتے تو پیسے بھی قربانی کا بدلہ نہیں بن سکتے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قربانی کے جانور کے بارے میں وضاحت سے ہدایات فرمائی ہیں۔ کہ عمر اتنی ہو۔ فربہ ہو لاغر نہ ہو۔ کوئی عضو ناقص نہ ہو وغیرہ۔

اگر اسلامی قانون میں گوشت پر مدار ہوتا۔ تو بازار سے گوشت خرید کر خیرات کر دیا جاتا۔ یا اللہ تعالیٰ فرماتے کہ قربانی کے جانور میں گوشت و چربی کی اتنی مقدار ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دی کہ جو چیز مری راہ میں قربان ہو وہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہو۔ تا کہ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے مناسب ہو جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی قربانی کرو۔ دیکھو مسلمان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اور عیسائی حضرت عیسٰیؑ کی اور یہودی حضرت موسٰیؑ کی۔ یہ سب حضرت ابرہیمؑ کی اولاد ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا حکم ملا۔ جو انہوں نے اپنی طرف سے کر ڈالا۔ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا ایک بہشتی مینڈھے کو حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ بنا دیا گیا۔ ہمیں بیداری میں حکم ہے اور وہ بھی جانور کا حکم ہے۔ مگر ہم تو جہیں کر رہے ہیں۔

حضرت تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ لوگ قربانی کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ فرمایا کیوں؟

عرض کی کہ قربانی ان کے ذہن میں نہیں آتی۔ فرمایا ان کے ذہن میں اور کیا چیز آتی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا میاں ان کے ذہن میں تو خود ان کی اپنی پیدائش بھی نہیں آتی۔ مثلاً اگر ایک آدمی کو کمرہ میں بند کردو پھر اس سے کہو کہ رحمِ مادر میں ایک قطرہ پڑا پھر اس کے درجہ بدرجہ جسم بن گیا۔ تو وہ کہے گا کہ یہ بات میری عقل میں نہیں آتی۔ مگر ایک چیز کو بار بار دیکھ کر پھر اس کا یقین آجاتا ہے۔

تو بحمد اللہ میں نے یہ کہا کہ بعض چیزوں کی صورت بھی مطلوب ہوتی ہے۔ مگر آج کل تو روح روح پکار رہے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ایک انسان کی روح اگر گدھے میں پڑ گئی۔ کیا اسے انسان کہو گے۔ نہیں۔ تو اسے انسان کہو نہ؟ معلوم ہوا کہ اس کی صورت انسان کی نہیں ہے۔ تو یہی معاملہ ہے کہ اگر آپ قربانی کی رقم دیں گے۔ تو ہم کہیں گے یہ قربانی کی صورت نہیں۔ اس لیے قابل قبول نہیں۔

مثلاً کونین ایک تلخ دوائی ہے۔ جو مزاج میں گرم وخشک ہوتی ہے۔ یہ ملیریا کا بخار دور کرتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ملیریا کے مریض کے لیے اس کے برابر کی تلخ اور گرمی خشکی والی کوئی دوسری چیز لائے۔ تو آپ اس سے مریض کا ملیریا بخار دور نہ کرسکیں گے۔ یہ کیوں؟

اس لیے کہ اس کی شکل کونین والی نہیں۔

اسی طرح قربانی کے لیے اگر جانور قربانی نہ کریں اور پیسے دیدیں۔ تو قربانی نہ ہوگی۔ کیونکہ قربانی کی صورت نہ ہوگی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہمی کو کہا کہ قربانی کرتے وقت دل میں یہ خیال رکھو کہ اے اللہ تعالیٰ اگر کسی وقت تیرے راستہ میں جان قربان کرنی پڑی۔ تو اسی طرح اپنی جان کی قربانی دیں گے۔

درس نمبر ۴

اتوار، ۱۲ فروری ۱۹۶۷ء

امن کے تین بنیادی مسائل

الذی جعل لکم الارض فراشا۔

تقویٰ تک تو پہلے ذکر ہو چکا۔ آج اس آیت مذکورہ کی تحقیق ہو گی۔

خدا وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح اور آسمان کو چھت کی طرح بنایا۔

قرآن کا بیان اس طرح ہے کہ جہاں آسمان و زمین کی پیدائش کا تذکرہ ہوتا ہے۔ تو آسمان کا لفظ پہلے آتا ہے۔ لیکن اس جگہ زمین کا ذکر پہلے کیا۔ غالباً حکمت یہ ہے کہ (ہر متکلم کے کلام کا ہر موقعہ پر الگ مقصد ہوتا ہے۔) تو اللہ تعالیٰ کا مقصد بھی ہر موقعہ پر الگ الگ ہوتا ہے۔

تو جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے۔ تو وہاں آسمان کا لفظ پہلے لاتا ہے۔ اور جہاں احسان اور فیض نعمت کا ذکر ہو تو۔ وہاں زمین کا ذکر پہلے لاتا ہے۔ کیونکہ انسان کو زمین سے زیادہ نعمتیں حاصل ہیں۔

جب سے یہ جدید تہذیب دنیا میں چلی ہے۔ تو ایک قیامت برپا ہے۔ کہ منہ سے تو ہر ایک امن امن پکارتا ہے۔ مگر لڑائیوں سے عملی طور پر پوری دنیا میں فساد برپا کر رکھا ہے۔ تو امن امن پکارتے ہیں۔ مگر امن قائم کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے تین بنیادی مسائل بیان کئے ہیں۔ کہ جن سے اقوام عالم میں امن قائم ہو جاتا ہے۔ اور جنگ ختم ہو جاتی ہے۔

لڑائیاں تین باتوں پر ہوتی ہیں۔

(۱) وطنی لڑائیاں۔ لڑائیوں کی تاریخ میں ان کی تعداد بہت ہے۔

(۲) قومیت کی بنیاد پر لڑائی۔ (۳) مذہبیت کی بنیاد پر لڑائی۔

انسان یا اقوامِ عالم نے ان تین وجہوں پر لڑائیاں لڑی ہیں۔

۔ مگر اسلام نے ان تینوں کی جڑ کاٹ دی۔ کہ وطن تو ایک ہے لیکن شیطان خبیث نے اسے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ اسی طرح دین بھی ایک تھا۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ تو دراصل دین۔ قومیت اور وطنیت یہ تینوں وحدت کے لیے یعنی ایک بنانے کے لیے تھیں۔ مگر شیطان نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا۔

ترجمہ: میں نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور کچھ پہچاننے کے لیے قبیلے رکھے۔ باقی بڑائی۔ یعنی فضیلت تو تقویٰ پر ہوگی۔ اور دین دیا۔

۵۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لکلمات اللہ۔

ترجمہ: لوگوں کو فطرت الٰہی پر پیدا کیا گیا۔ کلمات الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

توجعل لکم الارض فراشا۔ فرمایا کہ کل اولاد آدم کو زمین دی۔ کسی کے لیے مخصوص نہیں کی۔ بلکہ سب کو دی۔ ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین۔ کہ تم سب کو ایک مدت تک اس میں رہنا ہے۔

ولکم فی الارض فیھا معایش۔

ترجمہ: ہم نے اس (زمین) میں تمہاری معیشت (گذر بسر) بنائی۔

چوتھی آیت وقدر فیھا اقوتھا۔

ترجمہ: کہ ہم نے اس زمین میں تمام جانوروں کے لیے روزی رکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کل اقوامِ عالم کا حق ہے۔

ایک چیز تو میں نے اجمالی رنگ میں بیان کی۔ کہ امن اسے کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں کو ایک سمجھا جائے۔ زمین اور زمینی پیداوار میں اشتراکیت ہے۔

روس میں۔ انفرادیت ہے کہ خاص قوم کا حق ہے۔ یعنی ایک خاص پارٹی کا حق ہے۔ اور یورپ وامریکہ جو صرف سرمایہ دار کا حق سمجھتے ہیں۔ مگر اسلام ان دونوں سے جدا مقصد رکھتا ہے۔ اس پر آنے والے درس میں بیان ہوگا۔

دیکھو اللہ تعالیٰ کو جو چھوڑا۔ تو صرف روٹی کا مسئلہ بھی نہ حل کر سکے۔

حضرت مولانا رومؒ نے مثال دی ہے کہ جب گدھے کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو وہ لات مارتا ہے کہ نکل جائے۔ مگر وہ اور زیادہ اندر داخل ہوتا ہے۔ تو یورپ وغیرہ بھی اسی گدھے کی طرح ہیں۔

جعل لکم الارض ۔ کی آیت میں وحدتِ انسانی اور وحدت امن کا مسئلہ ہے۔ یہ بحث آگے آئے گی۔ اب اس پر بحث کرتا ہوں۔ کہ زمین تمہارے لیے فرش ہے۔ تو دیکھو ایک صحن ہوتا ہے۔ اور ایک چھت ہوتی ہے۔ تو پوری زمین کو فرش یعنی صحن تصور کرو۔ اور جس طرح صحن کے لیے چھت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اسی طرح

آسمان کو چھت تصور کرو۔تو جس طرح گھر کے لیے خانگی ضروریات کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو بھی پوری ضروریات دیدیں۔

(۱) پہلی چیز یہ ہے کہ گھر میں سکون ہو۔تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں امن رکھا۔تو قیام گاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ حرکت شعوری نہ کرے۔جس طرح زلزلہ کے وقت زمین حرکت کرتی ہے۔اگر زمین ۱۲ ماہ کانپتی رہتی تو اس پر ہمارا رہنا مشکل ہوجاتا۔

تو زمین پر بسنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔کہ زمین کھڑی رہے۔ اور اگر گردش ہو تو غیر محسوس ہو۔ہمیں معلوم نہ ہو کہ گردش کررہی ہے۔

تو بوجھل چیز کو جب سکون دیا جاتا ہے۔تو انسانی قاعدہ یہ ہے کہ یا تو اوپر سے لٹکا دیں گے۔اور یا اسے نیچے سے ستون دے دیں گے۔انسانی فکر وتدبیر میں ہمیشہ یہی سلسلہ چلا آرہا ہے۔کہ اوپر سے باندھ لو اور یا نیچے سے ستون دیدو۔

تو زمین کا بہت ثقل ہے۔مگر یہ لٹک رہی ہے۔نہ تو کوئی لٹکانے والی چیز نظر آتی ہے اور نہ ہی اور کوئی ستون نظر آتے ہیں۔ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ ۔کہ اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے پھسل جائیں۔تو کون ہے جو انہیں تھام سکے۔اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ زمین محسوس رنگ میں حرکت نہ کرے۔تاکہ انسان کو تکلیف نہ ہو۔

بغیر عمد ترونھا ۔ہم نے آسمان اور زمین کو تھامنے والے ایسے ستون بنائے ہیں جو دیکھے نہیں جاسکتے۔حقیقت میں ستون ہیں سہی۔تو ستون کی صورت عجیب ہے۔سائنس والوں کے لیے ایک حقیقی اور ایک حکمی ستون ہے۔کہ یہ بات

درست ہے کہ زمین چکر لگا رہی ہے۔ مگر ہمیں معلوم و محسوس نہیں ہوتی۔

زمین کا تعلق و صورت سمندروں کے ساتھ ایسا ہے۔ کہ بڑے تالاب میں انڈا رکھیں۔ اس طرح کہ اس کے تین حصے پانی میں ڈوبے رہیں۔ اور ایک چوتھائی پانی سے ننگا ہو۔ تو یہ ہے وہ ٹکڑا جس پر اولادِ آدم بستی ہے۔ صرف شمالی جانب کا کنارہ پانی سے باہر ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ایسا نظام قائم کیا کہ زمین غیر محسوس چکر لگائے تاکہ میری مخلوق سکون سے رہے۔ اگر زمین کو سکون نہ ہوتا تم نہ رہ سکتے۔ اور اگر سمندر سے کچھ حصہ خالی نہ رکھتا تو تم کس طرح رہ سکتے۔

تو میں نے اپنے فضل سے زمین کا ایک چوتھائی حصہ سمندر سے بچا کر تمہیں دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا عجیب انتظام ہے کہ سمندروں پر اور پوری زمین پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے۔ اگر پانی چڑھ جائے اور یا زمین ہل جائے تو پوری زمین برباد ہو جائے۔ نہ لیڈری رہے گی اور نہ صدارت وغیرہ۔ سب سرمستیاں ختم ہو جائیں گی۔ اس زمین اور آسمان کو کون سا ہاتھ تھامے ہوئے ہے؟

کتاب الہند میں ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ پہلے تھوڑی سی زمین سمندر سے باہر تھی۔ مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ضرورت انسانی کے لیے سمندر کو حکم دیا کہ ایک طرف ہٹ جا اور زمین کو خالی چھوڑ دے۔ دیکھو یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم انعام ہے۔ آگے مورخ بیرونی لکھتا ہے کہ قدیم زمانہ میں سمندر کوہ شمالہ تک چلتا تھا۔ گویا آسام تک چلتا تھا۔ اس جگہ تک سب سمندر ہی سمندر تھا۔

میرا اپنا بھی کچھ مشاہدہ ہوا ہے۔ مکران کے علاقہ میں۔ یعنی خلیج فارس کے علاقہ میں۔ پسنی اور جیونی کی دو بندر گاہیں ہیں۔ اس جگہ ایک پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی پر زمین سے ایک سوگز اوپر وہ کچھ ایسا تراشا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح پانی زمین کو تراشتا ہے۔ مکران کے پہاڑوں میں ایسے نشان موجود ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت یہاں سمندر تھا۔ یہ تو بودو باش کے لیے دو چیزوں کے بیان کی ضرورت تھی۔

یونانی کے مطابق ایک حقیقی سکون۔ اور دوسرا سائنسدانوں کے مطابق حکمی سکون۔

(۱) تحفظ من البحر۔ (۲) تحفظ من الحرکتہ الشدیرہ:۔ اور امن یہ کہ زمین سمندر سے محفوظ رہے۔ بعضوں نے فراشاً سے زمین کو مسطح مانا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ زمین گول نہیں ہے۔ یا بعضوں نے فراشاً سے یہ مراد لیا کہ زمین حرکت نہیں کرتی۔ نہیں۔ فراشاً سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک انسان کے لیے فرش ہے۔ بچھونا ہے۔

تو (۱) سکون حقیقی یا حکمی (۲) سمندر سے تحفظ۔ (۳) یہ کہ زمین نہ زیادہ سخت ہو اور نہ زیادہ نرم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوہا نہیں بنایا۔ اگر لوہے کی طرح سخت ہوتی تو کنواں کیسے کھودتے۔ اور کاشت کے وقت ہل کیسے جوتا جاتا۔ اور لطافت بھی نہ ہو۔ کہ زمین کو پانی اور ہوا کی طرح نرم بھی نہیں بنایا۔ اس لیے فراشاً سے مرادہ ہے کہ اسے اعتدال پر بنایا گیا ہے۔ اور پھر یہ سوچو کہ سب کچھ بغیر مانگے۔ بغیر درخواست دیئے عطا ہوا۔ وا اتاکم من کل ماسألتموہ۔ کہ ہم نے تمہیں بغیر مانگے سب

کچھ دیدیا۔ جو کچھ تمہاری فطرت مانگتی وہ سب کچھ ہم نے تمہیں بغیر مانگے دیدیا۔ اور پھر انتظام ایسا عجیب فرمایا کہ ایک گھر دیا اور ایسا دیا کہ چیز ایک ہے۔ اور سب کچھ اس سے لے لو۔ اس زمین سے پانی اور کھانے وغیرہ سب کچھ کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ جو کچھ زمین کو دیدو گے۔ جو کچھ اس میں رکھو گے۔ تو وہ زمین تمہیں اس سے زائد دیدی گی۔

فاخرج به من الثمرات رزقالكم فلا تجعلوا للّٰه انداداً۔

غذا، دوا، ثمر، پوشاک، عمارت، گھر کی کل رونق وغیرہ۔ یوں سمجھ لو دنیا کی کل رونق زمین سے وابستہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو عجیب ڈھنگ آتا ہے کہ ایک زمین کے پیٹ سے کئی قسم کے پھل اور کئی قسم کی اشیاء پیدا کیں۔ پھر ہر ایک کا ذائقہ اور شکلیں مختلف ہیں۔

ایک انجینئر لکھتا ہے کہ انار کے دانے نکال کر دوبارہ اس چھلکے میں ڈالیں تو دوبارہ اس میں نہیں سما سکتے۔ تو مطلب کہ قدرت کے مدبر ہاتھ نے جس ترتیب سے رکھے تھے وہ ترتیب ہمیں نہیں آتی۔ ہر میوہ کی عجیب اور جداگانہ ساخت ہے۔ اب لباس کو دیکھ لو کہ یا تو سوت، یا اون اور یا پھر ریشم وغیرہ کا ہوگا۔

تو پوری دنیا میں جتنا بھی کپڑا ہے یہ زمین کے پیٹ سے نکلا ہوا ہے۔ اسی طرح عمارت کو دیکھ لو کہ اس کی تمام متعلقہ ضروریات کی اشیاء سب کی سب زمین سے وابستہ ہیں۔ تو پوری ضروریات زندگی کو زمین سے وابستہ کیا۔

ہابیل اور قابیل کے تذکرہ میں مفسرین لکھتے ہیں۔ کہ انسانی موت کا آغاز قتل سے ہوا۔ قابیل قاتل تھا۔

حدیث پاک میں ہے کہ قیامت تک کے قتل قابیل کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ قتل کرنے کے بعد پریشان ہوا کہ اب اسے کیا کروں۔ تھوڑی دیر بعد کیڑے مکوڑے آنے لگے۔ آخر بھائی تھا اسے اٹھالیا۔ پھر تھک گیا۔ تو ایک جگہ پھینک دیا۔ پریشانی کے عالم میں ہی تھا کہ ایک کوے نے ایک مردہ کوے کو اپنی چونچ سے زمین کھود کر اس میں دفن کیا۔ تو پھر قابیل نے بھی اسی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔ یہ دفن کا سلسلہ اسی دن سے شروع ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت دونوں کو زمین سے وابستہ کیا۔

درس نمبر ۵

جمعہ، ۱۷ فروری ۱۹۶۷ء

زمین وآسمان کسی سیٹھ کی ملکیت نہیں

یاایھا الناس اعبدوا............... وانتم تعلمون۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کا حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرو۔ پھر اس کے بعد انسان کو اپنی چند نعمتوں کی طرف توجہ دلائی تاکہ بندہ عبادت میں چستی پیدا کرے۔

خلقکم ۔ کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ اور تم سے پہلے تمہارے آباءواجداد وغیرہ کا پورا سلسلہ بھی ہم نے پیدا کیا۔

زمین وآسمان۔ اور زمین وآسمان کے ملاپ سے زمین کی پیداوار بھی ہم نے پیدا کی۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں۔ اس کے بعد حکم ہوا **وانزل من السماء ماءً** ۔ انزال۔ یعنی نازل کرنا۔ اتارنا۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ کہ جب تک میرا حکم نہ ہو۔ تم پوری قوتیں جمع ہو جاؤ تو ایک قطرہ بھی بادل سے بارش کا نہ اتار سکو۔ اور اس لیے اتارا کہ تمہارے لیے رزق پیدا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور دیگر بزرگان نے فرمایا ہے۔ کہ زمینی پیداوار کا معاملہ بعینہ ایسے ہے۔ جیسے کہ ماں باپ کا اولاد کے لیے۔ دیکھو اولاد کے لیے صرف ماں یا صرف

باپ کافی نہیں۔ بلکہ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح انسانی رزق کے لیے صرف زمین یا صرف آسمان کافی نہیں۔ بلکہ دونوں کی ضرورت ہے۔ تو آسمان بمنزلہ باپ اور زمین بمنزلہ ماں کے ہوئی۔ یہ دونوں پوری کائنات کے ماں باپ ہیں۔ کہ آسمان نے پانی ٹپکایا اور زمین نے لے لیا۔

ترغیب وترھیب میں امام منذریؒ سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر زمین پر ذکر اللہ کرنے والے نہ ہوتے تو میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکاتا۔ آج فاسق وفاجر سرمستیاں کررہے ہیں۔ باقی ماندہ لوگوں کو بھی ذکر کرنے سے روکتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانی مخلوقات میں سے سورج کو پیدا کیا۔ تاکہ سمندر سے بھاپ بنا کر اوپر لے جائیں اور حکم ربی کے تحت بادل بنے۔ تو سورج کے اثر سے بارش بنی۔ اور جب برس پڑتی ہے تو فاخرج به من الثمرات رزقالکم۔ تو پھر تمہارے لیے میوے پیدا کرتا ہوں۔

تو قرآن سے معلوم ہوا کہ عبادت اللہ سے پہلے معرفة اللّٰه کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت سے پہلے اللہ کی پہچان ضروری ہے۔ اس لیے عبادت کے فوراً بعد یہ فرمایا کہ تم کہاں سے اور تمہارے باپ دادا۔ زمین وآسمان اور بارش ومیوے وغیرہ کہاں سے آئے ہیں۔ جب ہم ان پر غور کریں گے تو عبادت میں چستی پیدا ہوگی۔ آج جب بارش ہورہی ہوتی ہے۔ تو خدا کا شکر نہیں کرتے کہ کتنا عظیم فضل ہورہا ہے۔ بس اتنا ہی کہہ دیا جاتا ہے کہ بس بارش ہورہی ہے۔

کتاب الطبعیات میں انگریز فلاسفر لکھتا ہے کہ اگر پانی کو آگ سے مصنوعی

ذریعہ کے ساتھ بارش بنایا جائے۔یعنی بھاپ سے بادل وغیرہ بنا کر بارش برسائی جائے۔تو ایسی بارش کے پانی سے وہ ترقی نہیں ہوگی جو خدائی بارش سے ہوتی ہے۔ دیکھو زمین پر سیکڑوں دریاء بہادیئے جائیں تو وہ ترقی نہیں ہوگی جو معمولی سی بارش سے ہوتی ہے۔کیونکہ خدائی بارش میں برکت اور تازگی ہے۔ونزلنا من السماء ماءً حباء مبارکاً۔اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بارش میں پیٹھ مبارک سے کپڑا اتار کر بوندیں لینے لگے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کپڑے بھیگ جائیں گے۔فرمایا اس پانی میں برکت ہوتی ہے۔اس لیے تازہ ترین برکت لے رہا ہوں۔

طبعیات کے ماہرین کہتے ہیں۔کہ ساری دنیا پر بارش برسانا تو درکنار۔ صرف پاکستان اور ہندوستان کو لیتے ہیں۔تو کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ یا ایک دن کی بارش نہیں۔بلکہ صرف دس منٹ کی مصنوعی بارش اگر برسائی جائے۔تو پانی کو بھاپ بنانے کے لیے ۹۰ کھرب ٹن کوئلہ کی ضرورت ہوگی۔اگر اس کی سستی قیمت لگائی جائے تو ۴۵۰ کھرب روپے بنتی ہے۔تو دونوں ملکوں کی تیس ہزار سال کی آمدنی ملائی جائے تو صرف دس منٹ بارش بنتی ہے۔لیکن ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی عنایت ومہربانی ہے۔نہیں۔بلکہ اپنی وہی سرمستیاں ہیں۔رات کو غیر عورتوں سے ملکر ڈانس کرتے ہیں۔ایسے اعمال پر لعنت ہو۔

تکاد السمٰوات یتفطرن منہ وتنشق الارض ۔قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آسمان سے آگ کی بارش برسائے یا اس آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے

گرادے۔ خدا کے قہر سے ڈرتے بھی نہیں۔

کتاب الطبعیات میں ہے کہ تمام دنیا کے کارخانوں یا دیگر جگہوں پر جو بجلی ہے اسے جدید سائنسی آلات سے وزن کیا جاسکتا ہے۔ تو پوری بجلی کا وزن کیا گیا تو چھٹانک کا چوتھا حصہ نکلا۔ تو معلوم ہوگیا کہ روزانہ جو بجلی خرچ ہورہی ہے اس کا وزن ایک تولہ تین ماشہ ہے۔ اور آگے لکھتا ہے کہ سورج کی روشنی کا کچھ حصہ جو زمین پر پہنچتا ہے وہ کتنا وزن رکھتا ہے۔ تو لکھتے ہیں کہ اگر سورج کی روشنی کو دوسو کروڑ برابر ٹکڑے بنائے جائیں۔ تو اس کا جو ایک حصہ ہے اس کا صرف آدھا حصہ زمین پر پہنچایا جاتا ہے۔ دیکھو ضرورت تو صرف آدھہ حصہ کی ہوگی۔ مگر اس کی فیاضی تو دیکھو کہ اس نے دوسو کروڑ گنا پیدا کیا۔ اس میں اور حکمتیں بھی ہونگی۔ تو آلات کے ذریعہ سورج کی باقی روشنی کا جو وزن کیا گیا ہے۔ اس کا وزن ۴۸۰ من ہے۔ بجلی کی روشنی بہت لطیف ہے۔ مگر سورج کی روشنی اس سے بھی لطیف ہے۔ اگر سورج کی روشنی کی قیمت بجلی کی قیمت کے برابر لگائی جائے۔ تو پانچ سو ارب ڈالر بنتی ہے۔ بس زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔

افسوس یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا معمولی سا علم ہے۔ پھر بھی ہم کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ لیکن یہ خنزیر خور سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر پھر بھی اپنی وہی سرمستیاں۔ اور دین سے دوری ہے۔ آج یہ بدبخت ہمیں زندگی کے اصول دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نے دین چھوڑ دیا ہے۔

اس آیت سے چند چیزیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ زمین و آسمان کسی سیٹھ

کے ٹھیکے میں نہیں۔ بلکہ سب اولادِ آدم کا حق ہے۔

دوم یہ کہ تمام رزق کسی کی ملکیت نہیں۔ بلکہ پوری مخلوق کا ہے۔ کیونکہ الناس ۔کالفظ آیا ہے۔نہ کسی مسلم یا دیگر قوم کی خصوصیت کا ذکر ہے۔ بلکہ الناس۔ کا لفظ لیکر سب کے لیے عمومیت کی۔ کسی خاص چوہدری یا امراء کے لیے نہیں۔ یاایھاالناس اعبدوا ۔کہ قدرتی وسائل میں کل اولاد آدم کا حق ہے۔ دوسری آیتوں سے واضح کرتا ہوں۔وجعلنا لکم فیھا معایش ۔کہ ہم نے تم سب کے لیے اس زمین میں معیشت رکھی۔ولکم فی الارض مستقرو متاع الی حین ۔تم سب نے زمین میں رہنا ہے۔اور تم سب کے لیے زندگی بسر کرنے کا سامان مہیا کردیا ہے۔ مگر یہ امراء کیوں ٹھیکے دار بنے پھرتے ہیں۔غریب کا حق کیوں مارتے ہیں۔غریب کی زندگی دوبھر کردی ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو غریب امیر دونوں کا نام لیا ہے۔یہ غریب کو کیوں علیحدہ کرتے ہیں۔دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے کہنے پر چلتی۔تو ہر شخص مالا مال ہوتا۔دنیا تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔مگر چلانے والے شیطان ہیں۔

ہمارے مذہب اسلام کے بہت سے ماخذ ہیں۔قرآن وحدیث،فقہ، قیاس۔ اجماع امت وغیرہ صرف اگر قرآن کو بھی لے لو تو معاشی زندگی کا بہترین نظام ملتا ہے۔

ایک بات یاد آئی کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے زمانے میں زمین کے ایک ٹکڑے پر ہندو مسلم فساد شروع ہوگیا۔مقدمہ عدالت میں چلا گیا۔ انگریز کا دور تھا۔ خیر مختصراً کہ ہندو مسلم دونوں اس بات پر متفق ہوگئے کہ مولانا مرحوم جو فیصلہ فرمادیں گے ہمیں تسلیم ہے۔تو انگریز مجسٹریٹ آیا۔آپ نے اس

سے منہ چھپایا ہوا تھا۔ کرسی تو نہیں تھی۔ خالی گھڑا پڑا تھا اسے اُلٹا کرا کے فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ۔ تو اونچی آواز میں گرج کر فرمایا بول کافر کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا اس چبوترے کے بارے میں فرماویں کہ یہ کس کا ہے۔ مسلمانوں کا یا ہندؤں کا۔ فرمایا مسلمان جھک مارتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کا ہے۔ بظاہر مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کی راست بازی نے غیروں کے دل جیت لئے کہ ہندوؤں نے وہیں اسلام قبول کیا اور زمین کا ٹکڑا مسجد کو دے دیا تو کچھ پیوندی بیر پڑے تھے وہ انگریز کے سامنے رکھے کہ سرخ سرخ چن کر کھالو۔ اس نے تبرک سمجھ کر کھالئے۔ انگریز بے اولاد تھا بیوی ساتھ تھی اس نے حضرتؒ کی مجلس دیکھی تو متاثر ہوئی تو عرض کرنے لگی کہ دعاء کرو میری اولاد ہو جائے۔ تو تقریباً دس منٹ خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر فرمایا جاؤ تیرے تین بیٹے پیدا ہونگے۔

کسی نے حضرتؒ سے پوچھا آپؒ نے منہ کیوں چھپا رکھا تھا۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد رکھا ہے۔ کہ جنہوں نے ہماری حکومت اور ہمارا ملک چھینا ہے میں اس کا منہ دیکھوں گا۔ دیکھو ان کی حکومت کے باجود نفرت کا یہ عالم تھا۔ مگر اب ان کی حکومت بھی نہیں ہے۔ پھر بھی ان سے بجائے نفرت کے از حد محبت رکھتے ہیں۔

تو چاند، سورج وغیرہ کی روشنی۔ اور زمینی پیداوار کے بارے میں قرآن نے بار بار فرمایا ہے کہ یہ سب آولاد آدم کی ہے۔ کسی خاص کے لیے مختص نہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے اسلامی قوانین میں کتاب الخراج لکھی ہے۔ تو زمین کے بارے میں وہ یہ لکھتے ہیں کہ زمین کا وہ حصہ جس پر شخصی ملکیت ہو اسے تو چھوڑ دو۔ اور

جو بنجر پڑی ہے۔ اسے جو کاشت کرے وہ اس کا حق ہے۔

حضرت امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس بارے میں حکومت سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر ہمارے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حکومت سے پوچھے۔ اور حکومت کو چاہیے کہ وہ اسے ضرور اجازت دے۔ باقی یہ کہ زمین کے اندر جو کانیں ہیں۔ پٹرول، سونا چاندی وغیرہ۔ یہ سب کا حق ہے۔ صرف امام ابو حنفیہؒ فرماتے ہیں۔ کہ سونے چاندی میں حکومت کو پانچواں حصہ دینا پڑے گا۔

فضائی اور جنگل کے جتنے شکار ہیں وہ کسی صاحب کے لیے مختص نہیں۔ وہ سب کے لیے برابر ہیں۔ گورنمنٹ شکار کرنا بند نہیں کر سکتی۔ اسلام میں شکار ٹھیکہ پر دینا حکومت کے لیے جائز نہیں۔

اسلام میں تو بہت غریب نوازی ہے۔ اور اتنی ہے کہ اس کی نظیر نہیں۔ اور اسلام اشتراکیت کو توڑتا ہے۔ غریب کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اگر غریب نہ ہوں تو کیا یہ مساجد اور شاہی محل بن جاتے؟ ہر گز نہ بنتے۔ منڈیوں میں جو گندم ہے۔ یا کپاس سے جو کپڑے بنتے ہیں۔ یہ کون بناتے ہیں۔ یہی غریب مزدور بناتے ہیں۔ غریبوں نے بڑے بڑے محلات بنائے ہیں۔ مگر اپنا جھونپڑا تک نہیں۔

حدیث صحیح ہے۔ رب اغبر اشعث مدفوع باالابواب لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ ۔ بہت مرتبہ غریب جو گرد اور غبار سے کپڑے گدلے ہیں ان کے سر کے بال پراگندہ ہیں اور دروازوں سے دھکیلے جاتے ہیں۔ اگر یہ غریب قسم کھا کر اللہ تعالیٰ سے کہے کہ تو یہ کام کر۔ تو خدا تعالیٰ ضرور کرے گا۔ یہ ہے غریب نوازی۔ ملعون

روس کے قانون سے غریب نوازی نہیں ہو سکتی۔ غریب نوازی اسلام میں ہے۔

کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ زمین کی پیداوار سے جو ٹھیکہ اور آبیانہ وغیرہ لیا جائے۔ وہ سب کا سب غریب کا حق ہے۔ کیا آج غریبوں کو عشر وغیرہ دیا جارہا ہے؟ کبھی نہیں دیا گیا۔

آج ہمارے نظام میں بھی تو غریب کو کچھ نہیں مل رہا۔ آج مسلمان مشن وغیرہ میں کیوں مرتد ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ تنگدست ہیں۔

یکاد الفقران یکون کفراً۔ یعنی غربت کفر کے قریب کر دیتی ہے۔

کتاب الخراج کے غالباً صفحہ نمبر ۸۴ یا ۸۵ پر لکھا ہے کہ اسلامی حکومت میں غریب مسلمان تو کیا غریب کافر کی روٹی کی ذمہ داری بھی مسلم سلطنت پر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا کہ عراق کا ایک یہودی بھیک مانگ رہا ہے۔ فرمایا اس وقت تو اسے خرچہ دیدو۔ اور گورنر عراق کو لکھا کہ کیا فلاں یہودی کو بیت المال سے خرچہ نہیں ملا؟

گورنر صاحب نے اطلاع دی کہ واقعی درست ہے۔ کہ ایک سال سے اس کی تلاش جاری ہے۔ مگر وہ مل نہیں رہا۔ اور اس کا مال موجود پڑا ہے۔ یہ ہے اسلام میں غریب کی قدر و منزلت۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے تمام گورنروں کو آرڈر دیا۔ **ایماذمی و ذمیه افتقر و صار علی دینة۔** کہ جو غیر مسلم مرد یا عورت ہوں اور ان کے دین کے لوگ انہیں خیرات دینے لگیں۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ ایسے غریب غیر مسلموں کو مسلمانوں کے بیت المال سے ان کا خرچہ ادا کرو۔

اور جب تک وہ ہماری حکومت میں رہیں۔ انکا خرچہ دینا ہوگا۔ اور جب وہ ہماری سلطنت سے باہر چلیں جائیں تو پھر ان کا نان نفقہ اسلامی سلطنت پر نہ ہوگا۔

ابن جوزیؒ سیرۃ العمرینؓ میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ رو رہے تھے۔ فرمایا قسم بخدا! میں مدینہ میں ہوں۔ اور دجلہ کے کنارے اگر ایک اونٹ کو کھجلی کی بیماری ہوجائے تو میں پریشان ہوجاتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی ہوگی۔ اور وہ پوچھے گا اے عمرؓ تیری سلطنت میں اسے کیوں تکلیف ہوئی تھی۔

آجکل اشتراکیت کا نعرہ لگایا جارہا ہے۔ مساوات۔ مساوات بکتے ہیں۔

میں آگے چل کر بتلاؤ نگا۔ الحقوق الانسانیہ۔ کہ اسلام نے انسانی حقوق کیسے حل کئے۔ کہ اس میں امیر وغریب کا فرق ہے کہ نہیں؟

دوم۔ الحقوق القانونیہ۔ کہ حقوقِ انسان کے مختلف طبقات میں قانون کیا ہے۔

سوم۔ التفاوت الفطری۔ کہ فطری طور پر انسانوں میں کیا فرق ہے۔

چہارم۔ قانون اکتساب۔ کہ مال کس طرح کمایا جائے۔

پنجم۔ قانون انفاق۔ کہ مال کس طرح خرچ کیا جائے۔

ششم۔ تقسیم المال فی الحیوۃ و الممات۔ کہ زندگی اور موت میں مال کی تقسیم کس طرح ہو۔

ہم ان سب پر اسلامی نظریہ کے تحت انشاء اللہ العزیز بحث کریں گے۔

درس نمبر ۶

اتوار، ۱۹ فروری ۱۹۶۷ء

سود خور سنگدل ہوتا ہے

اس سے پہلے درس میں چھ چیزیں لکھوائیں تھیں۔ جب دنیا کے دو معاشی نظریوں اشتراکیت و سرمایہ داری کی ناکامی کی وجہ بتلائی جائے گی۔ تو پھر اسلام کی صداقت کھلے گی۔

روٹی کا مسئلہ لیکر اسلام کو چھوڑا۔ وہ روٹی بھی نہ بانٹ سکے۔ تقسیم نہ کر سکے۔

اس وقت پوری دنیا میں دو نظام چل رہے ہیں۔

(۱) یورپی نظام یعنی سرمایہ داری نظام۔

(۲) روسی نظام یعنی اشتراکی نظام۔

اسلام ان دونوں سے مختلف ہے۔

پہلے یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام لیتے ہیں۔ کہ یورپ نے چند اشخاص کے فائدے کا خیال کر کے قانون بنایا۔ اور باقی لوگوں کو نظر انداز کر دیا۔ یعنی باقی انسانوں کے فائدوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس پر سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد قائم ہوئی۔

سرمایہ دارانہ نظام کی پہلی بنیاد سود پر ہے۔ یورپ اور امریکہ میں ۲ آنے بھی بلا سود نہیں مل سکتے۔ اور سودی کاروبار صرف مالدار چلا سکتا ہے۔ معلوم ہو گیا کہ سود خور

پہلے سے ہی مالدار ہے۔ اور سود پر رقم دیکر وہ خود بخود بڑھتی چل جا رہی ہے۔ تو ایک سود لینے والا اور ایک سود دینے والا بنا۔ تو لینے والا امیر اور دینے والا غریب ہوتا ہے۔

تو غریب کا معنی یہ کہ اس کی آمدنی خرچ سے کم ہے۔ تو کمی دولت کی وجہ سے اس نے سود پر رقم لی۔ تو پہلے ہی آمدنی کم تھی۔ اور اب جب سود کا اضافہ ہو گیا۔ تو یقینی بات ہے کہ سود کے اضافہ سے خرچ میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غریب غریب تر ہو جائے گا۔ اور سود پر رقم دینے والا امیر تر ہو جائے گا۔ اور یہ سودی کاروبار اللہ تعالیٰ کے ہاں چوری اور ڈاکہ سے بدتر ہے۔

مگر یہاں تو اسے مہذب سمجھا جاتا ہے۔ اس کی چند خرابیاں یہ ہیں۔

(۱) اول یہ کہ چوری اور ڈاکہ کو پوری دنیا میں جرم سمجھا جاتا ہے۔ اور سود کو جرم نہیں سمجھا جاتا۔ تو یہ قاعدہ ہے کہ جو کام جرم ہو وہ کم پھیلے گا۔ اور جو جرم نہ ہو وہ زیادہ پھیلے گا۔ اس لیے سود روزانہ بڑھتا جا رہا ہے۔ خود بہاول پور میں دیکھ لو کہ بیمہ کمپنی اور بینک روزانہ لاکھوں روپے کا سودی لین دین کرتے ہیں۔ اور چوری شاذو نادر۔ کبھی کبھار ہوتی ہے۔

(۲) دوم یہ کہ کبھی چور یا ڈاکو کا قلب اسے پشیمان کرتا ہے۔ لیکن سود خور پشیمان نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایسے لوگ بہت ملیں گے جو پہلے چوری کرتے تھے اور اب توبہ کر کے مسجد میں بیٹھے ہیں۔

لیکن سودی کاروبار والے کو آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ اس نے توبہ کی ہو۔ بلکہ آخر عمر تک لالچ کا مرض بڑھتا چلا جاتا ہے۔

قدسی حدیث پاک میں ہے کہ انسان اگر آسمان تک گناہ کرلے۔ اور پھر توبہ کرے تو میں ان گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں۔ **انما الاعمال بالخواتیم** ۔ کہ اگر آخری وقت میں انسان اچھا رہا تو اچھا ہے۔ اور اگر آخری وقت میں برا رہا تو برا ہوگا۔ چور اور ڈاکو کا ضمیر اسے ملامت کرسکتا ہے لہذا وہ توبہ کرلے گا مگر سود خور کا ضمیر بالکل مر چکا ہوتا ہے۔

(۳) سوم یہ کہ ڈاکو اور چور کے دل میں انسانوں کے لیے بدنیتی نہیں۔ خاص کر مسلمانوں کے لیے۔ لیکن سود خور کے قلب میں بدنیتی ہے۔ وہ کس طرح چاہے گا کہ لوگ خوشحال ہوں۔ کیونکہ لوگ اگر خوشحال ہوئے تو اس کا سودی کاروبار نہیں چلے گا۔ سودی کاروبار تو اس وقت چلے گا جب انسان کو محتاجی اور تنگدستی ہو۔ تو سود خور ہر وقت انسان کی محتاجی اور تباہی کا خیال رکھتا ہے۔ لیکن چور یہ خیال کبھی نہیں کرتا کہ لوگ غریب یا تنگدست ہوں۔

قرآن نے باقی مجرموں کے مقابلے میں سود خور کے لیے سخت اعلان کیا ہے۔ **فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** ۔ کہ تم اگر سود سے باز نہ آئے تو میرا اور میرے رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا اعلان جنگ ہے۔ ہم سوچتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اعلان جنگ کا کیسے ظہور ہوگا۔ کہ آخرت میں تو ہوگا مگر دنیا میں کیسے ہوگا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اسلامی معاشیات ایک کتاب لکھی ہے۔اس میں یورپ کا حال لکھا ہے کہ موجودہ جو جنگیں ہوئی ہیں۔ یہ سودی کاروبار کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ لڑائی جب ہوتی ہے کہ سامان جنگ ہو۔اور سامان جنگ تب ہوتا ہے۔ جب دولت ہو۔اور دولت سودخوری سے بڑھتی ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جو اعلان ہے کہ جنگ ہے۔تو جنگ کے لیے فرشتے تو اوپر سے نہ اتریں گے۔ بلکہ اس سود کی دولت سے۔تم بم بنا کر خود اپنی گردن کاٹو گے۔ جنگ عظیم میں سود کی وجہ سے جو بم بنے ان سے چودہ کروڑ انسان تباہ ہوئے۔نہ جانے آگے کیا ہوگا۔

(۴) چہارم یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام سے سادہ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو دولت بے محنت اور مفت حاصل ہو۔تو اس کے خرچ کرنے میں تکلیف اور احساس نہیں ہوتا۔ اور اس رقم کو تعیش پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ دیکھو جب دولت آجائے تو اونچی اور پختہ بلڈنگیں۔ پُرتکلف غذائیں۔ قیمتی پوشاکیں ایسی استعمال کرتے ہیں کہ شیطان بھی حیران ہو جائے۔ یہ کوٹ جو تم نیلامی میں خرید لاتے ہو۔ (یعنی لنڈے کا مال) یہ مال وہ پھینکنا چاہتے تھے۔لیکن پورے ایشیاء میں ان کے پھینکے جانے والے مال کی خرید و فروخت ہو رہی ہے۔

(۵) پنجم۔تو چونکہ مال بے محنت حاصل ہو جاتا ہے تو حصول لذت کے لیے شراب نوشی کرتے ہیں۔شراب نوشی پر بہت خرچہ ہے۔ یہ کسی دوسرے درس میں بیان کروں گا۔

(۶) ششم۔پھر رقص و سرود۔سینما وغیرہ۔ان کی بنیاد سرمایہ دارانہ سودی نظام نے ڈالی۔ کیونکہ ساری دنیا سے دولت بلا محنت سمٹ کر آ گئی۔

(۷) ہفتم۔ ساتویں چیز شکار کی عیاشی۔ اور پھر شکار کے لیے کتے پالنا۔ یورپ کے کتے ایشیا کے رئیس سے زیادہ آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک ڈر اور خوف ہوتا ہے کہ سودی نظام سے جو چند لوگ دولتمند ہو گئے ہیں۔ کوئی حکومت اس دولت کو ضبط نہ کرے۔ تو یہ خوف بھی انہیں نہیں ہوتا۔ کیونکہ یورپ اور امریکہ نے جمہوریت کے نام پر قانون ایسے بنائے ہیں کہ سلطنت میں وہی لوگ آئیں گے جو خود سود خور ہیں۔ تو کتنی حکومتیں بدلیں مگر کسی نے پابندی نہیں لگائی۔ یہ صرف اس لیے کہ قانون بنانے والے وہی مالدار ہوتے ہیں۔

نعرہ جمہوریت کا لگاتے ہیں۔ مگر الیکشن کے اخراجات اتنے رکھے کہ صرف امیر ہی برداشت کرسکتا ہے۔ غریب ویسے ہی جوتی چٹخاتا پھرے گا۔

پھر یورپ اور امریکہ نے دنیا کو دارالامراء اور دارالغرباء میں تقسیم کر رکھا ہے۔ تو دارالغرباء پر یہ پابندی لگا رکھی ہے۔ کہ جو تجویز پاس کرے۔ وہ جب تک دارالامراء میں پاس نہ ہو تو اس وقت تک اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا کوئی ہے جو اپنے خلاف بات پاس ہونے دے۔

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیراز نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کرب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

(اقبالؒ)

پھر جب سرمایہ داری نظام پھیلتا ہے تو کارخانوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً اسلحہ سازی یا کپڑا وغیرہ کے کارخانے کے مالک۔ پھر وہی مالدار ہو جاتے ہیں۔

تو معلوم ہو گیا کہ اس صورت میں سود کا ہاتھی اور بھی زیادہ پھول گیا۔ یہ سود کی مادی خرابیاں ہیں۔ اور روحانی بیماریاں تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔

(۱) اصل بات تو یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو۔ لیکن سود خور کو مال سے تعلق ہوتا ہے۔ تو اس سرمایہ دارانہ نظام نے اللہ تعالیٰ کی جگہ مال کو دیدی۔ اور یہ جو صدارتیں اور وزارتیں اور عہدوں کی بھوک بھی سرمایہ کی وجہ سے ہے۔

لیڈر کو دنیا میں صرف ایک مصیبت ہے۔ مثلاً سارے لوگ بھوک تکلیف سے مر جائیں۔ اسے کوئی فکر نہیں۔ اسے صرف اپنی کرسی کا علم ہے کہ اسے خطرہ نہ ہو۔ جب کرسی کو خطرہ لاحق ہو تو وہ غمزدہ ہوتا ہے۔ لیڈر سے مراد وزارت وغیرہ کے عہدے ہیں۔

کسی نے لینن سے پوچھا۔ کہ لیڈر کسے کہتے ہیں۔ جواب دیا۔ کہ لیڈر وہ ہے جو اپنے مطلب کو لوگوں سے چھپا جائے۔ تو یہ سب کچھ بکواس ہے کہ ہمیں ووٹ دو ہم اسلام لائیں گے۔ ہم تعلیم پھیلائیں گے وغیرہ۔

انسان کا لفظ انس سے بنا ہے۔ یعنی محبت و انس سے ہے۔ کہ انسان کو ہر جاندار سے انس ہے۔ مگر سرمایہ دار اور سود خور کے دل سے انس و محبت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ویٹ نام میں بچے وغیرہ آگ میں جل رہے ہیں۔ بات بھی کچھ نہیں۔

صرف اتنی ہے کہ یہ تجارتی منڈی ہمارے قبضہ میں رہے۔نہ کہ چین وغیرہ کے قبضہ میں۔یعنی صرف ہمارا مال بکے۔مزید نقصان یہ کہ سرمایہ دار غریب سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا۔بلکہ اپنی ہتک سمجھتا ہے۔

مگر ہمارے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم غریبوں پر شفقت فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔میں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ قیامت کے دن ہجوم ہوگا ہم آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کہاں تلاش کریں گے۔فرمایا اطلبونی فی المساکین۔کہ مجھے غریبوں کے گروہ میں تلاش کرنا۔

اس وقت میں صرف سرمایہ دارانہ نظام کی قباحتوں کا خاکہ تمہارے ذہن میں ڈال رہا ہوں۔

اخلاقی برائی۔یعنی بداخلاقی یہ ہے کہ بخل ہو اور سخاوت نہ ہو۔اس سرمایہ داری نظام سے سخاوت ختم ہو جاتی ہے۔اور بخل انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔کیونکہ سخاوت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مال سے محبت نہ ہو۔

احیاء العلوم میں سوءِ خاتمہ پر مستقل ایک باب ہے۔کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آدمی آخری وقت میں ایمان کی حالت میں جا رہا ہے تو فائدہ ہے۔ورنہ بُرا خاتمہ ہوگا۔

تو اس سوءِ خاتمہ سے انسان کیسے بچ سکتا ہے۔سوءِ خاتمہ سے مراد یہ ہے کہ انسان آخری وقت میں کفر کی حالت پر مرے۔تو ایسی موت کا بڑا سبب مال سے محبت

ہے۔نزع کے وقت کفر کی موت عموماً وہ شخص مرتا ہے۔جو مال سے محبت کرتا ہو۔

وہ کس طرح۔کہ جب نزع کا وقت ہو تو مرنے والا مالدار یہ سوچتا ہے کہ اب میں جا رہا ہوں۔یہ دولت مجھ سے جدا ہو رہی ہے۔تو اس وقت شیطان موقعہ پا کر خیالات ڈالتا ہے کہ یہ موت اب تجھے بیوی، بچے اور تمام جائیداد سے محروم کر دے گی۔اور یہ موت کون دینے والا ہے۔وہ اللہ ہے۔تو تم یہ یاد رکھ لو کہ ان محبوب چیزوں سے جدا کرنے والا اللہ ہے۔تو اللہ سے تیرا بڑا کوئی دشمن نہ ہوا۔

تو مرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ سے نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور یہی نفرت و دشمنی ہی بدترین کفر ہے۔

انسان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ بہادر ہو۔یعنی وقت آنے پر جان پر کھیل جائے۔اور جو دولتمند ہو گا وہ تو یہ سوچے گا کہ اگر میں مر گیا تو یہ دولت مجھ سے چلی جائے گی۔تو دولتمند بزدل ہوتا ہے۔بہادر نہیں ہوتا۔مگر اس کے مقابلہ میں غریب کہتا ہے کہ مروں تا کہ اس دنیا سے اچھی جگہ کو چلے جائیں۔

یہی وجہ ہے جب سے ہماری فوج مالدار ہوئی ہے۔وہ شراب نوش ہو گئی ہے۔اور بزدل ہو گئی ہے۔یہ امریکہ وغیرہ کی فوج تو کاغذی فوج ہے۔اگر یہ عمدہ فوج ہوتی۔تو کوریا اور ویٹ نام میں فتح نہ پا لیتی۔

جنگِ احد میں ایک شخص تازہ مسلمان ہوا۔کھجور کے دانے ہاتھ میں ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا عرض کی کہ شہادت کے بعد ہم کہاں جائیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جنت میں۔کہ اس میدان

جہاد میں غوطہ لگاؤ اور سر جنت کے میدان میں نکالو۔ تو اس نے وہ کھجور کے دانے پھینک دیئے اور میدان میں کود پڑا۔ تھوڑی دیر بعد شہادت پائی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر بہت زیادہ پایا۔ یہ صرف اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کو مال و دولت سے محبت نہ تھی۔

جرمنی نے ایک ہی حملہ کیا اتحادیوں کی ساری فوج کو پسپا کر دیا۔ تو پھر یورپ اور امریکہ کا اقرار ہے کہ جب تک مسلمانوں کی فوج نہ آئے گی اس وقت تک ہم جرمن کو فتح نہیں کر سکتے۔ تو پھر مسلمانوں کی فوج بلائی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

ابلیس نے انگریزوں کو ایک تدبیر بتلائی۔ کہ مسلمان کو اگر اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ تو اسے دین اسلام سے دور کر دو۔ اس کے دل سے علماء کی قدر و منزلت ختم کر دو۔ بس پھر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ تو علامہ اقبالؒ نے اسے منظوم کیا ہے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

درس نمبر ۷

جمعہ ۲۴ فروری ۱۹۶۷ء

سرمایہ دارانہ نظام کے نقائص

یاایھا الناس اعبدوا.........وانتم تعلمون۔

اسلام دینِ کامل ہے۔ اس لیے اس نے دنیا کا بھی ہر مسئلہ حل کیا۔ ایسا حل کیا کہ دنیا کے بڑے بڑے عقلمندوں سے حل نہیں ہوا۔ مثلاً دولت وغیرہ کی تقسیم۔ نصف سے زیادہ دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے۔ تو کروڑوں انسانوں کی زندگی۔ چند انسانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ یعنی پوری دولت پر چند انسانوں کا قبضہ ہو گیا۔ خود ان کی اقوام متحدہ کی رپورٹ ہے کہ اس نظام سے نصف دنیا بھوک میں مبتلا ہے۔ اور پھر اس نظام کو اتنا مضبوط کیا ہے۔ کہ وراثت کی تقسیم نہیں رکھی۔ تا کہ سرمایہ تقسیم نہ ہو۔ کہ اگر مالدار آدمی مرجائے تو وراثت کی تقسیم نہیں۔ پوری جائیداد کا مالک بڑا بیٹا۔ یا بڑی بیٹی ہو گئی۔ باقی کو صرف روزینہ ملتا ہے۔ مطلب یہ کہ سرمایہ کا ایک سانپ مرا اور دوسرا سانپ اس کی جگہ بیٹھ گیا۔

اس نظام سے یہ معاشی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ جب زمین کی پیداوار تمام انسانوں کی روزی ہے۔ اگر وہ سمٹ کر چند انسانوں کے ہاتھ میں آ جائے۔ تو باقی دنیا بھوکی ہو جائے گی۔ اور قرآن فرماتا ہے کہ زمینی پیداوار تمام انسانوں کی روزی

ہے۔تمام انسانوں کا حق ہے۔

مثلاً۔ہم جو غذا کھاتے ہیں وہ خون بنتی ہے۔اور اس خون میں جسم کے ہر اعضاء کا حق ہے۔یعنی اس خون کو قلب، معدہ، دماغ وغیرہ ہر عضو میں پورا پورا تقسیم کیا جائے گا۔ ہر ایک کا حق ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی زمین جو پیداوار دیتی ہے۔وہ کل اولاد آدم کا حق ہے۔ مسلمان ہوں یا کافر۔سب اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اگر چند افراد لوٹ لیں۔تو پھر معاشی حالت بہت کمزور ہو جائے گی۔اگر خون پر قلب قبضہ کرے کہ دوسرے اعضاء کو میں نہیں دیتا۔تو تمام اعضاء خشک ہو کر رہ جائیں۔تو معلوم ہو گیا کہ یہ نظام شیطانی ہے رحمانی نہیں۔

دوسرا اعتقادی نقصان ہے۔عقیدہ کی بنیاد اور جڑ یہ ہے کہ بندوں سے محبت ہو۔

الخلق عیال اللّٰہ فاحب الناس الی اللّٰہ من الی عیالہ ۔کہ تمام اولاد آدم مسلم ہوں یا کافر یہ سب اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں۔ان کتوں نے تو انسانوں کو لڑایا۔مگر محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تو محبت سکھائی ہے۔تو جو انسانوں سے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے کنبہ سے محبت کرے گا۔اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا۔او کمال قال صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم۔

حضرت موسیٰؑ کا تاریخ میں واقعہ درج ہے۔بنی اسرائیل سے تنگ آ کر آپ نے ایک مرتبہ بددعاء کر دی۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ایک جگہ چلے جانے کا حکم دیا۔ جب وہاں تشریف لے گئے تو فرمایا کہ فلاں کمہار سے کہو کہ فلاں برتن توڑ دو۔حضرت موسیٰؑ نے کمہار کو کہا۔تو اس نے جواب دیا کیوں توڑوں۔میں کوئی دیوانہ

ہوں۔تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا۔ مجھے اپنی مخلوق پیاری ہے۔ میں انہیں کیوں تباہ و برباد کروں۔ دیکھو پیغمبر علیہ السلام جیسی شخصیت بددعاء کررہی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مجھے میری مخلوق پیاری ہے۔

تو عقیدہ کی بنیاد اور جڑ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں سے محبت ہو۔مگر سرمایہ دارانہ نظام میں ایسی محبت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔اس نظام سے صرف مال و دولت کی محبت بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں یہ نظام ہے۔ وہاں نہ اللہ سے محبت ہے اور نہ اس کے بندوں سے۔ دیکھا نہیں کہ دو عظیم جنگوں میں کتنی جانیں تباہ ہوگئیں۔اور ویٹ نام میں یہی کچھ ہورہا ہے۔ یا انقلاب کے بہانے انڈونیشیا میں خون بہایا۔ یا عرب کے سینہ میں اسرائیل کا چھرا رکھا۔ یہ مال و دولت کی محبت سے ہے۔اگر آپ امریکہ میں جاکر دیکھیں تو وہاں خدا کا نام لینے والے بہت کم ملیں گے۔ اور جن لوگوں نے بالکل انگریزوں کی خو بو اختیار کررکھی ہے۔ان کی زبان پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام بہت کم ہے۔مگر غریبوں میں دیکھو ہر وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔

اب تو نامِ خدا بہت کم سنتا ہوں میں
کبھی رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں
(اکبرؒ)

اس نظام نے ایسا اثر ڈالا کہ انسان کو اللہ اور اس کے بندوں سے کاٹ کر مال و دولت کا غلام بنادیا۔یاد رکھو۔اس سے اوپر اور کوئی بدبختی نہیں۔ کیونکہ مال و دولت آدمی کے لیے ہے۔اور آدمی خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔اب اگر آدمی مال و دولت کے لیے بن جائے۔

تو اس کا معنیٰ الٹ ہوا۔ کہ آقا غلام بن گیا اور غلام آقا بن گیا۔

جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے

ایک مرتبہ بغداد شریف میں ایسا شدید قحط پڑا کہ پاؤ بھر گندم بھی کئی اشرفیوں میں ملتی تھی۔ تو ایک شخص قبرستان سے گذر رہا تھا دیکھا کہ حضرت بہلولؒ بیٹھے ہیں۔ ان سے کہتا ہے کہ آپ کو پتہ نہیں بغداد میں اس درجہ کا قحط پڑا ہوا ہے۔ فرمایا تم مجھے اس خبر سے غمگین کرنا چاہتے ہو۔ چلو روٹی کا قحط ہے۔ کیا عبادت کا بھی قحط ہے؟ اس شخص نے کہا نہیں۔ تو فرمایا وماخلقت الجن و الانس الا لیعبدون ۔ کہ ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ کہ ہمارے ذمہ تو عبادت کرنا ہے۔ وہ اب بھی ارزاں ہے۔ سستی ہے اور ہمیشہ ارزاں رہے گی۔ اور روٹی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ چاہے ارزاں ہو یا مہنگی۔ ہماری اس سے غرض نہیں۔ یہ ہے اللہ والوں کی بات۔

عیسائیوں نے ہماری اولاد کو پھسلانے کے لیے بہت جال پھیلائے ہیں۔ اب یہ ہماری غلطی ہے۔ اور کمزوری ہے۔ کہ ہم نے اپنی اولادوں کو دین نہیں سکھایا۔ ہم نے اپنی اولاد کو اسلام پر پختہ نہیں کیا۔ حالانکہ انہی عیسائیوں کا قول ہے۔ کہ اگر ایک مرتبہ اسلام آ جائے۔ تو پوری دنیا اگر چٹنی بن جائے مگر مسلمان بے دین نہ ہوگا۔

میں قسم بخدا کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان سے آواز دیکر کہے کہ اے بندے تو مرزائی بن جا۔ میں یہ ساری دنیا دیتا ہوں۔ تو کوئی مسلمان ایسی دنیا پر تھوکے گا بھی نہیں۔

آج اس بُرے دور میں بھی جو تھوڑی بہت مہمان نوازی باقی ہے۔ وہ صرف اس لیے کہ یہاں یہ لعنتی نظام مکمل طور پر نہیں۔

ابن بطوطہ نے تیس آدمیوں کی ہمراہی میں دنیا کا سفر کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ہمیں کچھ خرچ نہ کرنا پڑا۔ کہ جب ہندوستان میں آئے تو ابھی یہاں انگریز شیطان نے اس لعنتی نظام کا تخم نہیں ڈالا تھا۔ تو کیا دیکھا کہ ہندو جیسی بخیل قوم ہمارے لیے اتنا دودھ اور مکھن لائی کہ من ومن جمع ہو گیا۔

دیکھو اب شہروں پر اس سرمایہ دارانہ نظام کا زیادہ اثر ہے۔ اس لیے شہروں میں باوجود دولت کے مہمان نوازی بہت کم ہے۔ اور بستیوں میں اس کا اثر کم ہے۔ تو وہاں غریب شخص بھی اپنی استطاعت کے مطابق خوشی سے مہمان نوازی کرتا ہے۔

مسلمانوں کی مہمان نوازی کے تو ہزاروں عجیب وغریب واقعات ہیں۔ سر سید احمدؒ متوسط گھرانے کے فرد تھے۔ مگر مہمان نواز تھے۔ مجھے ایک شخص بمبئی میں ملا۔ اس نے واقعہ سنایا کہ سردی کے موسم میں بارش ہو رہی تھی۔ ہم تین چار آدمی رات کے وقت ان کے مہمان ہوئے۔ انہیں اطلاع ہوئی۔ باہر تشریف لائے۔ بستر وغیرہ کا انتظام کیا۔ آگ سلگائی۔ اتفاق سے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ تو ایک پڑوسی ہندو چنی لال کے گھر گئے کہ خدا کے بھیجے ہوئے مہمان آئے ہیں۔ تو اس نے چار سیر جلیبیاں دیں۔ آپ لے آئے اور اپنی بھینس کا دودھ نکلوایا۔ ان میں ملا کر ہمیں مہمانی دی۔

تو پہلے زمانے کے مسلمان مہمان کو رحمت اور نوازش سمجھتے تھے۔

تو محبۃ اللہ اور محبۃ الانسان۔ یہ اعتقاد کی بنیاد ہیں۔

یہ سرمایہ دارانہ نظام اخلاقی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ کیونکہ یہ بہادری کے بدلے بزدلی دیتا ہے۔ چواین لائی کا یہ مقولہ درست ہے۔ کہ امریکہ کا انسان کاغذی انسان ہے۔

ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ کہ شہری لوگ بزدل ہوتے ہیں اور گاؤں والے بہادر ہوتے ہیں۔ انہوں نے جو وجہ بتلائی ہے۔ وہ بھی درحقیقت اسی نظام کی بدولت ہے۔ کہ گاؤں والے اپنی مال و دولت کی خود حفاظت کرتے ہیں۔ اور شہری چوکیدار اور پولیس سے حفاظت کرواتے ہیں۔

مسلمان۔ تعداد۔ سخاوت اور بہادری وغیرہ میں بے مثل ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ساری عمر یہ ایک نہ ہونگے۔ ان میں اتفاق نہ ہوگا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات گاؤں کے جاہل لوگوں سے ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ کہ بڑے بڑے دانشور بھی نہ کہیں۔ فرمایا ایک مرتبہ میرے پاس گاؤں کے دو بوڑھے آئے۔ وہ آپس میں باتیں کررہے تھے۔ ایک نے کہا پہلے تو اپنی حکومت تھی۔ مگر اب تو انگریزوں کی ہے۔ تو مسلمان کیسے ترقی کریں گے۔ دوسرے نے کہا۔ کہ مسلمان۔ ایک ہوں اور نیک ہوں۔ بس پھر ترقی ہوجائے گی۔

سید جمالؒ الدین افغانی نے جامعہ اظہر میں اپنی تقریر میں فرمایا۔ کہ کافروں کا اتفاق اور مسلمانوں کی بے اتفاقی ضرب المثل ہے۔ مسلمان ابدالآباد بے اتفاق رہیں گے۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
(اقبالؒ)

مطلب یہ کہ مسلمانوں میں اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا۔

میرا ایک شعر ہے کہ اگر مولوی راہ راست پر آ جائے تو مسلمان ایک ہو سکتے ہیں۔اور مسلمان آپس میں متفق ومتحد ہو سکتے ہیں۔

مولوی با مولوی اندر نبرد
زیں سبب ملت ما فرد فرد

تو اس نظام سے شجاعت اور سخاوت کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔

حضرت تھانویؒ قصہ سناتے تھے۔کہ ایک لاکھ پتی ہندو بیمار ہوا۔کئی دن گذر گئے اس نے علاج نہیں کیا۔آخر لوگ اسے کہنے لگے کہ لالہ جی غریب بھی علاج کراتے ہیں۔تم کیوں نہیں کراتے۔تو ایک دو مہینے تو اس نے ٹال مٹول کر کے گذار دیئے۔مگر جب لوگوں نے مجبور کیا۔تو دیکھا کہ اب کچھ کئے بغیر ان سے جان چھڑانا مشکل ہے۔تو کہنے لگا بتلاؤ کہ میرے علاج پر کتنا پیسہ خرچ ہوگا۔تو اسے تخمینہ بتایا گیا۔پھر کہتا ہے کہ مر کر جلایا جائے گا تو کتنا خرچ ہوگا۔تو اس کا تخمینہ بھی بتایا گیا۔تو مر جانے میں دو آنہ کم خرچ تھا۔تو جواب دیا کہ مر جانا اچھا ہے۔یہ ہے سود خوری اور سرمایہ دارانہ نظام کی لعنت۔

درس نمبر ۸

اتوار، ۲۶ فروری ۱۹۶۷ء

اشتراکی نظام کے نقائص

یاایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم...... وانتم تعلمون۔

اخلاقی سلسلہ میں جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قانون کے خلاف انسان اپنی مرضی کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام چلاتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ چند افراد کے علاوہ باقی سب غریب ہو جاتے ہیں۔

کاد الفقران یکون کفراً۔ قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچادے۔ تو غریب چوری وغیرہ بھی کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ غربت اور افلاس سے جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے۔ باقی یہ کہ اس نظام سے بھوک اور غربت بھی بڑھتی ہے یا کہ نہیں؟

کوئٹہ سے ایک رسالہ پاسبان نکلتا ہے۔ اس میں اقوام متحدہ کی رپورٹ درج ہے کہ آدھی دنیا بھوکی ہے اور اس نے اپنے ۴ جنوری کے رسالے میں لکھا ہے۔ کہ امریکہ کی تحقیقاتی رپورٹ بتلاتی ہے کہ امریکہ میں ہر سیکنڈ میں ایک بڑا جرم ہوتا ہے۔ روزانہ ۳۶۱ قتل ہوتے ہیں۔ اور روزانہ ۲۵۵ زنا بالجبر ہوتے ہیں۔ اور ۲۴ گھنٹوں میں ۴۶۲ موٹریں چوری ہوتی ہیں۔

جب کینیڈی صدر بنا تو اس کی ٹی پارٹی میں اس کی محافظ فوج کی موجودگی میں چائے کے گیارہ ہزار پیالے اور ۴ سو رومال چرائے گئے۔

یہ ہے امریکہ کے صدر کی ٹی پارٹی کی واردات۔ اس سے تو ایشیا کا غریب بھی بہتر ہے۔

یہ نظام۔ اعتقادی، اقتصادی اور اخلاقی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ سیاسی لحاظ سے بھی۔

(۱) اخلاقی لحاظ سے یہ اس لیے نقصان دہ ہے کہ اس سے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔

(۲) سیاسی لحاظ سے یہ اس لیے نقصان دہ ہے کہ اس نظام میں دنگا و فساد ہوتا ہے۔ دیکھو جب غریب کی پرواہ نہ کی جائے تو تنگ ہو کر بغاوت کرے گا۔ اس لیے ہڑتالیں، سٹرائیکیں اور یونینیں ہوتی ہیں۔ یہ اس لیے ہوتی ہیں کہ کسی کی حق تلفی کی جائے۔ اسلامی دور میں یہ چیزیں نہیں تھیں۔

جب نظام غلط ہو تو نتیجہ غلط نکلے گا۔ اور سیاسی حالت بگڑ جائے گی۔ یہ وجہ ہے کہ اس نظام سے ایک طرف آدھی دنیا بھوکی ہے اور دوسری طرف ۲۳ سو ارب ڈالر کی جوا بازی اور ۵۷ سو ارب ڈالر کی شراب چلتی ہے۔ تو ایک طرف عیاشی اور دوسری طرف بھوک ہے۔ اور ایک طرف انسان مر رہے ہیں دوسری طرف امراء کے کتے کیک، پیسٹریاں اور دودھ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ عیاشی قانون پیغمبر علیہ السلام کے خلاف ہے۔

سیرۃ العمرین میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص آیا آپ نے فرمایا کہ کھانا میرے پاس کھانا۔ وہ دل میں خوش ہوا کہ آج خوب اچھا کھانا تناول کریں گے۔ مگر جب کھانا آیا تو ایک برتن میں کچھ نمک اور دوسرے میں زیتون اور کچھ روٹی کے ٹکڑے تھے۔ وہ بول پڑا کہ آپ گوشت نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا جس دن میری ساری رعایا گوشت کھائے گی اس دن میں بھی کھاؤں گا۔

یہ تو سیدنا فاروق اعظمؓ تھے۔ اورنگ زیبؒ کے ہاں ان کا مہمان آیا تو اس نے جب شاہی کھانا دیکھا تو حیران ہو گیا کہ بس نمکین پانی وغیرہ ہے۔ تو عالمگیرؒ اس کی کیفیت دیکھ کر سمجھ گئے۔ تو پھر انہیں مہمان خانہ میں منتقل کر دیا۔ جہاں عمدہ انتظام تھا۔

نورالدین زنگیؒ نے متحدہ یورپ کو شکست دی۔ مگر جب فوت ہوا تو گھر سے دس روپے بھی نہ نکلے۔ صلاح الدینؒ ایوبی کے نام سے یورپ کانپتا تھا مگر وفات کے وقت ترکہ میں صرف ۷ درہم چھوڑے۔

تو یہ تمام خرابیاں سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ ہیں۔

اشتراکی نظام:

اب مختصراً اشتراکی نظام کے متعلق بیان کرتا ہوں۔ روس نے خدا کو فراموش کیا۔ صرف روٹی کا مسئلہ لیا۔ تو روٹی بھی تقسیم نہ کر سکا۔ یہ ایک دن اپنی موت خود مر جائے گا۔

روس نے اشتراکی نظام قائم کر کے یہ چاہا کہ دولت اور ذرائع دولت دونوں حکومت کے ہاتھ میں ہوں۔ اور لوگوں سے کام لیکر ان کی ضروریات کا انتظام کیا

جائے۔ یہ نظام بظاہر تو پہلے نظام سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس میں امرا اور دولتمندوں کی ضرورت پوری کی گئی۔ اور غرباء کا ستیاناس کر دیا گیا۔ اور انہوں نے امراء کا ستیاناس کر دیا۔ انصاف تو پھر بھی نہ ہوا۔

انصاف اللہ تعالیٰ اور انبیاءؑ کے ماسوا نہیں ہو سکتا۔

روس میں تمام لوگوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ان کی محنت سے جو دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کا تین فیصد حصہ انہیں ملتا ہے۔ معلوم ہو گیا کہ ۹۷ فیصد حکومت لے لیتی ہے۔

اس کا معنی یہ کہ سرمایہ دارانہ کے متعدد سانپ گئے۔ اور ایک موٹا سانپ آ گیا۔ روس میں مزدور نے کمایا تو سو روپیہ مگر ملے اسے تین روپے۔ تو درحقیقت یہ بھی سرمایہ داری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ادھر ایک کے پاس سرمایہ ہے اور یورپی نظام میں متعدد کے پاس سرمایہ ہے۔

پھر اتنا فرق ضرور ہے کہ یورپی سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور کم اجرت کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے ایک کارخانہ چھوڑ دیتا ہے تو اسے دوسرے کارخانے میں ملازمت مل سکتی ہے۔ مگر روس کے اشتراکی نظام میں تو صرف ایک ہی کارخانہ ہے اور ایک ہی سرمایہ دار ہے۔ اگر مزدور کارخانہ چھوڑتا ہے تو پھر دوسرے کسی کارخانے میں ملازمت نہیں ملتی۔ اور روٹی کپڑا بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس سے کارڈ تو لے لیا جائے گا۔ اس صورت میں اس کی چیخ و پکار سننے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔

یورپ اور امریکہ میں مزدور کی چیخ و پکار سنی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر آدمی کی روٹی وغیرہ اپنی ہے۔ مگر روسی نظام میں تو روٹی کپڑا، علاج اور دیگر ضروریات حیات حکومت

کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ رعایا کو جانور کی طرح دھکیل رہے ہیں۔ جیسے نکیل سے جانور قبضے میں ہوتا ہے۔ جدھر اس کو موڑیں وہ مڑتا ہے۔ جو کام اس سے لیں وہ دیتا ہے۔ اسی طرح اشترا کی نظام میں انسان کو نکیل ڈال دی جاتی ہے۔

(۱) اشترا کی نظام میں انسان کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں ملتا۔

(۲) انسان پر جو ظلم ہوا ہو اس کی درخواست بھی نہیں سنی جاتی۔

(۳) انسان کی حیثیت انسانیت سے گر کر جانور کی حیثیت بن جاتی ہے۔

تو معلوم ہو گیا کہ یہ نظام انسان کو حیوان بنا دیتا ہے۔ بس حکومت کی مرضی کے مطابق کام کرے اور بیل کی طرح روٹی کھائے۔ اپنی مرضی کے مطابق تو زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس سے تو انسانیت ختم ہو گئی۔ اگر وہاں مزدوری یومیہ پچاس روپے ہے۔ تو ادھر انہوں نے مصنوعی مہنگائی کر رکھی ہے کہ ایک ہاتھ سے دیں اور دوسرے ہاتھ سے لے لیں۔ تو صابن کی ٹکیہ ۲۵ روپے میں ملے گی۔ تو پچاس روپے کمانے والا کیسے گذارا کریگا۔ تو یہ سب کچھ دھوکہ ہے۔ انشاء اللہ یہ اپنی موت خود مر جائیں گے۔

اب مختصر کرتا ہوں کیونکہ پہلے یہ بیان تفصیل سے گذر چکا ہے۔ تو اسلام کا اعتدالانہ نظام۔

اسلام کا معتدلانہ نظام۔

اسلام نے جہاں تک ممکن تھا انسان کو مساوات دی۔ یعنی مساوی حقوق عطا کئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی زمین۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ہے۔ اس پر کسی ایک کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔

جعل لکم الارض فراشا۔ زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا۔ وجعلنا فیھا معاش۔ اور ہم نے اس (زمین) میں تمہاری معیشت رکھی۔

حدیث پاک ہے۔ المسلمون شرکاء فی الثلث فی الما والکلام۔ اور ابن ماجہ میں وفی الملح کا لفظ بھی آیا ہے۔ کہ مسلمان پانی، گھاس، آگ اور نمک میں شریک ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

پانی کا معنی یہ کہ پانی کے تمام فوائد تمام انسانوں پر عموماً اور غرباء پر خصوصاً تقسیم کیے جائیں۔ دیکھو اگر دس منٹ اسلامی قانون چلایا جائے۔ تو پورا یورپ یہی قانون چلائے گا۔

زمین کی خفیہ دولت مثلاً سونا، چاندی، کوئلہ، ہیرے، جواہرات اور سوئی گیس وغیرہ ان چیزوں میں ہمارے حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک سونا، چاندی میں پانچواں حصہ حکومت کا اور باقی سب غریب کا۔ اور سونے چاندی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب غریب کا۔ اور باقی حضرات آئمہ صاحبانؒ کے نزدیک سب کچھ چاہیے سونا چاندی بھی ہے وہ سب کا سب غریب کا ہے۔ سبحان اللہ

کیا ہے کسی کے پاس ایسا پاک وصاف نظام۔ اور غریب کی ہمدردی کرنے والا کوئی نظام ہے؟

کیا پورے معدنیات تقسیم کیے جائیں تو کوئی غریب رہ سکتا ہے؟

مچھلی اور پن بجلی چونکہ پانی سے متعلق ہیں اس لیے یہ بھی سب کا حق ہے۔

خودرو گھاس۔ یہ سب کا سب غریب کا حق ہے۔ مالک زمین کسی غریب کو اس کے کاٹنے سے منع نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی خود کاٹ کر اپنے جانور کو کھلا سکتا ہے۔ ہاں اگر لوگوں کے کھیت میں داخل ہونے سے کھیت کو نقصان ہوتا ہے تو خود کاٹ کر باہر رکھے یا اجرت پر کٹوا کر باہر کنارے پر آرکھے اور غریب وہاں سے اٹھالے اور اجرت بھی خود زمین کا مالک ادا کرے۔

دیکھو غریب کو خود رو گھاس کا حق دیا مگر اس کی شخصی ملکیت کو بھی برقرار رکھا۔ روس کی طرح نہیں کہ زمینداروں سے زمین چھین لی۔ کسی کو شخصی ملکیت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انسان انسان ہے۔ جانور نہیں۔ گھوڑا جتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو ایک مرلہ زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔ مگر چوڑھا یا چمار غریب ہو یہ مالک بن سکتا ہے کیونکہ یہ انسان ہے۔

شخصی ملکیت انسانیت کی علامت ہے۔ انسان انسان رہ کر ترقی کرے۔ یہ کیا کہ انسانیت نہ ہو اور ترقی کرے۔ یہ تو انسان کو جانور بنانا ہے۔

اسلام دنیا کو ترقی دینے کے لیے آیا ہے۔ اور ترقی چستی سے ہوتی ہے۔ اور چستی شخصی ملکیت سے ہوتی ہے۔ اگر شخصی ملکیت نہ ہو تو کوئی شخص محنت نہیں کرتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکما تو نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ انسان کے اندر چستی و عملی اور فکری قوت پیدا ہو۔ اس لیے اسلام نے کہا۔ وان لیس الانسان الا ماسعیٰ۔ کہ انسان کو جو عملی طاقت دی ہے یہ اس کا سرمایہ ہے۔ اس عملی قوت سے جو حاصل کرے وہ اسی کا ہے۔ اور کسی کا حق نہیں۔ ولکم ما کسبتم۔ کہ

پہلی امتوں نے جو کمایا وہ ان کو ملے گا۔ اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تم کو ہی ملے گا۔ تم سے ان امتوں کے متعلق سوال نہ ہوگا۔ هل تجزون الا ما كنتم تعملون ۔ جو عمل کرو گے اسی کی تمہیں جزا ملے گی۔ اس سے انسان کو عمل میں چستی کا سبق ملتا ہے۔

تو اشتراکی نظریہ انسان کو جانور اور اسلام انسان کو انسان بنانے والا ہے۔

مزید برآں کہ اسلام دین فطرت ہے۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتاب ہے۔ اور قرآن اللہ تعالیٰ کی حکمت کی کتاب ہے۔ تو حکمت اور قدرت آپس میں ٹکراتی نہیں۔ بلکہ مناسبت ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت جہاں تفاوت چاہے وہاں تفاوت رکھو اور جہاں مناسبت چاہے وہاں مناسبت رکھو۔

وگرنہ پھر تو ناک اور سر میں بھی مناسبت رکھو۔ اور سر کو کچھ وقت پاؤں کا مقام دو کہ پاؤں اوپر کرو اور سر نیچے کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت نے جس طرح چاہا کہ سر کو فلاں مقام حاصل ہے اور پاؤں کو فلاں۔ اور دونوں اس کی حکمت کے تحت چل رہے ہیں۔

انبیاءؑ کے نظام کے خلاف جو بھی نظام ہو چاہے روسی ہو یا امریکہ وہ شیطانی نظام ہے۔

دولت حاصل کرنے کے دو ذرائع ہیں۔

۱۔ فکر ۲۔ عمل

مثلاً ایک شخص کی دماغی قوت زیادہ ہے۔ تو اس کی تعلیمی ڈگری کی وجہ سے اسے اعلیٰ درجہ کی ملازمت ملے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے دماغی قوتیں اور طاقتیں مختلف

رکھی ہیں۔کسی کی اعلیٰ درجہ کی۔کسی کی متوسط اور کسی کی ادنیٰ اور کسی کو دیوانہ بنایا۔تو اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں میں مال کی برابری چاہتا تو دماغی قوت بھی سب کی ایک ہی درجہ کی ہوتی۔تاکہ نتیجہ ایک ہو۔مگر جب دماغی قوت میں تفاوت رکھا تو معلوم ہوگیا کہ نتیجہ میں بھی تفاوت ہوگا۔اب یقینی بات ہے کہ کمزور آدمی اور گاما پہلوان ایک جیسے ہوں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے بدن میں بھی تفاوت رکھا۔کہ ایک کم وزن اٹھا سکتا ہے اور ایک زیادہ وغیرہ۔تو مال کمانے کے دو ذرائع ہوئے۔ایک فکری یعنی دماغی قوت۔اور دوم بدنی قوت۔اور ان میں تفاوت رکھا۔

اب ضمنی طور پر یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرق کیوں رکھا؟

کیا رب العزت سب انسانوں کو دولت وفکر وغیرہ میں اور بدنی قوت میں ایک نہیں کرسکتا تھا۔اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔مصیبت میں ہم پھنس جاتے۔

اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ اگر سب کو برابر کردیا تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک دوسرے سے پیوست رکھنے کے لیے حاجت یعنی ضرورت بنادی۔کہ امیر کو غریب کی محنت کا محتاج رکھا اور غریب کو امیر کے پیسے کا محتاج رکھا۔دونوں کو ایک دوسرے سے حاجت ہے۔ان دو پہیوں سے گاڑی چل رہی ہے۔تو دونوں کو ایک دوسرے کا محتاج رکھا تاکہ ان کا آپس میں جوڑ رہے۔دیکھو اللہ تعالیٰ کا نظام دیکھو کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔وہ محض

محتاج ہوتا ہے۔تو والدین کے دل میں محبت پیدا کردی تا کہ اس کی پرورش ہو جائے۔ مگر آجکل کی تعلیم ایسی ہے کہ اگر ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اولاد انہیں بوجھ سمجھتی ہے۔ یہ سب یورپی افکار اور تعلیم کا نتیجہ ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ وہ ذلیل ہوا۔ ذلیل ہوا۔ ذلیل ہوا جس کے ماں باپ بوڑھے ہوں اور وہ جنت نہ حاصل کر سکے۔ یعنی ان کی خدمت نہیں کی۔ یہ کسی دوسرے درس میں بیان کرونگا۔

اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما وقل لهما قولا كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة .... كماربياني صغيرا۔

اگر والدین یا دونوں میں کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اف تک نہ کہو اور نہ ہی انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرو اور ان سے اچھی نرم گفتگو کے ساتھ پیش آیا کرو نیاز مندی سے ان کے سامنے فرماں برداری کا بازو جھکا دو اور یوں کہو کہ اے رب! تو ان پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا پوسا تھا۔

درس نمبر ۹

۳، مارچ ۱۹۶۷ء

وحدتِ انسانی

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم...... وانتم تعلمون۔

اس سے پہلے درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کے بانی اور دنیا میں انہیں رائج کرنے والوں کو دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی تمام دولت و عقل اور سوچ و فکر صرف اس پر صرف ہو رہی ہے کہ دولت کس طرح کمائی جائے۔

موجودہ دور ترقی کا دور کہا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی صرف معاشی نظام پر بیٹھے رہے اور اسے بھی حل نہ کر سکے۔ صرف ایک روٹی کی تقسیم کا مسئلہ ہے۔ مگر اس کے پیچھے اربوں لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ اس کے علاوہ دیگر مسائل کس طرح حل کریں گے۔

دیکھو ایجادات کرنا اور چیز ہے۔ اور زندگی کے مسائل حل کرنا یہ اور چیز ہے۔ ایجادات تو صرف کاریگری ہے۔ وہ تو صنعت و حرفت ہے۔ زندگی کے مسائل حل کریں نا!

میں نے دونوں نظام کی غلطیاں واضح کر دیں۔ آپ اس سے معلوم کریں کہ جب تک دین سے واقفیت نہ ہو تو کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتے۔ چاہے کہ کالج یا

یونیورسٹی کے کیوں نہ پڑھے ہوئے ہوں۔

توبایں وجہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہمارا عقیدہ اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام محض امی تھے اور امیین میں تشریف لائے۔ وہاں نہ کوئی درس گاہ اور نہ چھاپا خانہ تھا۔ اور ایسا نظام عطا کیا جو تمام عیوب سے پاک اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

پادری حیران ہیں کہ آجکل عالمی قانون ساز اسمبلی میں ہر ماہ قانون تبدیل کیا جاتا ہے۔ مگر ایک امی شخص نے قانون پیش کیا اور چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے۔ اور پادری کہتے ہیں کہ چودہ لاکھ سال اور چلے تو اس قانون میں کوئی خامی نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بات اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی ہے۔

یہ جذباتی فیصلے ہیں۔ کہ سرمایہ داری میں عام انسانوں کا فائدہ ترک کر کے چند سرمایہ داروں کا خیال رکھا گیا کہ سود سے چند اشخاص رقم بڑھاتے چلے جائیں۔

دوسرا اشتراکی یہ بھی جذباتی فیصلہ ہے۔ یہ کوئی غریب کی امداد نہیں بلکہ یہ بھی سرمایہ داری ہے۔ کہ وہاں چند سرمایہ دار تھے اور یہاں صرف ایک ہے۔ یہ تو این المفر کہ کہاں بھاگو گے۔ بس کماؤ اور حکومت سے روٹی کپڑا لو۔ یہ تو حیوانیت ہے۔ نہ کوئی چیخ وپکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی سٹرائیک وغیرہ کر سکتا ہے۔

دنیا کی تمام رونقیں غرباء سے ہیں مگر ان کو حق نہیں دیا جاتا۔ مثلاً یہ محلات، کارخانے وغیرہ یہ کس نے تعمیر کئے ہیں۔ یہ غریب نے تعمیر کئے ہیں۔ تو اشتراکی نظام

نے بھی غریب سے انصاف نہیں کیا۔ سرکاری اطلاع کے مطابق سٹالن کی ماہانہ تنخواہ پاکستانی گیارہ لاکھ روپے بنتی تھی۔ اور جو چیز خرید کرتا اسی فیصد کم رقم دیتا۔ یہ انصاف ہے؟

اس کے مقابلہ میں ہمارے سلاطین دیکھو۔ نور الدینؒ زنگی جو صلاح الدینؒ ایوبی کے پیش رو تھے آپ نے متحدہ یورپ کو شکست دی۔ آپ جب جہاد پر جاتے گھوڑا کسی سے مانگ کر لے جاتے اپنا گھوڑا تک نہ تھا۔ ان کی ساری اولاد کی آمدنی تین سو روپے سالانہ تک کی تھی۔

اسی طرح اورنگ زیبؒ یہ کوئی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نہ تھا۔ اسی زمانہ کا تھا۔ کہ اتنی بڑی سلطنت کا مالک مگر قرآن نویسی اور ٹوپیاں سی کر گذر اوقات کرتا تھا۔ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ ٹوپیوں کی رقم میں سے چار روپے بچے ہیں ان سے کفن وغیرہ کرنا۔ اور قرآن نویسی میں سے پانچ سو روپے ہیں جو غرباء میں تقسیم کرنا۔

میں کہتا ہوں اے مسلمانو! تم اگر پورا نظام اسلام نہیں رائج کرتے تو صرف اسلام کا معاشی نظام رائج کردو تو پورا یورپ مسلمان ہو جائے۔ کیونکہ وہ ان دونوں نظاموں سے تنگ ہیں۔

وحدتِ انسانی! تو اسلام نے سب سے پہلے انسانی وحدت کا اعلان کیا۔ کہ سب انسان ایک ہیں۔ باقی جو قبائل وغیرہ ہیں۔ لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ ایک دوسرے کی پہچان کے لیے ہیں۔ اور متقی اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ عزت والا ہے۔ انا خلقنکم من ذکر و انثی۔ کہ تمہیں ایک آدم اور حوا سے بنایا ہے۔

ورنہ میں تو ایک ایک ملک والوں کو علیحد علیحدہ ماں باپ سے بنا سکتا تھا۔
تاکہ شیطان تم میں تفرقہ نہ ڈال سکے۔

لیکن ایک حقیقت تھی جس سے قرآن انکار نہیں کرتا۔ کہ کوئی سندھی، کوئی بلوچی اور کوئی یورپی اور کوئی ایشائی وغیرہ۔ **وجعلنکم شعوبا وقبائل**۔ دور حاضر کے مطابق ترجمہ۔ ہم نے تمہیں قومیں اور ذات بنایا۔ قوم کی نسبت ذات کم درجہ رکھتی ہے۔ یہ فرق اس لیے نہیں رکھا کہ تم آپس میں لڑو فساد برپا کرو۔ بلکہ اس لیے کہ جب ایک آدمی کے بھائیوں کی تعداد زیادہ ہو جائے تو وہ سب کی امداد تو نہیں کر سکتا۔

گویا اس صورت میں حقوق اخوت کی ادائیگی بہت مشکل تھی۔ تو ہم نے چھوٹی چھوٹی شاخیں بنائیں۔ تاکہ **لتعارفو**۔ تم ایک دوسرے کو پہچان لو کہ یہ ہمارا بھائی ہے۔ اور اس سے بھلائی کرو۔ قدرتی طور پر اپنی قوم والوں سے بنسبت دوسری قوم والوں کے زیادہ ہمدردی ہوتی ہے۔ یہ ہے وحدت بشری کا اعلان یہ اور اسلام نے وحدت بشری کا اللہ سے کیا تعلق رکھا؟

جامع صغیر میں جلال الدینؒ سیوطی نے حدیث نقل کی ہے۔ **الناس عیال اللّٰہ فاحسن الناس من احسن الی عیاله**۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں اور جو اس کے کنبہ سے بھلائی کرے گا۔ وہی احسن انسان ہوگا۔

تو وحدت بشری کے ساتھ وحدت عیالی بھی کی۔ اور وحدت وطنی بھی فرمادی۔ **ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین** ۔ **وجعلنا لکم فیها معایش**۔ تو معلوم ہوگیا کہ اولادِ آدم باعتبار عیال اور باعتبار وطن ایک ہیں۔

اس عمومیت میں بھی ایک نکتہ ہے۔ یہ عمومیت صرف زمین میں ہی نہیں۔ وسخرلکم الانهار وسخرلکم الشمس۔ کہ چاند وسورج وسمندر وغیرہ کے نفع میں تمام اولاد آدم شریک ہے۔

اسی طرح آگ، پانی، خودرو گھاس، جنگل کی لکڑی، جنگل کا شکار، ان سب میں اولاد آدم برابر کی شریک ہے۔ ان میں کسی حکومت کا کوئی حق نہیں۔ وہ منع نہیں کرسکتی۔

کتاب الخراج میں درج ہے کہ جب زمین انسان کے لیے ہے تو اس کے اندر جو کچھ ہے۔ ہیرے، جواہرات، سونا وغیرہ تو یہ سب کچھ عوام کا ہے۔ صرف حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ پانچواں حصہ حکومت کا ہے جو بیت المال میں جمع ہوگا باقی سب عوام کا ہے کسی کے باپ کا نہیں۔

فقہاء فرماتے ہیں۔ من احیا ارضاً مواتا فھی له۔ کہ جس نے کوئی بنجر زمین آباد کی ہے تو وہ اس کا مالک ہے۔ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حکومت سے پوچھ لے اور وہ روکے نہیں۔ یعنی مطلع کردے۔ مگر باقی اماموںؒ کے نزدیک پوچھنا بھی ضروری نہیں۔

اسلام میں کسی کارخانہ کے کھولنے کے لیے گورنمنٹ سے پرمٹ وغیرہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں تو صرف امیر ہی درآمد برآمد کرسکے گا۔ غریب تو بھوکا رہے گا۔ اور اسلام میں محصول کا کوئی قانون نہیں۔ صرف زکوۃ ہے۔ یہ صرف انگریز کا قانون ہے۔ کہ محصول وغیرہ لو۔

دیو بند میں میرے مکان کے قریب ایک گھسیارا رہتا تھا جو گھاس کاٹ کر بیچتا اور گھر کا گذارا کرتا تھا۔ یہ حکومت اس غریب سے بھی گھاس کا ٹیکس محصول کی صورت میں لے لیتی۔ اور وہ دیو بند کے مدرسہ کے طالب علم کو کھانا بھی دیتا تھا۔ میں نے کہا تم تو خود غریب ہو۔ کہنے لگا میرے باپ دادا بھی گھاس کاٹ کر گذارا کرتے تھے اور طالب کو کھانا دیتے تھے۔ میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔ آخر مرنا بھی تو ہے مولوی جی۔

دیکھو یہ ظالموں کا قانون ہے کہ غریب کو معافی نہیں۔

قرآن و اسلام نے بھی قوت لایموت کی چیز زکوۃ سے معاف کی ہے۔

حدیث پاک اور تین اماموں کا قول ہے۔ کہ اگر صرف تیس من غلہ پیدا ہو تو اس میں کوئی عشر و غیرہ نہیں۔ مگر امام اعظمؒ کے نزدیک ہے کہ وہ بھی عشر دے گا۔

اسلام نے چند اصول قائم کئے۔

ا۔ اعتقادی، ۲۔ قانونی۔ ۳۔ اخلاقی۔

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلیحسن الی جارہ۔

جس کو خدا اور قیامت پر ایمان ہو وہ دوسروں سے بھلائی کرے۔

ماامن بی من بات شعبان وجارہ جائع الی جنبہ۔

کہ وہ مومن نہیں کہ خود تو سیر ہو کر سو گیا اور اس کے پہلو میں پڑوسی بھوکا پڑا ہو

ابا ذر اذا طبخت مرقۃً فاکثر ماء ھا وتعاھد جیرانک۔

اے ابوذرؓ جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالا کرو پڑوسی کا بھی خیال رکھا کرو۔ مگر آج کل تو عمدہ اور پُر تکلف کھانے بنائے جاتے ہیں۔ اور پڑوسی کو محروم

رکھا جاتا ہے۔ گھی اگر زیادہ ڈالا جائے تو ایک مالی نقصان دوم صحت کا نقصان سوم پڑوسی کا نقصان۔ یہ دین چھوڑنے کی وجہ سے نقصانات ہوئے۔

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت یورثه۔

کہ جب بھی جبرائیلؑ آتے مجھے پڑوسی کی تاکید کرتے تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنادیا جائے۔

درس نمبر ۱۰

۵ مارچ ۱۹۶۷ء

فضول خرچی کی ممانعت

یاایھا الناس اعبدوا.................. وانتم تعلمون۔

دنیا کے معاشی نظام کے سلسلے میں اسلام نے جو صحیح راستہ بتایا ہے اس کی بنیادی چیزیں پہلے درس میں گذری ہیں کہ تمام انسان ایک کنبہ ہے اور پوری زمین اس کا گھر ہے۔ تو انسانوں کو چاہیے کہ اسی تصور کے ساتھ کام کریں۔

وہ یہ کہ ہم ایک آقاء وخدا کے بندے ہیں اور سب انسان عیال اللہ ہیں۔ اور زمین سب کے لیے ہے۔ یہ کسی کی ملکیت نہیں۔ تو اس تصور سے بڑا فائدہ ہے۔

اگر پوری زمین کی پیداوار کو تمام انسانوں پر تقسیم نہ کیا جائے۔ بلکہ ایک مخصوص کنبہ یا مخصوص طبقہ پر خرچ کیا جائے۔ جسے صرف بیجا کہتے ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کافی افراد بھو کے رہ جائیں گے۔

مثلاً ایک شخص کے دس بچے ہیں۔ اس کی سالانہ آمدنی پانچ ہزار ہے۔ تو اگر یہ رقم سب کو مساوی تقسیم کی جائے تو ہر بچہ اس سے نفع حاصل کرے گا۔ اور اگر ایک بچہ پورے پانچ ہزار کو اپنے قبضے میں لے لے اور اسے سینما، شراب اور جوئے وغیرہ پر بیجا صرف کرے۔ تو اس نے ۹ بھائیوں کا حق چھینا۔ جس کی وجہ سے ان ۹ بھائیوں میں بھوک پڑی۔

یہ تو ایک گھر کی مثال دی ہے۔ مگر قرآن تو پوری زمین کے متعلق کہتا ہے کہ زمین اور زمین کے تمام باشندے ایک کنبہ ہیں۔ تو اگر ایک قوم زمین کی آمدنی کو عیاشی پر صرف کردے۔ تو دوسری قومیں بھوکی ہو جائیں گی۔

اس لیے اسلام نے معاشی نظام کے لیے وحدت بشری، وحدت نسلی، وحدت وطنی کے بعد اکتساب اور خرچ کرنے کی شرط لگائی۔ کہ اے انسان یہ زمین تیری مختاری میں نہیں۔ یہ مالک مطلق اللہ تعالیٰ کی خودمختاری میں ہے۔ ہم تو چند روز کے مالک ہیں۔

اس لیے اسلام نے مال کے خرچ کرنے پر پابندی لگائی ہے۔ اسے تحدید فی الانفاق کہتے ہیں۔

تبذیر یہ ہے کہ گناہ کے کاموں میں خرچ کرے۔ اور اسراف یہ ہے کہ عیاشی کے کاموں میں صرف کرے۔

مثلاً جوتی کے دو جوڑوں سے اگر کام چل سکتا ہے تو پھر اس سے زائد جوڑے بنائے تو یہ بے جا خرچ ہے۔ اس کو اسراف اور عیاشی کہتے ہیں۔

جب پورے انسان ایک کنبہ کی مانند ہیں اب اگر کسی ایک نے عیاشی کی تو دوسرا ضرور ہی غریب ہوگا۔

ولاتبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشطین۔

کہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔ تو تم مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے منکر نہ بنو۔ یہ تو تبذیر ہوا۔ اور آگے ہے اسراف کہ

کلوا واشربوا ولاتسرفوا ۔ کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔

تو اسلام نے ایک طرف تو اسراف پر پابندی لگائی۔ اور دوسری طرف فرمایا

ولاتجعل یدک مغلولۃً الی عنقک ۔ کہ تم اپنے ہاتھ کو گردن سے مت باندھو۔ کہ خرچ کرنے کی جگہ ہاتھ تنگ کرلو۔

ولاتبسطھا کل البسط فتعقد ۔ اور نہ اتنا پھیلا دو کہ تم غریب ہو جاؤ۔ یہ اسلام کی تعلیم ہے۔

حدیث پاک ہے کہ جو میانہ روی کرے گا وہ کبھی غریب نہ ہوگا۔

ماعال من اقتصد ۔

دوسری حدیث پاک ہے کہ درمیانہ خرچ کرنا آدھی دولت ہے۔ **الاقتصاد نصف المعیشۃ** ۔

حدیث پاک میں ہے۔ **یا عائشہؓ لاتستخلقی ثوباً حتی ترقعیہ** ۔

کہ تو کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھ جب تک کہ تو اس میں پیوند لگا سکتی ہے۔

امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ جب کہ آپ پوری دنیا میں سب سے بڑے فرماں روا تھے۔ تو تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت سات پیوندوں کے کرتہ میں دیکھے گئے ہیں۔

وضو سے جو پانی کے قطرات گرتے ہیں تو ان سے گناہ جھڑتے ہیں۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ پانی زیادہ بہائیں تا کہ زیادہ گناہ جھڑ جائیں۔ مگر ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ کیا وضو میں بھی

اسراف منع ہے؟ فرمایا ہاں۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر تو نہر کے کنارے بیٹھا ہے تو وہاں بھی وضو میں اسراف جائز نہیں۔ نہر کا ذکر اس لیے فرمایا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ عرب میں چونکہ پانی نہیں تھا اس لیے اسراف سے منع کیا ہے۔

یہ ہے اسلام کا وہ معاشی نظام۔ جسے تحدید فی الانفاق یا تحریم البذر والاسراف کہتے ہیں۔

پورے عالم اسلام نے آج قرآن کو چھوڑ کر یورپی تہذیب اپنا رکھی ہے۔ کہ مال کا بہت حصہ شراب نوشی اور جوابازی، بت پرستی اور سٹہ بازی پر خرچ ہو رہا ہے۔

انما الخمر والميسر والانصاب والازلام۔

شراب، جوا، بتوں کا حصہ اور جوئے کے تیر آگے فرمایا فاجتنبوا۔ کہ مسلمانو! تم ان سے بچو۔ شاید کہ تم قیامت میں فلاح پالو۔

آج دین چھوڑا تو دیگر مسائل تو درکنار دنیا میں ایک روٹی بھی صحیح تقسیم نہ کر سکے۔ انجام اخبار کراچی ۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ دنیا کی آبادی کا نصف حصہ فاقہ کشی اور مرض میں مبتلا ہے۔

آج پوری دنیا میں محکمہ زراعت زمین کا چپہ چپہ آباد کر رہا ہے۔ مگر روٹی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ یہ صرف اس لیے کہ خدا کا دین چھوڑا ہے کہ یہ اس شیطانی حرکت کا نتیجہ ہے کہ زمین پوری مخلوق کی ملکیت تھی اور مگر تم نے خاص افراد میں تقسیم کر رکھی ہے۔

آج ہم بے دین بدمعاشوں کی روش پر چلتے ہیں۔ اور علماء کو گالی دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم مولوی سے دین زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ معاملہ تو پھر میدانِ قیامت

میں حل ہوگا۔ تمہیں تو قرآن کی ایک آیت کا بھی صحیح ترجمہ نہیں آتا۔

تو پہلے میں جوئے بازی کی رپورٹ بیان کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ دنیا سارا سال ۱۳۰ارب روپے صرف قانونی جوئے پر برباد کرتی ہے۔ غیر قانونی جوا اس سے الگ ہے۔ اخبار کوہستان دسمبر ۱۹۵۸ء لکھتا ہے کہ اگر اس رقم سے گندم خریدی جائے تو کراچی سے سمرقند تک گندم کے ڈھیر لگ جائیں۔

اور دنیا کو چھوڑو صرف امریکہ ایک سال میں شراب پر دس ارب پچھتر کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ تو پاکستان کے دس کروڑ انسان جو رقم ایک سال کی مدت میں کماتے ہیں تو ان کی پندرہ سال کی آمدنی امریکہ صرف ایک سال میں شراب میں اڑا دیتا ہے۔ تو شراب سے پیسہ بھی اور انسان بھی دونوں برباد ہوئے۔ اور اس پیسہ کی فراوانی نے آلاتِ جنگ تیار کرائے جو انسان کے وجود کی بربادی ہے۔

۱۹۵۱ء کی رپورٹ ہے کہ امریکہ نے جنگ کی تیاری پر ۹۰ کھرب ڈالر خرچ کیا۔ یہ انسان کی بربادی پر خرچ ہے۔ اگر اس رقم کی گندم خریدی جائے تو رہتی دنیا تک ختم نہ ہو۔

ان کی بُرائیاں ظاہر کرنے پر ہم اس لیے مجبور ہیں تاکہ آپ کو قرآن کی بھلائیاں معلوم ہوں۔

انجام اخبار ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء۔ کہ یورپ کی سگریٹ نوشی کا سالانہ خرچہ پچاس ارب ۵۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ہے۔ ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی پر صرف ایک دو دن میں جو شراب پلائی گئی اس کی قیمت ۳۴ کروڑ ڈالر بنتی ہے۔

دیکھو یہ ہے شیطانی تہذیب کی حالت جس میں ہم اندھے ہوکر جارہے ہیں۔اور علماء کو گالیاں دیتے ہیں۔

برطانیہ سالانہ تفریح پر ۵۲ کروڑ پونڈ خرچ کرتا ہے۔صرف انگلینڈ میں عورتوں کی عطریات کا سالانہ خرچ ۶ کروڑ ۱۸ لاکھ پونڈ ہے۔

انجام اخبار کراچی ۳۔اگست ۱۹۵۸ء لکھتا ہے کہ امریکہ کتوں کی تفریح پر سالانہ ۵۲ کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔اوران کتوں کے کمبلوں پر ڈیڑھ کروڑ ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے۔

مگر ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی ان تین ضرورتوں کے علاوہ کتا پالے۔گھر کی رکھوالی،شکار، حفاظت مویشی تو اس کے اعمال سے روزانہ ایک قیراط کمی آئے گی۔اور صحابہ کرامؓ کے پوچھنے پر قیراط کے بارے میں فرمایا۔ایک قیراط کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے۔

جولائی ۱۹۵۳ء رسالہ نقاد لاہور کی رپورٹ ہے کہ صرف مسلمانان لاہور سینما گھر میں جو سگریٹ پیتے ہیں وہ ماہانہ ۱۲ لاکھ روپے بنتے ہیں۔

۸ جنوری ۱۹۵۵ء نوائے وقت میں بھی اسی طرح کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔

اس رقم سے تو دیوبند کی درس گاہ کے برابر کے سو دینی مدرسے قائم کئے جاسکتے ہیں۔اب دیکھو ہندوستان نے جنگی سامان پر ایک کثیر مالیت خرچ کی ہے تو اکثر عوام بھوک کا شکار ہے۔

آج اگر دس بجے اسلامی قانون نافذ کردو تو گیارہ بجے پورا ملک جنت بن جائے گا۔لیکن خود یہی مسلمان قرآن کو الماری سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔یہ قرآن کوئی صرف مسلمانوں کے لیے نہیں آیا بلکہ تمام مخلوق کے لیے آیا ہے۔اس لیے رب العلمین آیا ہے رب المسلمین نہیں آیا۔

تو کافر کفر کی وجہ سے قرآن سے محروم ہے اور مسلمان یورپی تہذیب کی وجہ سے محروم ہے۔

کفایت شعاری بخل نہیں۔ بلکہ یہ اسلام کا ایک قانون ہے۔ ہمارے بزرگانؒ تو کاغذ کو بھی بے فائدہ خرچ نہیں کرتے تھے۔حضرت تھانویؒ خطوں کا جواب بہت مختصر لکھتے تھے۔مریدوں کے خطوط و جواب سب کو سناتے مگر ان کے نام نہیں بتاتے تھے تاکہ غیبت نہ ہو۔میری موجودگی میں بھی ایک خط سنایا۔کہ مرید نے لکھا حضرت جی رات کو ارادہ کر کے سوتا ہوں کہ صبح تہجد پڑھونگا۔مگر آنکھ نہیں کھلتی۔تو جواب فرمایا۔رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن المجنون حتی یصح وعن النائم حتی یستیقغا۔

ترجمہ: کہ حدیث پاک ہے کہ تین آدمیوں سے حساب نہیں۔ بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو۔مجنون سے جب تک کہ ٹھیک نہ ہو جائے۔اور سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے۔

دوسرا خط سنایا کہ حضرت تہجد کے وقت آنکھ تو کھل جاتی ہے مگر اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔فرمایا نفس اور شیطان یہ دو پہلوان اس وقت تیرے مقابل ہوتے ہیں۔

زور لگاؤ ان کو پچھاڑ دو۔ ایک دو دن تکلیف ہو گی پھر کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

تیسرے خط میں مرید نے کہا کہ حضرت نماز میں بہت وسوسے اور خیالات آتے ہیں۔ مجھے بہت خطرہ ہے۔ فرمایا خطرہ نہیں بحر معرفت کا قطرہ ہے۔ ہمیں زبانی فرمایا کہ وسوسے آنا تو دین کے کمال کی دلیل ہے۔ فرمایا کہ جس طرح چور اس گھر میں جاتا ہے جہاں دولت ہو اسی طرح شیطان اس دل میں جاتا ہے جہاں ایمان کی دولت ہو۔

صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کہ نماز میں بعض اوقات ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کی بجائے جل کر راکھ بن جانا بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری کیفیت اسی طرح ہے تو ذَاکَ صریح الایمان۔ کہ یہ خالص ایمان کی نشانی ہے۔

تو قرآن نے ہمیں ناجائز خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسلام نے ایسی کفایت شعاری پیدا کی ہے کہ بیجا خرچ نہ ہو۔ اور تکلفات نہ ہوں۔ سادہ زندگی ہو۔

ہم تو خطوط کو پھینک دیتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں بہت سے لکھے ہوئے لفافے جمع تھے۔ میرے پوچھنے پر فرمایا کہ ان کے خالی حصے پر لوگوں کو تعویذ لکھ دیتا ہوں۔ انہیں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

مگر آج تو دنیا ہر چیز میں فیشن کرتی ہے۔ یہی فیشن ہماری تباہی کا سبب بنا۔

درس نمبر ۱۱

جمعہ، ۱۰ مارچ ۱۹۶۷ء

دولت بیجا خرچ نہ ہو

یاایها الناس اعبدوا.................. وانتم تعلمون۔

انسان کی روزی کے متعلق دنیا میں جو دو نظام رائج ہیں۔ ان کا بیان ہوا۔ ان دونوں میں بنیادی طور پر نقصانات ہیں۔

اسلام کا ان دونوں سے جدا راستہ ہے۔ جس نے اولاد آدم کے لیے نقصان سے پاک مفید نظام دیا۔ تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس چیز کی ضرورت تھی کہ انسان دولت کو ساکن نہ رکھے۔ بلکہ دولت کو متحرک رکھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح ایک شخص کی زندگی کے لیے خون کی ضرورت ہے۔ بعینہ اسی طرح زندگی کے لیے مال و دولت کی بھی حرکت چاہیے۔ تو جسم خون کا محتاج ہوا۔ اور ہر شخص مال و دولت کا محتاج ہوا۔ خون شخصی زندگی کی اور مال و دولت اجتماعی زندگی کی ضرورت ہوئی۔ اب اگر خون جم جائے اور حرکت نہ کرے۔ تو نتیجہ موت۔ اسی طرح اگر دولت حرکت نہ کرے اور ایک جگہ جمع ہو جائے۔ تو نتیجہ انسان کی اجتماعی زندگی ختم ہو جائے گی۔

تو اللہ تعالیٰ کو تو علم ہے کہ دولت کو گردش و حرکت کی ضرورت ہے۔ تاکہ تمام انسان فائدہ اٹھائیں۔ یہ چیزیں ہم اپنی مرضی سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی تو

معلوم تھا کہ ایک گندہ زمانہ آنے والا ہے۔

تو فرمایا۔ لکیلا یکون دولته بین الاغنیاء منکم۔

ہم مال کو اس لیے حرکت دیتے ہیں کہ یہ دولت صرف تمہارے دولتمندوں تک محدود نہ رہ جائے۔

تو خون کی طرح مال کی گردش بھی ضروری ہے۔

اب یہ بیان کرنا ہے کہ مال کی گردش کہاں ہو۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ بے جا صرف نہ ہو۔ ضرورت کی جگہ صرف ہو۔ اگر انسان کے بدن کا خون غیر جگہ صرف کیا جائے تو خرابی پیدا ہو جائے گی۔

حدیث پاک ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مال کو بے موقعہ خرچ کرنے سے منع کیا ہے۔

تو اسلام کو مال کی حقیقت واہمیت کا پتہ تھا۔ تو اس لیے اس نے غیر ضروری اشیاء کی بندش کے قانون دیئے۔ مثلاً نشہ کو مطلقاً حرام کیا۔ سگریٹ، شراب نوشی، جوابازی سٹہ بازی وغیرہ۔ ان سب کو حرام کیا۔

کیا شراب اور سگریٹ وغیرہ کوئی روٹی ہیں کہ انسان ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ بلکہ نشہ میں ضرر ہے۔ اس سے تو روحانی اور جسمانی دونوں طور پر نقصان ہے۔ روحانی حیثیت سے یہ کہ ہر نشہ سے ایمان کا نور کم ہو جاتا ہے۔ آخرت کی تیاری سست پڑ جاتی ہے۔ عقل کی تیزی میں کمی آجاتی ہے۔ یوں تو انسان زندہ درگور ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو انسان اپنی عزیز دولت کو ضرر اور نقصان میں کیوں صرف کرے۔

جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہمارا ہی فائدہ ہے۔

یہ سینما وغیرہ سب حرام ہیں۔آذر کیا کرتا تھا۔یہی بت تو بناتا تھا۔مگر انگریز نے بدمعاشی میں اس سے نمبر لیا کہ وہ بت مجسمہ تو دیتا تھا۔مگر انگریز نے کہا بس ہم تمہیں صرف بت دکھا کر تمہاری دولت چھینیں گے۔

اسلام نے دولت کو حرکت دی مگر بجا دی بے جا نہ دی۔

مسلمان کی دولت اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری ہے۔کہ خود مسلمان کو بھی اتنی پیاری نہیں۔اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ دولت کو بے جا خرچ نہ کرنا۔مگر ہم میلوں وغیرہ میں خرچ کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یا اللہ تیری دی ہوئی دولت تجھے دیتے ہیں اور تو اس کے بدلے آتش جہنم دیدے۔

اگر آپ کے گھر میں بھینس ہو آپ اس کے دودھ سے دہی، مکھن وغیرہ بنا کر ضروریات زندگی پوری کرتے ہیں اور اگر آپ اس دودھ کو روزانہ گندے نالے میں پھینک دیں تو ضرورت کے وقت دہی، مکھن وغیرہ کہاں سے لیں گے۔اسی طرح اگر مال و دولت کو بلا ضرورت خرچ کیا تو ضرورت کے وقت کیا کرو گے۔جو دن میں شمع جلائے وہ رات میں شمع سے محروم ہو جائے گا۔

حدیث پاک ہے۔**الاقتصاد نصف المعيشة**۔کہ ضرورت کے موقع پر خرچ کرنا یہ نصف معیشت ہے۔ایک آمد اور ایک خرچ ہے۔علماء کہتے ہیں کہ نصف معیشت کیوں فرمایا۔فرماتے ہیں کہ آمدنی انسان کے اختیار میں نہیں۔مگر خرچ

تمہارے اختیار میں ہے۔تو جو تمہارے اختیار کی چیز ہے اسے سمجھ کر خرچ کرو۔

اس معاملہ میں اسلام نے ہدایات کے قانون دیئے ہیں۔مثلاً اگر چادر وغیرہ ٹخنوں تک ہو تو یہ درست ہے اور اس سے زائد منع ہے۔ ما اسفل من الکعبین فھو من النار۔ کہ جو ٹخنوں سے نیچے کپڑا رکھے گا وہ جہنم میں جلایا جائے گا۔

آج تو علماء کرام وغیرہ کو تبلیغ کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ الٹا نفرت پیدا ہوتی ہے۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک امیر شخص کو دیکھا کہ اس کا کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہے۔تو آپ نے اس شخص سے کچھ ضروری باتیں فرمائیں پھر اسے فرماتے ہیں کہ جب میں رکوع کی حالت میں جاؤں تو ذرا دیکھ کر بتلانا کہ میرا کپڑا ٹخنوں سے نیچے تو نہیں۔ کیونکہ میں کمزور ہوں جہنم کی آگ برداشت نہیں کرسکتا۔تو اس نے کہا حضرت بس میں سمجھ گیا۔آپ کا کیا نیچے ہوگا میرا نیچے ہے۔اور درست کرلیا۔اسی طرح کفن پر پابندی لگائی کہ مرد کے لیے تین اور عورت کے پانچ کپڑے ہوں اس سے زائد پر پابندی ہے۔تو اسلام چاہتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر مال کو حرکت دو۔

صحابہ کرامؓ کی زندگی مبارک اس طرح تھی کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صرف بیجا سے بچا کرتے تھے۔اس لیے قرآن نے فرمایا۔ان المبذرین کانوا اخوان الشطین ۔کہ بے جا مال صرف کر کے شیطانوں کے بھائی نہ بنو۔اور شیطان اللہ کا مخالف ہے۔

تیمّم کا مسئلہ: اسلامی قانون میں ہے کہ اگر ایک جگہ پانی صرف قیمت سے مل سکتا ہو۔ تو کیا آدمی پانی خریدے یا تیمّم کرے۔

اسلام اس سے بھی بحث نہیں کرتا کہ آدمی غریب ہو یا امیر ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ بیچنے والا عام قاعدہ کے مطابق بیچ رہا ہے تو لے لو اور اگر وہ غبن کر رہا ہے۔ کہ اس ملک کے قانون کے ریٹ سے بلیک کر رہا ہے۔ تو تیمّم کرے اور پانی نہ لے۔ غبن کا مطلب یہ کہ اگر چار آنہ ڈول کی قیمت ہو اور وہ چھ آنہ لے تو وہ دو آنہ غبن کرنا چاہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے وہ دو آنہ اتنے عزیز ہیں کہ وضو جیسی عظیم چیز سے منع کر دیا۔ تو مال و دولت بجا صرف ہو بے جا صرف نہ ہو۔

تو اسلام نے جیسے ایک طرف بے جا صرف سے منع کیا تو ایسے دوسری طرف دولت کو سکون دینے سے بھی منع کیا۔ والذین یکنزون الذھب و الفضۃ۔

جو لوگ سونا چاندی کو بجا حرکت نہیں دیتے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دیدیں۔ کہ اس دولت کو دوزخ سے گرم کر کے ان کے ماتھوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ اور کہا جائے گا یہ وہی تمہارا خزانہ ہے اس کا مزہ چکھو۔ (کاغذ کے نوٹ سونا چاندی کے قائم مقام ہیں)

جمع الفوائد میں حدیث ہے۔ المحتکر ملعون۔ جو انسان کی خوراک کی چیز کو ذخیرہ کرے کہ جب زیادہ قیمت لگے گی تو تب بیچوں گا۔ تو ایسے شخص پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ کوئی شیخ یا عالم وغیرہ کی لعنت نہیں۔ یہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منہ مبارک سے لعنت کا لفظ نکلا

ہے۔کیا یہ لعنت منظور نہ ہوگی؟

قحط کے وقت تو غلہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔تو اس وقت اگر کسی نے اپنی ضرورت سے زائد غلہ ذخیرہ کیا تو یہ حرام ہے۔بس خریدو اور بیچو۔مہنگائی کی خاطر رکھا تو پھر لعنت کے مستحق ہو جاؤ گے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں قحط پیدا ہو گیا۔آپؓ نے مصر کے گورنر حضرت عمرؓ بن عاصی کو خط لکھا کہ تم مصر میں بیٹھ کر پُر لطف زندگی بسر کر رہے ہو اور یہاں حجاز مقدس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے شہر والے غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔تو خط پہنچتے ہی گورنر بہت متاثر ہوئے مصری مسلمانوں نے کہا کہ ہماری ضرورت سے زائد جتنا غلہ ہے سب مفت بھیج دو۔

تو حضرت عمر بن عاصؓ نے اونٹوں پر غلہ روانہ کر کے خط لکھا۔کہ یا امیر المومنینؓ اونٹ روانہ ہیں۔قافلے کا پہلا اونٹ مدینہ میں آپؓ کے ہاں ہوگا اور آخری اونٹ مصر میں میرے ہاں ہوگا۔اولھا عندک و آخرھا عندی ۔(مصر مدینہ منورہ سے اتنا دور ہے جیسے بہاول پور سے پشاور) سبحان اللہ یہ تھا صحابہ کرامؓ کا عشق کہ ہم سکون سے ہیں اور مدینے والے پریشان ہیں۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے قحط کے زمانہ میں ملک شام کے کثیر مقدار میں غلہ خریدا جب غلہ کی وافر مقدار مدینہ منورہ میں پہنچ گئی تو گندم کے تاجر آپؓ کی خدمت میں آئے دوگنا نفع دینا چاہتے تھے۔مگر آپؓ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ میں تو اس سے زائد نفع پر بیچوں گا۔تاجر حیرانی کے عالم میں واپس لوٹ گئے۔جب وہ

لوگ چلے گئے تو آپؓ نے دوپہر کو اعلان فرمایا کہ یہ سارا غلہ مفت تقسیم کر دیا جائے۔ اور وہ مفت تقسیم ہوگیا۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ انسان تو انسان ہے۔ جانوروں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی بھی منع ہے۔ (دیکھو ہمارے اسلام نے تو جانوروں کا بھی خیال رکھا ہے۔)

یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ اگر ذخیرہ اندوزی کی ممانعت نہ ہوتو لوگ تو کافی تعداد میں دولتمند ہیں۔ وہ تو تمام گندم خرید کر کمرے میں بند کر دیتے اور گرانی کا انتظار کرتے رہتے۔ کہ خرید تو لی ہے اب مہنگی ہو تو بیچوں۔

اگر ذخیرہ اندوزی پر پابندی نہ کی جائے تو زندگی عذاب بن جائے۔ اسی لیے فرمایا والمحتکر ملعون۔ جو انسانی زندگی کی ضروریات کا ذخیرہ کرے وہ ملعون ہے۔

مگر آج ذخیرہ اندوزوں سے کوئی پُرسش نہیں۔ ان سے کوئی جواب طلبی نہیں۔ حالانکہ ذخیرہ اندوز لاکھوں کا قاتل ہے۔

حیاتِ انسانی کی ضروریات کی جو چیزیں ہیں وہ بھی کھلے بازار بکنی چاہئیں۔

آج کے درس میں یہ بیان ہوا کہ دولت کے بے جا صرف اور دولت کا سکون دونوں نقصان دہ ہیں۔ آئندہ درس میں انشاءاللہ العزیز دولت کو بجا صرف کرنا بیان ہوگا۔

درس نمبر ۱۲

۱۹ مارچ ۱۹۶۷ء

اسلام میں غرباء کی اہمیت

یا وسائل رزق

یاایھا الناس اعبدوا............وانتم تعلمون۔

گذشتہ چند ایک درسوں میں روٹی یعنی رزق کا مسئلہ چل رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کا جو سامان دیا ہے اس کی تقسیم کس طرح کی جائے۔ دنیاوی دونوں نظاموں کا بیان ہو چکا۔ اب اسلامی نظام پر بیان باقی ہے۔

اسلامی نظام کا بیان اس لیے کیا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی تقسیم کا مسئلہ بھی باریک اور پیچیدہ ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ سامانِ رزق یا وسائلِ رزق جب اللہ کی طرف سے ہیں تو ان کی تقسیم بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہو۔

قرآن نے کہا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ شریف میں مبعوث ہوئے۔ تو قریش نے کہا کہ امیر کو نبی کیوں نہ بنایا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی اور فرمایا

اهم يقسمون رحمة ربک نحن قسمنا بينهم معيشتهم۔

ترجمہ: کیاوہ (یعنی قریش و اہل مکہ) تیرے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ بلکہ ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کی ہے۔

کہ ہم نے روزی وغیرہ بھی تقسیم کی ہے جو پیغمبروں کی نسبت بہت معمولی چیز ہے۔تم پیغمبری کی تقسیم اپنی مرضی کے مطابق کیوں چاہتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ روزی کا مسئلہ بہت باریک۔اہم اور پیچیدہ ہے۔

روزی کی تقسیم۔اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مسئلہ۔یہ دونوں باریک مسائل ہیں۔

قرآن: وماخلقت الجن والانس الاليعبدون ۔بندگی ہمارے ذمہ ہے۔وماارید منهم من رزق...... ان الله هو الرزاق ذو القوة المتين۔اور رزق۔روٹی خدا تعالیٰ کے ذمہ۔لیکن اس کم بخت انسان نے کہا روٹی ہم تقسیم کریں گے۔تو جب سے انسان نے اس مسئلہ میں ہاتھ ڈالا ہے تو دیکھو۔کیا پریشانیاں پیدا نہیں ہو گئیں؟

۱۵ مئی ۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کی رپورٹ ہے کہ آدھی دنیا مرض اور بھوک میں مبتلاء ہے۔یہ ہے انسانی ہاتھ کا دخل۔کیونکہ انسان نے تو شیطانی خیال کے مطابق تقسیم کی۔اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کی اور روٹی کا مسئلہ لیا۔مگر وہ بھی حل نہ کر سکے۔

معلوم ہوا کہ روٹی کی تقسیم کا مسئلہ نازک تھا۔جبھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نحن قسمنا بينهم ۔اکبر مرحوم نے سچ کہا

تھے فکر میں کیک کے سو روٹی بھی گئی

چاہے تھے بڑی چیز سو چھوٹی بھی گئی

حدیث پاک ہے کہ جب کوئی کام کسی نالائق کے حوالے ہوتو اس کی بربادی کا انتظار کرو۔یعنی وہ اپنی نالائقی کی وجہ سے اس کام کو برباد کر دے گا۔

تو تقسیم رزق میں قاعدہ خداوندی کو ترک کیا تو سارے پریشان ہیں۔یہ تو ایسے ہوا کہ وزیر اعظم کا کام چپراسی کرے۔اسلام نے اس سلسلہ میں جو انتظام کیا ہے سب سے پہلے تو یہ چیز جس طرح اس سے پہلے درس میں گذری ہے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ روٹی اور دولت ایک چیز ہے۔گویا زمین پر جو دولت ہے یہ برباد نہ ہو اس لیے شدید قانون دیئے تاکہ انسان ایک کوڑی بھی برباد نہ کریں۔لیکن پہلے درس میں میں نے بتلایا کہ شیطانی اخراجات پر کتنی دولت تباہ ہو رہی ہے۔صرف پاکستان میں ۵ کروڑ روپے کی سگریٹ پھونک رہے ہیں یہ اس لیے کہ انگریز ابا جان نے سکھایا تھا۔میاں اس کا تو دین بھی الگ تھا۔

اسلام نے کہا و للّٰہ مافی السمٰوٰت والارض۔کہ مالکِ حقیقی صرف وہ ذات ہے۔تم تو امانتدار ہو۔صرف مالک کے کہنے پر خرچ کرو۔یہ نہیں کہ سینما، کلب اور سگریٹ وغیرہ پر خرچ کرو۔جب روزی تنگ ہو تو پھر شیطان سے مانگو کیونکہ کام تو شیطان والے کیے ہیں۔ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین۔کیونکہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔اور شیطان خدا کا منکر ہے۔

مومن وہ ہے جو نہ کم اور نہ زیادہ خرچ کرتا ہے بلکہ وہ درمیانی چال چلتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حکم ہے کہ نہ ہاتھ تنگ کرو اور نہ فضول خرچ کرو اگر کھلا خرچ کرو گے تو خود درماندے ہو جاؤ گے۔

حدیث: الاقتصاد نصف المعیشة۔ کفایت شعاری نصف معیشت ہے۔

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کی روایت ہے۔ قدنام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم علی حصیر فقام وقد اثرفی جسدہ فقال ابن مسعودؓ یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم لو امرتنا ان نبسط لک و تعمل فقال مالی وللدنیا وما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکھا۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اٹھے تو بدن مبارک پر نشان پڑے ہوئے تھے۔ تو ابن مسعودؓ نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ ہمیں فرماتے ہم آپ کے لیے بستر بچھا دیتے اور آرام دہ چیزوں کا بندوبست کرتے۔ فرمایا میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسا کہ ایک سوار کسی درخت کے نیچے سایہ میں کھڑا ہو جائے پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔

درخت سے مراد دنیا ہے۔ اور سایہ سے مراد اس سے نفع اٹھانا ہے۔ تو مسافر چلا جائے گا مگر درخت اور سایہ وہیں رہے گا۔ اسی طرح انسان وغیرہ چلا جائے مگر یہ دنیا رہے گی۔

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ نری ثلثه اهلة وماتوقد فی بیت النبی صلی اللہ علیه واله وسلم نار۔ آپؓ نے یہ حدیث اپنے بھانجے عروہ بن زبیرؓ کو سنائی کہ ہم پر تین چاند مسلسل گذر جاتے تھے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تو انہوں نے پوچھا پھر کھاتے کیا تھے۔ کہ کھجور کے چند دانے کھا کر پانی پی لیا۔ آپ کے گھر میں چھلنی نہیں ہوتی تھی بس پھونک سے جو تنکے وغیرہ اڑ گئے اور باقی پکا لیا۔ اور آپؓ سے ہی روایت ہے کہ پیغمبر پاک کا کنبہ دو دن بھی جو کی روٹی سے سیر نہیں ہوا۔ یعنی زندگی میں پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو جا ملے۔ یہ آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حالت ہے۔ مگر انہیں دیکھو کہ شیطانی راہ پر خرچ کرتے ہیں اور لیڈر بنے پھرتے ہیں۔ مال شیطان کی راہ پر خرچ کرتے ہیں اور ہمدردی غریب کی بیان کرتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے۔

سیرت عمرینؓ میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دن جو کی باسی روٹی کا ٹکڑا کھایا تو بادی کی وجہ سے پیٹ میں کرکر ہوئی تو پیٹ کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ایها البطن لاتکر کر۔ کہ اے پیٹ کر کر مت کر۔ ماعندی لک الا ذالک حتی یاکل جمیع امة ابر محمد صلی اللہ علیه واله وسلم۔ کہ میرے پاس تیرے لیے جو کے ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پوری امت کو غلہ نہ ملے گا تو عمرؓ بھی نہ کھائے گا۔ حضرات خلفائے راشدین کو تو چھوڑو۔ اورنگ زیبؒ کو دیکھو کہ لنگر میں غریبوں کے لیے بٹیر اور تیتر پکتے تھے اور خود مکئی وغیرہ کی روٹی دودھ ولسی وغیرہ سے استعمال کرتے۔

وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے لیے بیت المال سے خرچ نہ کرتے تھے۔ بس خوشنویسی اور ٹوپی سی کر اپنا گزارا کرتے تھے۔

تو اسلام کے تحدید فی الانفاق کی شرط قائم کی۔ کہ مال بے جا و بے مقصد خرچ نہ ہو۔ پھر اس کے بعد انفاق یعنی خرچ کرنے کے قوانین رکھے۔

(ا) اغنیاء کے مال پر پابندی لگا کر زکوۃ اور عشر کی قید لگادی۔ **تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم**۔ کہ امراء سے لیکر غرباء میں تقسیم کئے جائیں گے۔ آج ہمارے ہاں کتنے ٹیکس لگے ہوئے ہیں کیا کسی غریب پر رقم تقسیم کی گئی ہے۔ یہاں ٹیکس تو ہے مگر ترد علی فقرائھم نہیں۔ پہلے یہ تھا کہ جہاں کی زکوۃ کی آمدنی ہوتی تھی اسی جگہ پر غرباء میں خرچ کردی جاتی تھی۔ مثلاً بہاول پور کی زکوۃ کی آمدنی بہاول پور کے غرباء میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ دیکھو اسلام نے کتنا آسان قانون بنایا تاکہ بوجھ نہ ہو۔

ایک مال اس طرح کا ہوتا ہے کہ قدرتی طور پر ہاتھ آتا ہے۔ مثلاً کھیتی باڑی کہ قدرتی طور پر آبپاشی ہو۔ محنت مشقت سے نہ ہو تو پوری آمدنی کا دسواں حصہ غرباء کا۔ اور اگر کنوئیں یا نہر وغیرہ محنت مشقت سے آبپاشی ہوتی ہو تو غرباء کے لیے بیسواں حصہ دے۔ اور نقد رقم چونکہ محنت کے بغیر نہیں بڑھتی تو اس میں اڑھائی فیصد زکوۃ رکھی۔ پاکستان میں جتنے کارخانے ہیں آج ان سے ایمانداری سے اڑھائی فیصد وصول کرکے غرباء کو دی جائے تو ملک بھر میں کوئی غریب نہ رہے۔ ایک طرف غرباء کے لیے یہ رعایت دوسری طرف اسلام غرباء کو کہتا ہے کہ ہاتھ پھیلا کر مت بیٹھو۔ دوسرا

قانون یہ کہ اگر زکوۃ سے غرباء کی پرورش نہ ہو سکے تو مزید وصول کر کے غرباء کو دو۔

مثلاً قرآن مجید میں ہے وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔

حدیث میں ہے ان وفی المال حقاً سوی الزکوۃ۔

قرآن میں ہے۔ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو ۔کہ جو کچھ زائد ہے وہ سب غرباء پر خرچ کردو۔کیا اس نظام کے بعد پھر کسی دنیاوی نظام کی ضرورت ہے۔(یہ امام ابن حزمؒ جو اہلحدیث کے امام ہیں۔جوزیؒ نے کہا یہ امامت کے مقام کو پہنچے ہوئے تھے)

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے لشکر میں زادراہ یعنی خوردونوش بہت کم تھا تو ایک وقت ایسا آیا کہ کسی کے پاس تھا اور کسی کے پاس نہ تھا۔تو حضرتؓ نے سب سے لیکر یکجا جمع کر کے پھر سب میں برابر تقسیم کیا۔جب یہ ختم ہو گیا تو پھر کھجور کی گٹھلیاں چوسنے لگے۔جب وہ ختم ہو گئیں تو پھر قدرت نے سمندر سے ایک مچھلی پھینکی وہ اتنی بڑی تھی کہ تین سو کے لشکر نے اٹھارہ دن کھائی جو گوشت بچ گیا وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائے۔تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔یہ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں روزی بھیجی یہ تو برکت کی چیز ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کچھ تناول فرمایا تا کہ ان کا شک وتردد ختم ہو جائے۔(یہاں ایک مسئلہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے جو خوردونوش کی چیز سب سے لیکر جمع کر کے پھر سب پر برابر تقسیم کی۔تو جب یہ بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سنائی گئی تو

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منع نہ فرمایا۔اور یہ اجماع صحابہ کرامؓ سے ہوااور کسی نے اعتراض بھی نہ کیا۔تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر تنگ وقت آ جائے تو مسلمان آپس میں اس طرح کر سکتے ہیں۔)

تو اسلام نے ہمیں چند قوانین دیئے۔

ا۔قانون زکوۃ۔

۲۔قانون خمس۔کہ لشکر کامیاب ہو گیا جو مال ملا اس کا خمس غرباء کا۔

۳۔قانون معدنیات۔کہ زمین سے جو نکلے سونا، چاندی وغیرہ تمام معدنیات میں حکومت صرف پانچواں حصہ لے سکتی ہے باقی سب غرباء کا ہے۔اور امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے کہ سونا چاندی میں سے حکومت پانچواں حصہ لے سکتی ہے۔لیکن ان کے علاوہ باقی سب کچھ غریب کا ہے حکومت کچھ نہیں لے سکتی۔

لیکن آج تمام آمدنی شیطانی راہ پر خرچ ہو رہی ہے۔حالانکہ قرآن میں ہے۔انما الصدقات للفقراء والمساکین ۔کہ صدقہ وغیرہ فقراء وغرباء مساکین کے لیے ہیں۔عجیب بات ہے کہ دنیا کی دولت جن کے لیے ہے (یعنی غریب کے لیے) انہیں کچھ نہیں مل رہا۔

۴۔قانون احیاء موات۔موات اس زمین کو کہتے ہیں کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو۔تو اس کے متعلق یہ اعلان کیا جائے کہ جو غریب لینا چاہے لے لے اس کو آباد کرے۔لیکن آج کل تو سب موٹے یعنی امراء کے لیے ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے انما الصدقات للفقراء و المساکین ۔دولت کا مصرف بیان کر دیا اگر صحیح مصرف پر خرچ نہ ہو تو ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ان میں طالب علم ومسافر بھی شامل ہیں۔یعنی جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں انہیں بھی دو۔ طلباء بھی ان مستحقین میں شامل ہیں۔یہ تو دین نے جوڑ کا طریقہ رکھا۔کہ غریب مالدار کو دعائیں دے اور امیر غریب کو دولت دیں جو ان کا حق ہے۔

اسلام نے تو جوڑ کیا کہ آپس میں محبت پیدا ہو۔مگر آجکل دیکھو کہ ایک ہسپتال بنایا تھا اس میں غریب کے لیے کوئی جگہ نہیں وہ بھی اب امراء کے لیے ہے۔ ایسے قوانین بنائیں گے کہ غریب کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔وہ صرف مر جانا بہتر سمجھے ان سے اسے کوئی امید نہیں۔اب تو شاید آسمان کا خدا کوئی ایسی آفت لائے کہ امراء کا یہ ٹیڑھا پن ختم ہو جائے۔

۵۔اسلام میں دو عیدیں ہیں۔تو عید الفطر میں غریب کے لیے صدقہ فطر رکھا۔اور عید الاضحیٰ میں کھال اور گوشت غریب کو مل جاتا ہے۔کہ غریب کو سال میں عید کے موقعہ پر گوشت تو مل جائے۔شکر ہے رب العزۃ کا کہ صدقہ فطر اور گوشت غریب کو مل جاتا ہے۔

۶۔جو آدمی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو دو وقت ایک غریب کو کھانا کھلائے۔

۷۔قسم توڑی تو دس غرباء کو کھانا کھلاؤ۔

۸۔رمضان شریف کا روزہ جان بوجھ کر توڑا تو یا ساٹھ روزے مسلسل رکھو یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلاؤ۔ان سب صورتوں میں اسلام نے غریب کو مدنظر رکھا۔

ایک مرتبہ اندلس کے بادشاہ سے رمضان شریف کا روزہ ٹوٹ گیا۔تو قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ کیا کروں انہوں نے فرمایا مسلسل ساٹھ روزے رکھو۔ایک آدمی نے قاضی صاحب سے تنہائی میں پوچھا کہ سزائیں تو تین ہیں۔ایک تو مسلسل ساٹھ روزے۔دوسری غلام آزاد کرنا۔تیسری ساٹھ مساکین کا کھانا۔فرمایا کہ دوسری دو سزائیں بادشاہ کے لیے آسان تھیں وہ تو ہر سال تیس غلام آزاد کر دیتا یا روزانہ ایک ماہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دیتا۔میں نے یہ مشکل صورت بتائی تا کہ بادشاہ روزے کا پابند ہو جائے۔

درس نمبر ۱۳

۲۔اپریل ۱۹۶۷ء

حب الدنیا

یاایھا الناس اعبدوا ربکم.........الذی جعل لکم الارض فراشا۔

اس سے پہلے درس میں اس آیت کے سلسلہ میں اسلام کے معاشی نظام کا بیان تھا۔آج اسلامی معاشیات کے متعلق اساسی یعنی بنیادی امور کا بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ حکیم مطلق ہے تو انسان کی شخصی یا جماعتی زندگی کی مرض اور اس کا سبب وہی جانتا ہے۔اس لیے اس نے کلام پاک میں ان تمام بیماریوں کا علاج بیان کیا ہے جو انسان کے فرد یا جماعت کو پیش آنے والی تھیں۔

معاشی زندگی کا فساد یا بگاڑ کیوں ہے؟ اور جہان میں بھوک و افلاس کی کثرت کیوں ہے؟ تا کہ معاشی فساد اور غیر متوازن نظام کا سبب اور اس کا علاج معلوم کیا جائے۔

وہ سبب غلبہ حب الدنیا ہے۔یعنی دنیا کی محبت کا غالب آنا ہے۔ایک کسب دنیا اور ایک حب دنیا ہے۔کسب دنیا مقصود ہے اس پر نظام عالم چل رہا ہے۔لیکن حب دنیا کہ دنیا کی محبت اس قدر آ جائے کہ آخرت بھول جائے۔ایسی محبت کو قرآن

وحدیث نے انسانیت کے لیے تباہ کن فرمایا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادگرامی ہے۔حب الدنیا رأس کل خطیئة ۔ہر بُرائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

اب سوچیں کہ ایک طرف تو سرمایہ دارانہ نظام نے بڑے بڑے کروڑ پتی پیدا کیئے ۔اور دوسری طرف دنیا کی اکثر آبادی کو بھوک وافلاس میں شدید مبتلا کردیا۔

امراء اور غرباء کا معاملہ ترازو کے پلے جیسا ہوتا ہے۔اگر امراء کا پلہ وزنی ہوگیا تو غرباء کا پلہ کم ہو جائے گا۔تو اسی حب الدنیا کی وجہ سے غرباء کی تعداد بڑھ گئی۔

ایشیا میں آج بھی کہیں کہیں بلاسود کچھ نہ کچھ رقم مل جاتی ہے۔لیکن یورپ میں بلاسود کم سے کم قرضہ ملنا ممکن نہیں۔اس کا سبب حب الدنیا ہے۔حضرت شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرض پر سود لینا انتہائی بے شرمی ہے۔کیونکہ اسے تو اپنی اصل رقم پوری واپس مل جاتی ہے اگر اس کے ضمن میں اپنے غریب بھائی کا مشکل وقت گذر گیا تو اس میں کیا حرج ہے۔بہر حال دنیا کی محبت میں مالداروں اور امراء نے انسانوں کی بہت بڑی دولت کو اپنی طرف سمیٹ لیا اور انسانوں کی اکثریت غریب بن گئی۔

اسی طرح رشوت وغیرہ۔جس ملک میں رشوت آجائے اس میں عدل و انصاف نہیں رہتا۔کیونکہ پھر تو انصاف منڈی بن گئی کہ جو بولی زیادہ لگائے گا اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔اور جب انصاف ختم ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قہر آتا ہے۔جو جنگ یا مرض یا قحط کی صورت میں ہوتا ہے۔اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔ملائکہ

نے شبہ پیش کیا کہ ایسے لوگوں کو خلافت دے رہے ہو جو فساد کریں گے۔ یہ شبہ تھا یہی شیطان اور ملائکہ میں فرق ہے۔ کہ شیطان نے اعتراض کیا اور ملائکہ نے استفسار کیا یعنی شبہ دور کرنا کہ اللہ کی حکمت ہمیں سمجھ نہیں آتی تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر کے پوچھ لیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اجمالی جواب دیا۔ انی اعلم مالا تعلمون۔ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور اجمالی بات یہ کہ ملائکہ نے شبہ میں جو بات کہی کہ کچھ خون بہائیں گے اور کچھ فساد کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ جس چیز کو تم نے خلافت کے لیے رکاوٹ سمجھا ہے وہی خلافت بننے کا سبب ہے۔

دیکھو انسان کی پیدائش سے پہلے پوری دنیا کا ظہور تھا صرف ایک صفت باقی تھی۔ (عدل) تو عدل اس وقت قائم ہوگا جب بے انصافی ہوگی۔ مثلاً مریض ہوں گے تو علاج ہوگا۔ اسی طرح جب بے انصافی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کا انصاف ظاہر ہوگا۔ اگر زمین پر ملائکہ بستے تو نہ عدالت نہ مدعی اور نہ مدعا علیہ ہوتا۔ تو اسی لیے انسان کی تخلیق فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ آدم کی تخلیق سے عدل قائم کرنا ہے۔ اور رشوت سے انصاف ختم ہو جاتا ہے۔ اگر پوری دنیا کافر بن جائے تو اللہ تعالیٰ کا قہر نہیں آتا اور اگر بے انصافی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا قہر آئے گا۔ تو رشوت کا طریقہ حب الدنیا سے پیدا ہوتا ہے۔ آج غذائی اشیاء میں آمیزش کیوں ہے؟ یہ حب الدنیا کی وجہ سے ہے۔ چور بھی مال کی وجہ سے چوری کرتا ہے۔ تو جو آدمی مال بڑھانے کی کوشش کرتا ہے وہ غریبوں کا بالکل خیال نہیں کرتا۔ یہ سب حب الدنیا کی وجہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آدمی نے دنیا میں رہنا ہے تو اس لیے دنیاوی کاروبار بھی کرنا ہے۔ اور آخرت میں جانا ہے تو آخرت کی ابدی زندگی کے لیے بھی سامان مہیا کرنا ہے۔ مثلاً ایک آدمی گاڑی میں سوار ہو کر بہاول پور سے ملتان جارہا ہے۔ تو یہاں اس کے تصور میں دو چیزیں آتی ہیں۔ تو جب گاڑی چلی تو ایک تصور تو یہ ہوگا کہ بہاول پور پیچھے ہو رہا ہے۔ اور دوسرا تصور یہ کہ ملتان قریب ہوتا آ رہا ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی یہی مثال ہے کہ زندگی بھی گاڑی کی طرح حرکت کررہی ہے۔ یہ چیز قرآن میں بھی ذکر ہے۔ انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ۔

اے انسان! تیری زندگی تکلیف اٹھا اٹھا کر اللہ کی طرف جارہی ہے۔ پس اسی طرح تو اللہ تعالیٰ کو مل جائے گا۔

تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ زندگی کی گاڑی دنیا کے اسٹیشن سے آخرت کے اسٹیشن کو جارہی ہے۔

تو یقین جانو کہ گاڑی چلنے کی صورت میں ایک اسٹیشن دور ہو رہا ہے اور ایک قریب آ رہا ہے۔ تو اس مضمون کو حدیث شریف یوں بیان کرتی ہے۔

ارتحلت الدنیا مدبرةً وارتحلت الاخرة مقبلةً۔

ولکل واحد منھما بنون فکونوا من ابناء الاخرة ولاتکونوا من ابناء الدنیا۔

کہ زندگی دنیا کو پیچھے چھوڑے جارہی ہے اور آخرت کو قریب لارہی ہے۔ اور دونوں جہانوں کے لیے سامان کرنے والے موجود ہیں۔ تم اپنی پوری طاقت دنیا

میں صرف نہ کرو۔ فالیوم عمل ولا حساب وغداً حساب ولا عمل۔ آج (دنیا) میں عمل ہے حساب نہیں۔ اور کل (آخرت) میں حساب ہوگا عمل نہیں۔ تم پائیدار نعمتوں میں مصروف ہو جاؤ نہ کہ ناپائیدار میں۔ فاثروا یبقیٰ علی مایفنیٰ۔

قرآن کا ارشاد ہے۔ زین للناس حب الشھوٰت من النساء والبنین۔ انسان کی فطرت میں کچھ پسندیدہ چیزوں کی محبت ڈالی گئی ہے مثلاً بیویاں اور بیٹے اسلام نے عورت کی محبت معتدلانہ انداز میں رکھی کہ عورت کے ساتھ نکاح اور ملکہ خانگی کی حیثیت سے محبت ہو نہ کہ شمع محفل کی حیثیت سے۔ اب شیطان نے کہا کہ عورت جشن، سینما اور دفتر وغیرہ میں بھی ساتھ ہو۔ مگر آسمان کا خدا دیکھ رہا ہے کہ انسان کتا بن گیا ہے۔ بلکہ جانور سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔ مثلاً بیل بھی ہر وقت نہیں چمٹا رہتا۔ لیکن انسان نے تو جانور سے بھی ترقی کی۔ (۲) والبنین۔ دوسری بیٹیوں سے محبت۔ ہم نے یہ بہت بڑی غلطی کہ کہ اولاد کو وہ تعلیم دو جس سے زیادہ تنخواہ ملے چاہے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جانے یا نہ جانے۔ اگر اولاد سے محبت ہے تو اسے آخرت کے لیے بھی تو بناؤ۔

(۳) والقناطیر المقنطرۃ۔ تیسری چیز انسان کو سونا اور چاندی سے محبت ہے۔ یورپ نے اس کی بھی مٹی پلید کی کہ قدرتی محبوب چیز کے بدلے کاغذ کا نوٹ دیا۔ تو دولت اور بادشاہت کی مٹی پلید ہو گئی۔

قدیم زمانہ میں بادشاہوں کی عظمت ہوتی تھی اور واقعی وہ بھی عظمت کے قابل تھے۔ تو جس نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑا اس نے دنیا سے گالی کھائی۔

دیکھو آجکل جس بادشاہ نے اللہ کو چھوڑا خدا نے اسے رسوا کیا۔

(۴) والخیل المسرمة۔اور عمدہ نسل کے گھوڑوں سے انسان کو محبت ہے۔

(۵) والانعام۔اور مویشی جانور گائے بھینس وغیرہ سے محبت ہے۔

(٦) والحرث۔چھٹے نمبر پر انسان کو کھیتی باڑی سے فطرتی طور پر محبت ہے۔ذالک متاع الحیوة الدنیا۔یہ دنیا کی تھوڑی زندگی کے لیے سامان ہے۔ واللّٰہ عندہ حسن المأب۔اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اعلیٰ چیزیں ملیں گی جن کا درجہ ان دنیاوی چیزوں سے اربوں گنا بہتر ہوگا۔لہذا تمام قوت اور تمام وقت دنیا کے حصول کے لیے صرف نہ کرو۔آخرت بھی کچھ نہ کچھ کماؤ۔

ان چھ نعمتوں کے ساتھ موازنہ کے طور پر حدیث پاک میں ذکر ہے۔

حدیث: واللّٰہ ماالدنیا فی الآخرة الا کما یجعل احد کم اصبعه فی الیم فلینظر بم یرجع۔

کہ قسم بخدا تم میں سے ایک آدمی اپنی ایک انگلی سمندر میں ڈالے پھر اس کو نکالے تو اس کی تری کو دیکھے تو وہ تری سات سمندروں کے مقابلے میں جتنی کم ہے تو دنیا کا سامان آخرت کے مقابلے میں اس تری سے بھی زیادہ کم ہے۔جب تک پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا جائے تو مکمل طور پر عبادت ادا نہیں ہوسکتی۔اس لیے دنیا حاصل کرنے کا حکم دیا کہ کچھ ہوگا تو کھا پی کر عبادت کریں گے۔مثلاً گوشت میں مصالحہ ضرور ڈالتے ہیں کیونکہ مصالحے ہی سے گوشت کا لطف ہے اسی طرح دنیا بھی بقدر ضرورت ہو۔دنیا

مقصود نہ ہو بلکہ عبادت مقصود ہو۔ تو جب دنیا بقدر ضرورت ہوگی تو دین کے کاموں میں لطف آئے گا۔ مگر ہم گوشت میں تو مصالحہ اندازے کا ڈالتے ہیں تاکہ بدمزگی نہ ہو مگر آخرت میں دنیا بے اندازہ ڈال دیتے ہیں۔ دنیا تو مصالحہ کی طرح صرف آخرت مین مزہ وعمدگی پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ تو دنیا وآخرت کی مثال گوشت اور مصالحے کی طرح ہوگئی۔ تو دین ضرور ہو اور بہت زیادہ مقدار میں ہو اور دنیا تھوڑی مقدار میں ہو یہ نہ ہو کہ مسلمان اور کافر کی زندگی میں فرق نہ ہو۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ قسم بخدا جن کے پاس دین نہ ہوگا انہیں دنیا کا لطف بھی نصیب نہ ہوگا۔ اور میں نے جو مثال دی کہ مصالحہ اندازے کا ہو نرا مصالحہ ہرگز پُر لطف نہیں جب تک گوشت نہ ہو۔ اور حضرت تھانویؒ مجلس میں فرمایا کرتے تھے کہ لطف یا راحت وغم کا اصل مرکز قلب ہے۔ دین۔ اللہ وآخرت کا تعلق قلب کو منور بناتا ہے۔ تو جس کا قلب منور ہوگا اسے کھانے پینے میں بھی لطف ومزہ ہوگا۔ اور جس نے دنیاوی محبتوں سے قلب کو گندہ بنادیا تو اسے کھانے پینے میں بھی کوئی لطف ومزہ نہیں ہوگا۔ مزید برآں کہ جب انسان کو اللہ اور آخرت سے تعلق ہوجائے تو اس تعلق کو دوام ہے کیونکہ اللہ رب العزۃ اور آخرت کو دوام ہے۔ اور اگر بیوی بچوں وغیرہ سے محبت ہو تو ایسی محبت دوامی نہیں۔ کیونکہ انہیں کبھی موت اور کبھی مرض وغیرہ ہوگی تو غمگین رہے گا خوشی نہ ہوگی۔

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزہ ملتا نہیں

(اکبرؒ)

اور یہ فکر آخرت کے تعلق سے پیدا ہو جاتا ہے۔

دیکھو دنیا میں اتنا محو ہو جانا کہ انسان دین فروش بن جائے۔ مثلاً انسان دنیا کی جس چیز میں محو ہوگا زمین یا جانور وغیرہ میں محو ہوگا تو قرآن کہتا ہے۔ کہ کائنات تیرے لیے ہے تو کائنات کے لیے نہیں۔ اگر ایسا کیا تو انسان نے اپنے آپ کو شرافت اور مرتبے سے نکال دیا۔

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں ہے جہاں کے لیے
(اکبرؒ)

عرضها کعرض السماء والارض۔ علماء اور دیندار لوگ تو وسیع النظر ہیں وہ اس گندی دنیا پر نظر نہیں رکھتے بلکہ آخرت پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ دنیا تنگ پیالہ ہماری امیدوں کو کافی نہیں بلکہ آخرت ہی آنے والی ہے جو ہماری امیدوں کو مکمل کر دے گی۔ یہ عیاش اور دنیا دار لوگوں کی باتیں ہیں کہ علماء تنگ نظر ہیں نہیں ہم وسیع النظر ہیں۔ ایسی باتیں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ لوگ علماء سے متنفر ہو کر بے دین ہو جائیں۔

پہلے یہ بتلا دوں کہ دنیا کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں جو محو ہوا تو وہ دین سے دور رہا۔

یقینی بات ہے کہ آدمی کو دنیا میں رہ کر آخرت اور دنیا دونوں کے کام کرنے ہیں۔ اگر دونوں کا موزانہ کیا جائے تو اہم کام آخرت کے ہیں۔ اور یقینی بات ہے کہ

آدمی کے پاس قوت اور وقت صرف ایک ہے دو تو نہیں اگر یہ قوت اور وقت مکمل طور پر دنیا میں صرف ہو گئی تو آخرت کے لیے تو کچھ نہ بچے گا۔ تو اگر ترازو کا ایک پلڑا بھاری ہوا تو دوسرا ضرور ہلکا ہوگا۔ اگر دنیا سے محبت ہوگی تو آخرت سے نہ ہوگی۔ اس لیے انبیاءؑ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ وقت ایک ہے اور چیزیں دو حاصل کرنی ہیں۔ تو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت زیادہ کماؤ۔

حدیث: نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة و الفراغ ۔ کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت لوگ ان میں نقصان میں ہیں۔ (۱) صحت، (۲) فراغت۔ ان دو نعمتوں میں دین نہیں کمایا پھر جب قبر کے دروازہ پر پہنچو گے تو وہاں پھر افسوس کے ہاتھ ملو گے۔ اس صحت اور فراغت سے آخرت کا بھرپور فائدہ حاصل کیا جائے۔ آج جن کو فراغت اور صحت ہے وہ خدا تعالیٰ کے زیادہ باغی ہیں۔

حدیث: جاء رجل الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و اله وسلم فقال من هذا قیل من اشراف هذا و اللّٰہ حری ان خطب ینکح و ان شفع ان یشفع و ان تکلم ان یسمع۔

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آیا فرمایا کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ لوگوں میں شرف وعزت والا ہے۔ پیغام نکاح دے تو شادی ہو سفارش کرے تو قبول ہو اور اگر بات کرے تو اس کی سنی جائے۔

من هذا! یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و اله وسلم هذا رجل من فقراء المسلمین ۔هذا حری ان خطب لاینکح و ان شفع ان

لایشفع و ان قال ان لایسمع لقوله۔

ترجمہ: دوسرے شخص کے بارے میں پوچھا یہ کون ہے۔

اب سنو پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کیا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پہلے شخص کی طرف اشارہ کیا کہ هذا خیر من ملأ الارض۔ یعنی اگر پہلے شخص کی طرح لوگوں سے زمین بھر جائے تو بھی یہ (بعد والا شخص) ان سب سے بہتر ہے۔

درس نمبر ۱۴

جمعۃ المبارک ۷۔اپریل ۱۹۶۷ء

نظامِ وراثت

اس سے پہلے درس میں اللہ تعالیٰ کے اس نظام کا ذکر تھا جس میں یہ بیان تھا کہ انسانوں میں روزی کی تقسیم کس طرح ہو۔ اس موضوع پر کافی بحث ہو گذری اور زندگی کے اصول بھی بیان ہوئے۔ اسلام نے مرنے کے بعد جو دولت کی تقسیم کا نظام رکھا ہے دوسرے مذاہب میں اس کی مثال نہیں۔ عیسائی مذہب میں والد کے مرنے کے بعد بڑی اولاد بیٹا یا بیٹی ہو وہ وراثت کے حقدار ہوتے ہیں باقی اولاد وراثت سے محروم رہتی ہے۔ ہندو مذہب میں مردوں کو ملتی ہے اور عوتیں محروم رہتی ہیں۔ اور والدین کے لیے تو ان دونوں مذہبوں میں کوئی حق وراثت نہیں۔

مگر اسلام نے مرنے کے بعد فطرت کے مطابق تقسیم کی۔ میاں بیوی اور والدین ہر ایک کو مناسب درجہ بدرجہ وارث قرار دیا اور بعض صورتوں میں بھائی اور چچا وغیرہ کو وارث کیا۔ تاکہ معاشی نظام درست ہو جائے اگر کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جمع کیا جائے گا وہ تمام غرباء کے لیے ہوگا۔

آگے آئے گا کہ جو بچت ہو وہ سارا اس دنیا کے لیے نہ ہو بلکہ ابدی زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ رکھو جعل لکم الارض کے تحت ضمنی ذکر کیا۔

یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم ۔کہ اے انسان اِن پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تمہارے والدین کو پیدا کیا۔ آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا............

یہ توحید فی العبادۃ ہے۔ (۱) متقین (۲) منافقین (۳) کافرین یہ شرع کے مکلّف ہیں۔ توحید فی العبادت کا معنی یہ کہ عبادت اللہ تعالیٰ سے خاص ہو اور کوئی شریک نہ ہو۔

تو عبادت صرف اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معمولی تعظیم مراد نہیں کیونکہ معمولی تعظیم مخلوق کے لیے بھی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم ہو۔ مثلاً سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے غیر اللہ کو نہیں ہوسکتا۔ علی ہذا القیاس لوگ معاملات میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھاتے ہیں یہ بھی انتہائی تعظیم ہے۔

حدیث: من حلف بغیر اللّٰہ فقد اشرک ۔کہ جس نے غیر خدا کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔

تیسری چیز جب آدمی کسی مشکلات میں گھر جاتا ہے تو منت و نذر مانتا ہے تو تمام مذاہب حنفی وغیرہ کا قول ہے کہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ثواب بزرگ کو پہنچاؤ مگر نذر اللہ تعالیٰ کی ہو نہ کہ بزرگ کی۔ آپ دیکھیں جتنی مقدس ہستیاں ہوگذری ہیں وہ ساری عمر اللہ سے دعا کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جو دعائیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کی ہیں وہ حصن حصین میں جمع ہیں۔ اور کتاب الاذکار اور مناجات مقبول میں حضرت تھانویؒ نے بھی کچھ ذکر کی ہیں۔

وانی لاستغفر اللّٰه کل یوم مائۃ مرۃ ۔کہ میں ہر روز اپنی بخشش کے لیے سو بار دعا مانگتا ہوں۔

دعائیں وہی کرتا ہے کہ چیز کسی اور کے پاس ہو۔ یہ ہے بندگی کی تکمیل ۔کہ ہم اللہ سے مانگتے ہیں ۔اور جس سے مانگا جاتا ہے چیز اس کی قدرت میں ہوتی ۔تمام انبیاءؑ، تمام صحابہ کرامؓ، تمام قطب وغوث کا مانگنا صرف اللہ سے ہی رہا ہے۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وصیت فرمائی ۔واذا سألت فاسئل اللّٰہ و اذا استعنت فاستعن باللّٰہ ۔تو معلوم ہوگیا کہ طواف اور چکر لگانا صرف بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے نہ کہ غیر اللہ کے مقام سے ۔یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر کے علاوہ کسی مقام کا طواف جائز نہیں ۔اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ عبادت جب بھی ہو۔ اللہ کے لیے ہو۔اس کی دلیل بھی عطا فرمائی ہے۔ عبادت کے لیے تین بنیادی چیزیں ہیں۔ تفسیر بیضاوی میں عبادت کے بارے میں ہے اقصیٰ غایت التعظیم کہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم ۔اس کے بعد احیاء العلوم میں ہے کہ اصل عبادت دل کا فعل ہے۔ کیونکہ اصل عبادت تو دل کی ہوتی ہے۔ عبادت بندہ اور خدا کے درمیان نسبت ہے۔ بندہ اپنے دل میں اپنی ذلت اور اللہ تعالیٰ کو عظیم سمجھے یہ دل کا فعل ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ دل کے فعل وہ ہوتے ہیں جو مظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً جہاد یہ قلب کی شجاعت کا مظہر ہے۔ اور اسی طرح

سخاوت یہ قلب کی سخاوت کا مظاہر ہے۔اسی طرح عبادت یہ بھی قلب کی تعظیم کا مظہر ہے۔بہرحال اسلام کی بڑی خصوصیت توحید فی العبادت ہے۔

(۱) محبت، (۲) عظمت،

(۳) حکمت، (۴) حاکمیت۔

یہ عبادت کے بنیادی ستون ہیں۔

اب یقینی بات ہے کہ یہ چار چیزیں اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت وعظمت کے لیے انتہائی چیزیں ہیں باقی چیزیں جو ہیں وہ ان سے کم درجہ کی ہیں۔دیکھو پہلی چیز محبت ہے۔والدین کو اولاد سے اور دوست کو دوست سے محبت ہے۔جس طرح میں نے قرآن سے ذکر کیا۔

زین للناس حب الشهوات ۔کہ انسان کی محبوب چیزیں تو بہت ہیں لیکن سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہے کیونکہ انسان کو جن چیزوں سے محبت ہے وہ اللہ کی تخلیق ہیں خود انسان کا اپنا نفس لے لو کہ انسان کو اپنے نفس اور جان سے بڑی محبت ہے تو فطری طور پر انسان کو اپنے نفس سے سب سے زیادہ محبت ہے یہ ہے محبوب نمبرا اور دوم نمبر پر آباءواجداد سے تو محبت نفس کے بعد محبت سلف ہے۔تیسری چیز وہ انسانی محبوبات جس قدر ہیں وہ سب آسمان اور زمین سے متعلق ہیں مثلاً کوئی محبوب چیز دیکھو اس کا تعلق زمین سے ہوگا اور بالواسطہ آسمان سے بھی ہوگا مثلاً غلہ، میوہ، کپڑا، سونا چاندی وغیرہ سے اگر محبت ہے تو یہ سب زمین سے متعلق ہیں۔اور اگر حیوانات سے محبت ہے تو وہ بھی زمین سے لیکن زمین تنہا بغیر آسمان کے بیکار ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آسمان و زمین میں میاں بیوی جیسا تعلق ہے اگر ایک نہ ہو تو اولاد نہیں ہوتی ان دو کے ملنے سے ثمرات و حبوبات وغیرہ تیار ہو جاتے ہیں۔اس لیے فرمایا فاخرج به من الثمرات رزقالكم ۔کہ تمہارے لیے زمین سے پھلوں کا رزق نکالا۔تو محبت سلف کے بعد محبت کائنات ارضی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تیرے محبوبات ہیں۔یہ کہاں سے آئے۔آپ کی محبوبات بخشش خدا و عطیہ رب العلمین ہے۔آپ ان کو محبوب جانتے ہیں کیا جو ان کو دینے والا ہے وہ محبوب نہیں وہ تو سب سے زیادہ محبوب ہو۔

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ ظاہری اسباب تو ڈاکیہ کے مطابق ہیں۔ اصل تصرف اللہ کا ہے۔وماتشاؤن الا ان يشاء الله ۔کہ وہ تو اللہ کے ارادہ کے بغیر کسی چیز کو چاہ ہی نہیں سکتا۔مثال ایسی ہوگی کہ اگر ایک آدمی نے ایک ہزار روپیہ منی آرڈر بھیجا تو واقع میں دینے والا ڈاکیہ ہے لیکن بھیجنے والا غائب ہے کیا تمہیں ڈاکیہ سے محبت ہے یا بھیجنے والے سے محبت ہے؟ ضرور بھیجنے والے سے محبت ہوگی۔یہی حال خدا تعالیٰ اور بندوں کا ہے کہ بندے پہنچانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ دینے والے سے محبت ہوگی یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے یہ قانون رکھا کہ تم ان کا بھی احسان جانو۔تو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب جاننا چاہیے۔والذين امنوا اشد حبالله ۔کہ جو اللہ پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں۔جب اللہ محبوب ہے تو حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کا ضابطہ ہے محبوب المحبوب محبوب کہ محبوب کا محبوب محبوب ہوتا ہے۔تو محبت الٰہی کی

تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو اللہ کو محبوب ہے اس سے ہمیں بھی محبت ہو۔اور مبغوض المحبوب مبغوض جن سے اللہ کو بغض ہو ہمیں بھی ان سے بغض ہو ورنہ محبت کا دعویٰ بالکل غلط ہوگا۔مثلاً آپ کو زید سے محبت ہے تو یہ محبت اُس وقت کامل ہوگی جب زید کے محبوب سے بھی تمہیں محبت ہو اور اس کے دشمن سے بھی تمہیں نفرت ہو۔اول نمبر اللہ تعالیٰ کے محبوب انبیاءؑ ہیں درجہ بدرجہ خصوصاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا درجہ سب سے یعنی پوری کائنات سے بڑھ کر ہے۔

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔

تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک میں تمہیں تمہارے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے عزیز نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرامؓ عزیز و محبوب ہیں تو ان کی محبت بھی ایمان میں شریک ہے۔ان کے مابین جو لڑائیاں ہوئی ہیں وہ اپنی جگہ ہیں مگر ہمیں ان سب سے محبت ہو۔محبوبیت کی اور کیا نشانی ہوگی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔**من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم احسان رضی الله عنهم ورضوا عنه** ۔کہ کائنات کا خدا ان سے راضی ہے اور وہ بھی اس سے راضی ہونگے۔

معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محبوب ہیں تو ہمیں بھی صحابہ کرامؓ سے محبت ہو بغض نہ ہو۔**اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوهم من بعدی**۔اللہ تعالیٰ کا خوف کرو صحابہؓ کے حق میں ان کو میرے بعد نشانہ نہ بنانا۔

اگر تم پچھلے مسلمانوں میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر اللہ کی رضامندی کے لیے سونا خرچ کر ڈالے تو صحابہ کرامؓ کی ایک سیر خرماء کی خیرات کو نہیں پہنچ سکتا۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم ۔ ہمارے اصحابؓ دین کے ستارے ہیں جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ۔کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہیں اور جو آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے ساتھی ہیں یعنی صحابہ کرامؓ ان کا کیا حال ہے کہ کفار کے معاملہ میں سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ اور اگر ان کی زندگی دیکھو گے تو کسی وقت سجدہ اور کسی وقت رکوع میں ہونگے اور دل سے میرا فضل مانگتے ہیں۔

سیماھم فی وجوھھم ۔کہ ان میں ایمان کا نور اتنا ہے کہ قلب کے علاوہ چہروں پر بھی آ گیا ہے یہ سجدہ کے اثر سے ہے۔ اور صرف قرآن میں نہیں ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل ۔کہ تورات اور انجیل میں بھی ذکر کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دل کی زمین میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کلمہ کا تخم ڈالا اور ان کی پاک زمین نے اس کو قبول کیا۔ فاستویٰ علی سوقہ یعجب الزراع ۔ کہ ایمان کا درخت اپنی جڑ پر کھڑا ہو گیا اور بیج ڈالنے والا اس سے خوش ہو گیا۔ لیغیظ بھم الکفار ۔اور صحابہ کرامؓ سے کافر ناخوش ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ دہلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے راستے میں صحابہ کرامؓ کی شان پوچھی تو آپ نے یہی آیت پڑھی لیغیظ بھم الکفار ۔کہ صحابہ کرامؓ سے ناخوش تو

کافر ہو سکتے ہیں۔اس میں بعض باتیں آتی ہیں۔

ایک بزرگ لکھنؤ میں گئے وہاں شیعہ بہت ہیں تو ایک بڑے شیعہ سے سنی عالم مل گیا تو تیسرے آدمی نے کہا کہ اگر سنی مذہب میں کچھ تردد ہو تو یہ عالم ہیں ان سے پوچھ لو۔وہ کہنے لگے یہ میرا کیا جواب دیں گے۔اس نے کہا کہ سیدنا حضرت امیر معاویہؓ نے بعض اصحاب کے بارے میں سخت لفظ کہے ہیں تو حدیث ہے۔ **من سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللّٰہ** ۔کہ جس نے میرے اصحابؓ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے گالی دی مجھے اس نے اللہ کو گالی دی۔

تو اس حدیث کے مطابق تو وہ حضرت امیر معاویہؓ اللہ کے دشمن ہو گئے۔تو اس عالم نے جواب دیا کہ یہ حدیث تو غیر صحابی کے لیے ہے نہ کہ صحابیؓ کے متعلق ہے۔صحابیؓ اگر صحابیؓ کو کچھ سخت الفاظ کہے تو یہ اس کے متعلق نہیں۔تو مثال دی کہ اگر ایک آدمی یعنی بادشاہ یہ کہے کہ جو میرے شہزادوں کو تھپڑ مارے گا میں اس کی آنکھ نکال لونگا۔تو واقعی اگر ایک شہزادہ دوسرے شہزادے کو تھپڑ مار دے تو کیا بادشاہ اس شہزادے کی آنکھ نکالے گا؟نہیں۔یہ دوسرے لوگوں کے لیے پابندی ہے یہ قول شہزادوں کے لیے نہیں۔ناراض ہونا تو ممکن ہے مگر یہ سزا نہ دے گا۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ بھی دربار نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے شہزادے ہیں۔شہزادے آپس میں جو کچھ کرتے رہیں وہ اور بات ہے اور اگر ہم نے ان کے معاملہ میں دخل دیا تو ہمارا نقصان عظیم ہے۔تو یہ حدیث مذکورہ حقیقت میں سنیوں کی تائید

کررہی ہے۔یہی بات ہے کہ یہ ایمان ان حضرات صحابہ کرامؓ ہی طفیل تو نصیب ہوا۔ ہم تک یہ قرآن کس نے پہنچایا۔انہی حضرات صحابہ کرامؓ نے بلکہ ایمان بھی انہی کی بدولت نصیب ہوا۔اگر یہ صحابہ کرامؓ مدینہ سے باہر تشریف نہ لے جاتے تو ہم تو کسی مندر میں پڑے ہوتے۔اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حالات ان کی بدولت ملے ہیں۔اگر صحابہ کرامؓ نہ ہوتے تو ہمیں دین کون بتلاتا۔دینی نعمتیں بھی اور دنیوی نعمتیں بھی دونوں ان کی بدولت ملی ہیں۔

شہر ملتان سے لیکر کشمیر، سندھ، افغانستان، سمرقند و بخاری وغیرہ کے علاقے صحابہ کرامؓ نے فتح کئے ہیں۔ہم ماں باپ کو تو بُرا بھلا کہہ سکتے ہیں مگر صحابہ کرامؓ کو نہیں کہہ سکتے۔تو صحابہ کرامؓ کے احسانات کی کوئی حد نہیں۔شیعوں نے صحابہ کرامؓ کو کافر کہا اور خوارج نے صحابہ کرامؓ کو لیا اور اہل بیت کو چھوڑا۔مگر سنیوں نے کہا کہ نہیں دونوں حق ہیں۔ہم نے کہا اھدنا الصراط المستقیم ۔صراط مستقیم پر صرف سنی ہیں۔یعنی اہل سنت والجماعت ہیں۔شیعوں نے اہل بیت کے علاوہ سب صحابہ کرامؓ کو چھوڑا اور بعض نے خارجیوں کا ساتھ دیا۔

انگریز لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا فرقہ ہے جو ان ہستیوں کو کافر کہتا ہے جنہوں نے پوری دنیا میں اسلام پھیلایا مثلاً سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ وغیرہ۔

ایک مرتبہ میں لاہور سے آرہا تھا تو راستے میں سید احمد دہلوی جو کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان سے بات ہوئی میں نے ان سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ

سنیوں کو اہل بیت سے محبت نہیں تو میں نے اسے حضرت امام شافعیؒ کے وہ اشعار جو آپ نے اہل بیت کی شان میں کہے ہیں سنائے تو میں نے کہا کہ یہ ہمارے بڑے امام کے اشعار ہیں اب بتاؤ کہ کس درجہ کی محبت ہے۔

ہمارے نزدیک کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ ہر پیغمبرؑ پر ایمان نہ لائے۔ اسی طرح جس کو صحابہ کرامؓ اور اہل بیت دونوں سے محبت نہ ہو تو وہ کامل مومن نہیں بن سکتا۔

ایک یہودی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے آیا یہودی حضرت عیسیٰؑ کے مخالف ہوتے ہیں تو آپؒ نے فرمایا کہ ایک شرط تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر ماننا پڑے گا اگر نہیں تو پھر مسلمان نہیں ہو سکتے۔

دیکھو یہ ہے حق مذہب۔ یہی معاملہ اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ کے متعلق ہے۔ یہ مذہب حق اور صراط مستقیم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو صحابہ کرامؓ سے محبت ہے۔ تو محبوب المحبوب محبوب۔

درس نمبر ۱۵

۹۔اپریل ۱۹۶۷ء

محبت اور بغض اللہ کے لیے ہو

کل کے درس میں یہ بتلایا تھا کہ اللہ نے طاعت اور عبادت کا حکم دیا لیکن پانچ نعمتیں یاد دلائیں۔تمہارے باپ دادا اور زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ان دونوں کے ملاپ سے پیداوار کو پیدا کیا۔تو یہ پانچ چیزیں تمہیں محبوب ہیں تو ان چیزوں کے خالق پیدا کرنے والے کو محبوب جانو اور محبوب کے محبوب کو محبوب جانو۔اللہ تعالیٰ کو جس سے بغض ہو ہمیں بھی اس سے بغض ہونا چاہیے یہ تمام اعمال سے بہتر ہے۔

افضل احب الاعمال الحب للّٰہ و البغض للّٰہ۔

حدیث: سُئلَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم ای الاعمال احب الی اللّٰہ ۔کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ پسند ہے۔ابھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب نہیں فرمایا تھا کہ ایک نے کہا۔قال قائل الصلوۃ و الزکوۃ ۔کہ صلوۃ و زکوۃ پسندیدہ عمل ہیں۔پھر دوسرے نے کہا قال قائل الجھاد فی سبیل اللّٰہ ۔کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد پسندیدہ عمل ہے۔مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ الحب فی للّٰہ و البغض فی للّٰہ۔

کہ محبت اور بغض اللہ کی خاطر ہو۔

سنن اربعہ کی حدیث ہے۔من احب للّٰہ و البغض للّٰہ و اعطیٰ للّٰہ و منع للّٰہ فقداستکمل الایمان ۔کہ محبت اللہ کی خاطر ہو اور بغض بھی اللہ کی خاطر ہو تو ایمان مکمل ہے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے محبت ہے تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو صحابہ کرامؓ سے محبت ہے تو ہمیں یہ بھی محبوب ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں علماء سے محبت ہے تو ہمیں بھی علماء سے محبت ہونی چاہیے۔

حدیث حضرت ابی ھریرہؓ سے مروی ہے یقول اللّٰہ یوم القیمة این المتحابون فِیَّ ۔کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان فرمائیں گے کہ میری خاطر محبت کرنے والے کہاں ہیں کہ آج میں انہیں عرش کے سایہ تلے رکھوں کہ عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔

حدیث قدسی: وجبت محبتی للمتحابین فی المتجالسین فیَّ والمتزاورین فیَ والمتباذرین فی ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگئی جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے سے مل بیٹھتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے کو ملنے آتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے پر

خرچ کرتے ہیں۔

تو ان سے میری محبت واجب ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ سے محبت تھی آج وہ صدیوں سے قبروں میں ہیں لیکن پوری دنیا کو آج تک ان سے محبت ہے۔ یہ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت تھی تو اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہے۔ اللہ لازوال ہے تو اللہ کی محبت بھی لازوال ہے۔

حضرت ابی ھریرہؓ سے مروی ہے قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اذا احب اللّٰہ عبداً دعا جبرائیل فقال انی احب فلاناً فاحبہ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نام لیکر فرماتے ہیں کہ اے جبرائیلؑ مجھے فلاں سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ فیحبہ جبرائیل تو حضرت جبرائیلؑ اس سے محبت کرتے ہیں۔ ثم ینادی فی اھل السماء ۔ پھر جبرائیلؑ تمام آسمانوں میں یہ اعلان کرتے ہیں۔ ان اللّٰہ یحب فلاناً فاحبوہ ۔ کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں سے محبت ہے اے آسمان والو تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر اسی طرح زمین پر اعلان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں سے محبت ہے اے زمین والو تم بھی اس سے محبت کرو تو پھر لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ تو پہلے محبت اوپر ہوتی ہے پھر زمین میں ہوتی ہے۔

اسی طرح جس سے نفرت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیلؑ کو فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں سے نفرت ہے تو بھی اس سے نفرت کر اور عالم بالا میں اس کا اعلان کر دے اور بعد میں زمین پر بھی اعلان کر دے کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے فلاں شخص سے نفرت ہے تم بھی اس سے نفرت کرو۔ تو حدیث پاک کے الفاظ مبارک یوں ہیں۔

واذا بغض اللّٰہ عبداً نادیٰ جبرئیل فیقول انی ابغض فلاناً فابغضہ فیبغضہ ثم جبرئیل ینادی فی اھل السمٰوٰت ان اللّٰہ ابغض فلاناً فالبغضوہ فبغضوہ۔

حضرت تھانویؒ کا قول ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ایک الٰہی محبت ہے اور ایک شیطانی ہے۔ تو محبت الٰہی اوپر سے نیچے اترتی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پھر جبرائیل اور پھر تمام فرشتے اور پھر زمین والوں میں آتی ہے اس لیے یہ محبت لازوال ہوتی ہے۔ دیکھو جتنے اولیاءؒ، آئمہ کرامؒ ہو گذرے ہیں جنہیں وفات پائے صدیاں گذر گئیں مگر ان کی محبت ہمارے دلوں میں آج بھی باقی ہے۔ اور ایک ہے شیطانی محبت یہ زمین کی سطح پر بلبلے ہیں جس طرح مرزائی وغیرہ سے محبت۔

جب اللہ سے محبت ہوگی تو اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت ہوگی اسی طرح صحابہ کرامؓ و اولیا کرامؒ اور اللہ کی کتاب سے محبت ہوگی۔ اور جن سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہو ان سے ہمیں بھی نفرت ہو۔ اللہ تعالیٰ کو علم سے محبت ہے ہمیں بھی علم سے محبت ہو۔

حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ سے منقول ہے ان نجلس نتعلم باباً من العلم احب الی من عبادۃ ستین سنۃ۔

ترجمہ: ہم بیٹھ کر علم کا ایک باب سیکھ لیں میرے نزدیک ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ وحضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے نجلس العلم ساعة احب الینا من عبادة الف رکعةً۔

ترجمہ: اگر ہم علم کے لیے ایک گھڑی بیٹھیں تو ہزار رکعت عبادت سے ہمارے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

تو جن سے اللہ رب العزۃ کو محبت ہے تو ان سے درجہ بدرجہ محبت ہونی چاہیے۔ تو اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرامؓ سے محبت ہے تو ہمیں بھی ان سے محبت ہونی چاہیے۔

دوسری چیز مبغوض المحبوب مبغوض۔ اللہ کو جو ناپسند ہیں ان کو ناپسند کرنا پڑے گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی محبت میں یہ تمام چیزیں داخل ہیں۔

آج حضرت سیدنا عثمان غنیؓ وحضرت سیدنا علیؓ وسیدنا امیر معاویہؓ پر اعتراض کرتے ہیں ان کو یہ پتہ نہیں کہ حضرت سیدنا عثمان غنیؓ وحضرت سیدنا علیؓ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عشرہ مبشرہ فرمادیا تھا۔ باقی سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں بخاری میں نقل ہے۔ اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیا ۔ یا اللہ تو معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔ یہ کس کی دعاء ہے یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا ہے اور سیدنا امیر معاویہؓ کے لیے ہے۔ یہ یقیناً مقبول ہوئی ہوگی ان پر اعتراض کرنا فضول ہے باقی جو جھگڑے ہوئے ہیں۔ تلک امة قد خلت لھا ما کسبت ۔ یہ ایک امت ہے جو پہلے گذری ہے۔ ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ۔ وہ اپنے کئے کا اور تم اپنے کئے کا جواب دوگے۔ تم سے ان کے عمل کے متعلق سوال نہ ہوگا باقی اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ اور

حضرت ابو معاویہؓ کی جنگ میں حضرت علیؓ حق پر تھے اور یزید اور حضرت امام حسینؓ کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں حضرت سیدنا امام حسینؓ حق پر تھے۔ لیکن ان پر وظیفہ بنالینا یہ غلط ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔ جب سیدنا حضرت عثمان غنیؓ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تو حضرت علیؓ سے بیعت کی گئی تو آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کو ایک خط لکھا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی طرح لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ جب یہ خط پہنچا تو کچھ لوگوں نے قرآن کے خون آلودہ اوراق اور آپ کی بیوی کی کٹی ہوئی انگلی اور آپ کے خون آلود کپڑے وہاں پہنچادیئے۔ جب یہ ماجرا شام کے مسلمانوں نے دیکھا کہ مدینہ میں امیر المومنین جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بھی داماد تھے کو قتل کر دیا گیا ہے تو ان کے جذبات ابھر آئے تو تنہا حاکم کیا کر سکتا تھا کیونکہ اس وقت تو اصل جمہوریت تھی تو حضرت امیر معاویہؓ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ حضرت علیؓ کا خط آیا ہے کیا ان سے بیعت کر لیں اور وہ مستحق بھی ہیں۔ تو ان لوگوں نے کہا جب تک وہ حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں ان سے قصاص نہ لیں تو اس وقت تک بیعت نہ کی جائے۔ حضرت علیؓ لکھتے رہے کہ قصاص بعد میں ہوگا بیعت پہلے ہوگی۔ اور ادھر سے یہ ہوتا رہا کہ قصاص پہلے اور بیعت بعد میں ہوگی۔ تو اس معاملہ میں حضرت علیؓ بری تھے۔ اگر بیعت ہو جاتی تو کیا تھا بدلہ تو بعد میں لے لیا جاتا۔ پھر بدقسمتی سے جنگ صفین ہوئی اس میں ۹۰ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ انگریز مورخین لکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی آپس میں پہلی جنگ تھی اور لکھتا ہے کہ اگر یہ کثیر تعداد صحابہ کرامؓ کی شہید نہ ہوتی تو پوری دنیا کو فتح کرنے کے لیے یہ تعداد کافی تھی۔

اب ہم سنی تو کہتے ہیں کہ حال یہ ہے۔ مشیئتِ ایزدی کے سامنے کسی کا زور نہیں۔ خود حضرت علیؓ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں یہ کتاب آپؓ کی تقریروں کا مجموعہ ہے اس میں اس جنگ پر آپؓ کی ایک تقریر ہے۔ عین میدان جنگ میں تقریر فرمائی۔

اعلموا انا لما التقینا واھل الشام فاللّٰہ یعلم ان ربنا واحد وان رسولنا واحد وان کتابنا واحد ودعوانا فی الاسلام واحدۃ لانستزید ھم فی الایمان وھم لایستزیدون منافی الایمان ماختلفنا الا فی دم عثمان ونحن من ابرا الناس۔

کہ دونوں لشکروں کا خدا ایک ہے۔ اور ہمارا پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی ایک ہے۔ اور ہماری کتاب یعنی قرآن بھی ایک ہے۔ اور اسلام کے بارے میں ہمارا دعویٰ بھی ایک ہے۔ اور ہماری کتاب یعنی قرآن بھی ایک ہے۔ اور اسلام کے بارے میں ہمارا دعویٰ بھی ایک ہے۔ وہ ہم سے اور ہم ان سے ایمان میں بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ عثمانؓ کے خون میں ہمارا اختلاف ہو گیا ہے اور ہم اس معاملہ میں بری ہیں۔

دیکھو اُدھر سے یعنی شام والوں نے کہا یہ قصاص نہیں لیتے اس وجہ سے ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوئے لیکن اس میں حضرت علیؓ برحق تھے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے مخالفین سے جنگ لڑی تھی؟ آپؓ نے فرمایا کہ اس وقت باغیوں کا پورے مدینہ پر قبضہ تھا میرا بس نہیں تھا میں نے اپنے دونوں فرزند امیر المومنین خلیفۃ الرسول حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین کی حفاظت کے لیے ان کے گھر پر مقرر کر دیئے تھے۔

بس مشیت ایزدی میں جو تھا وہی ہوا۔ لیکن خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے۔ یزید کو دیکھو کہ واقعہ کربلا کے دو سال چند ماہ بعد فوت ہو گیا جب اس کے بیٹے معاویہ کو خلافت ملی تو چونکہ وہ متقی پرہیزگار تھا اس نے کہا کہ ہمارے خاندان سے اہل بیت کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے میں سلطنت انہیں سپرد کرتا ہوں۔ جب کوفہ والوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے سلطنت دینے سے پہلے زہر دیکر انہیں مار ڈالا۔ پھر مروان بن حکم کو ملی جس نے باون برس حکومت کی۔ عبدالملک کے دور سے فتح کا دروازہ کھلا۔ ولید بن عبدالملک کی اولاد سے یہ ہندوستان فتح ہوا ہے۔ بہر حال میں بتلانا چاہتا ہوں کہ تلک امة قد خلت کہ گذشتہ جھگڑے جو پڑے ہیں وہ گذر گئے ان سے ان کا اور تم سے تمہارا جواب لیا جائے گا اور تم سے ان کے متعلق جواب وسوال نہ ہوگا۔ امام اعظمؒ سے کوفہ میں کسی نے پوچھا کہ ان حضراتؓ میں حق بجانب کون تھا فرمایا کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کو لاؤ میں فیصلہ کروں۔ مطلب یہ کہ جب یہ کام آپ کے ذمہ نہیں اسے کیوں چھیڑتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا عبادت کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے تمہیں ان سے محبت ہے تو تم اللہ سے محبت کرو۔

ثلث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ من ماسواھما ومن کان یحب عبداً لایحبہ الا اللہ ومن کرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یلقی فی النار۔

ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں جس میں پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔

(الف) اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔

(ب) جو کسی بندے سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرے۔

(ج) جسے کفر میں واپس جانا ایسا ناگوار ہو جیسے آگ میں جانا ہوتا ہے۔

جس کے اندر یہ تین چیزیں ہوں اس نے اللہ کی محبت پالی۔ امام غزالیؒ سے سوال کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کسطرح محبت کر سکتے ہیں۔ فرمایا جس بات اور جس چیز سے محبت ہوتی ہے یا جو چیز محبوب ہوتی ہے اس کا ہر وقت دل میں خیال رہتا ہے۔ مثلاً انسان کے اعضاء چونکہ ان سے محبت ہے تو ان کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ یہ ایک مسلم قاعدہ ہے۔ یہی وہ محبت ہے جو قرآن نے حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں فرمایا ہے۔ لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ۔ کہ صحابہ کرامؓ کو خرید و فروخت اور تجارت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

علماء کرام لکھتے ہیں جس کو اللہ کی تڑپ ہوگی اس کو اللہ یاد ہوگا۔ اور جب اللہ کی محبت کے لیے بے چینی نہیں تو معلوم کرلو کہ دل سرد پڑ گیا۔ من احب شيئاً اكثر ذكره۔ جو چیز محبوب ہے اس کا ذکر ہر وقت زبان پر رہتا ہے۔

عارف رومیؒ لکھتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو اس کو محبت حقیقی ہے۔ اور اگر مخلوق کو مخلوق سے محبت ہو تو اس کو محبت مجازی کہتے ہیں۔ اور اگر یہ مجازی محبت بھی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہو تو یہ بھی حقیقت ہے۔

واقعہ یہ کہ ایک شخص نے دیکھا کہ مجنوں صحراء میں ریت پر انگلی سے لکھ رہا ہے۔ اس سے پوچھا مجنوں کیا لکھ رہے ہو۔ جواب دیا کہ میں لیلیٰ سے دور ہوں تو

ریت پر انگلی سے اس کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ اس سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد در بیاباں غمش من شستہ فر
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم مے نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیستی مے نویسی نامہ بہر کیستی
گفت مشق نام لیلی مے کنم خاطر خود را تسلی مے دہم

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

عشق مولا کے کم از لیلیٰ بود کوئے گشتن بہراو اولی بود

کہ رب العزۃ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم؟ رب العزۃ کے عشق میں کوچہ کوچہ پھرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

دوسری چیز یہ کہ زبان اور قلب آباد ہو اللہ کے ذکر سے۔ اور ہاتھ پاؤں اللہ کے کام میں لگ جائیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تکمیل ہوگی۔ اور زمین و آسمان میں چرچا ہوگا۔

درس نمبر ۱۶

جمعۃ المبارک ۱۴۔اپریل ۱۹۶۷ء

اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو

یا ایھا الناس اعبدو ۔اللہ جل جلالہ چونکہ ہماری فطرت کا خالق ہے اور ہماری حقیقت ظاہری و باطنی کا جاننے والا ہے اس نے ہم پر جب عبادت کا بوجھ ڈالا تو اسے یہ معلوم تھا کہ کوئی فرد عبادت گار نہیں بن سکتا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہ ہو۔تو اس پر یہ لفظ بڑھائے گئے جعل لکم الارض فراشا۔اللہ تعالیٰ نے محبت پیدا کرنے کے لیے چند چیزیں مختصراً بتلائیں۔کہ اے انسان تم اللہ کی عبادت محبت کے جذبہ کے تحت کرو۔انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنا نفس ہے۔باقی بالطبع محبوب بنتی ہیں۔مکان، مال، روٹی وغیرہ یہ چیزیں اگر محبوب ہیں تو نفس کے لیے ہیں۔ہماری ذات کے کل محبوبات اس لیے محبوب ہیں کہ ہمیں ہمارا نفس محبوب ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کے لیے تو نے سب کو محبوب بنا رکھا ہے کیا یہ بھی جانا ہے کہ اس کا خالق کون ہے؟ خلقکم۔تو اصلی محبوب تو الذی خلقکم ۔کہ جس نے تم کو پیدا کیا۔تو اللہ تعالیٰ حقدار ہے کہ محبوب بن جائے۔اگر تمہیں اپنے گذشتگان باپ دادا وغیرہ سے محبت ہے تو والذین من قبلکم ۔وہ بھی میرے پیدا کئے ہوئے ہیں۔باقی محبوبات بھی آسمان و زمین کے تعلق سے پیدا ہوئے ہیں۔فاخرج بہ من

الثمرات رزقالکم ۔جس طرح والدین کے تعلق سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح آسمان باپ اور زمین ماں کی حیثیت رکھتی ہے تو یہ آسمان و زمین بھی میں نے پیدا کیے ہیں۔

محبت پر وضاحت کرتا ہوں۔قرآن جب بھی بوجھ ڈالتا ہے تو وہ چیزیں سامنے لاتا ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائے۔مولانا محمد علی جوہر رئیس الاحرار جو لندن میں فوت ہوئے اور سرزمین انبیاءؑ بیت المقدس میں دفن ہوئے متحدہ ہندوستان کے وقت اول نمبر کے انگریزی دان تھے۔ان سے کسی نے پوچھا کہ پہلے تو آپ سر سے پاؤں تک انگریز تھے مگر اب تو سر سے پاؤں تک شکل محمدی ہے۔تو کہا کہ دوسرے جو علماء تھے وہ تخم ڈالنے سے قبل کھیتی حاصل کرنا چاہتے تھے۔لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے تخم ڈالا تو کھیتی خود بخود تیار ہو گئی۔

وہ تخم۔اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت دل میں ڈالی۔ باقی سب علماء کہتے تھے کہ شکل محمدی بناؤ مگر تخم نہ ڈالتے تھے۔

پچھلے درس کا مضمون کچھ ربط کے لیے اعادہ کرتا ہوں۔ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ ۔کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بالمقابل چیزیں ٹھہراتے ہیں کہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے۔یعنی محبوبیت میں شریک بنایا۔اللہ تعالیٰ اس شرک کو بھی پسند نہیں کرتا۔آگے فرماتے ہیں والذین امنوا اشد حبا للہ۔

اور جو ایمان والے ہیں وہ پوری کائنات سے بڑھ کر زیادہ محبت اللہ سے کرنے والے ہوتے ہیں۔ مفسرین نے کہا کہ انسان کو دو قسم سے بیان کیا۔

(۱) محبّ الانداد۔ یعنی وہ لوگ جو غیر اللہ سے ایسی محبت کرتے ہیں جو اللہ سے کرنی چاہیے۔

(۲) وہ لوگ جو اللہ سے تمام چیزوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ دوسرے کا نام تو مومن بتلا دیا مگر پہلے کا نام نہ بتلایا۔ تو مفسرین لکھتے ہیں مومن کے مقابلہ میں کافر ہوتا ہے۔ اس لیے مومن بنا کر اشارہ کر دیا کہ پہلی قسم والے کفر میں داخل ہونگے۔ یعنی کافرانہ عمل کرتے ہیں۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ انداداً۔

کچھ لوگ غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں۔

والذین امنوا اشد حبا للّٰہ۔

اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔

اب باقی ہے تیسری قسم وہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ اللہ کے ماسوا چیزوں کے ساتھ اس کی محبت اللہ کی محبت سے زائد ہو گویا محبت کے تین دائرے قائم ہو گئے۔

(۱) کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب پر غالب ہو۔ یہ مومن کی علامت ہے۔

(۲) یہ کہ اللہ اور ماسوا اللہ کی محبت برابر ہو اس کو کافر کہتے ہیں۔

(۳) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے ماسوا کی محبت زائد ہو۔ یہ ایسی قبیح چیز تھی کہ قرآن نے اس کا نام بھی ذکر نہیں کیا یہ تو گویا کفر کی سرحد سے پار ہو گیا تو اس کو اکفر۔

اسم تفضیل کا صیغہ کہیں گے۔

حدیث پاک ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ مرنے سے پہلے یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جانے سے پہلے حساب کرلو۔ کہ میں نے زندگی میں کتنے عمدہ کام کئے اور کتنے بُرے کام کئے۔

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ وفات پا گئے۔ یہ ایسے شخص تھے کہ دس کروڑ مسلمانوں کی پوری عمر کی عبادت ان کے ایک پل کی عبادت سے بھی کم ہے۔ ۲۲ لاکھ ۵۵ ہزار مربع میل زمین اسلامی جھنڈے کے تحت لائی اور پھر لطف یہ کہ جتنی زمین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے اسلامی جھنڈے تلے لائی تھی وہ آج تقریباً ۱۴ سو سال گذر چکے ہیں وہ پوری کی پوری مسلمانوں کے قبضے میں ہے آپؓ اسے حضرات صحابہ کرامؓ کی کرامت کہیں یا کچھ اور۔ یہ حقیقت ہے کہ جو جو علاقے عہد صحابہ کرامؓ میں ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ وہاں آج تک مسلمان حکومت کر رہے ہیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپؓ ایک مرتبہ سخت گرمی میں دوڑے جا رہے تھے پسینہ ٹپک رہا تھا کسی نے کہا آپؓ کیوں دوڑے جا رہے ہیں فرمایا سرکاری اونٹ گم ہو گیا ہے اسے تلاش کر رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کسی کارندے کو بھیج دیتے فرمایا قیامت میں تو مجھ سے پوچھا جائے گا کہ اونٹ تلاش کیا تھا کہ نہیں۔ آپ نے اپنے لیے گوشت کی بندش فرمادی کہ جب تک رعیت کا ہر شخص گوشت نہ کھائے گا اس وقت تک میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ آج کے بھی حرام خور ہیں کہ رعیت کا خون پی رہے ہیں۔ بہرحال حضرت عباسؓ نے آپ کو وفات کے ایک سال گذر جانے کے بعد

خواب میں دیکھا کہ آپکی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ پوچھا کہ اتنا لمبا عرصہ کے بعد خواب میں تشریف کیوں لائے فرمایا آنا تو فراغت پر ہوتا ہے اور میں حساب سے اب فارغ ہوا ہوں۔

تو قبر میں بھی کچی پیشی تو ہوگی پکی تو آگے ہوگی۔ اسی لیے فرمایا حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ کہ مرنے سے پہلے اپنا حساب کرلو۔

تو محبت کے تین درجات ہوئے۔

(۱) ایک میں مومن، (۲) اور دوسری میں علامت کفر،

(۳) تیسری میں اقبح محبت ہے کہ اس کا نام لینا بھی مشکل ہے۔

حدیث شریف بھی ہے۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده و والده ۔ کہ جب تک اولاد اور والدین سے میری محبت بڑھ نہ جائے تو وہ مومن نہیں۔ تو جس طرح اللہ سے محبت ہے اسی طرح اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بھی محبت ہو۔ حدیث: المرء علی دین خلیله۔ آدمی اپنے دوست واحباب کے دین پر مرتا ہے۔ فلینظر احدکم من یخاله ۔تم میں سے ہر ایک دیکھ لے کہ کون اس کے دوست ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوگا کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محبوب سے بھی محبت ہو۔ وہ کون؟ جو اللہ والا ہوگا اس سے محبت ہونی چاہیے۔ کیونکہ محبوب المحبوب محبوب۔ یہ قاعدہ اس پر صحیح آتا ہے۔ مبغوض المحبوب مبغوض ۔ محبوب کی ناپسندیدہ چیز کو برا جانو۔ اخلاقی زندگی ہو۔ بلکہ کفار کے لیے احسان کی بھی بندش نہیں مگر دل کا پیالہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ محبوب المبغوض مبغوض۔ مثلاً انگریز اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے تو جو انگریزوں کے محبوب ہو گے وہ اللہ کے ناپسند ہو گئے۔ تو ہمیں بھی ان سے ناپسندی کرنی چاہیے۔ تو تم دوستی رکھنے سے پہلے یہ انتخاب کر لیا کرو کہ یہ آدمی اللہ تعالیٰ کا دوست ہے یا دشمن۔ کیونکہ محبت کے مقناطیس کا یہ اثر ہے کہ ایک بار جس سے محبت کر لی تو پھر ایسا ہو گا کہ رفتہ رفتہ اس کے دین میں ڈھلتا جائے گا۔ اس لیے فرمایا المرء علی دین خلیله ۔ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے محبت کا جادو اپنی تاثیر میں اٹل عمل ہے۔ من احب للّٰه و البغض للّٰه و من اعطی للّٰه و منع للّٰه فقد استکمل الایمان۔ کہ محبت اور بغض اللہ کی خاطر ہو وغیرہ تو ایمان مکمل ہے۔

اسلام سب سے پہلے محبت اور بغض کے جذبات پر زور دیتا ہے۔ کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوں۔ اگر نہ ہوئے تو ساری زندگی برباد۔ اکبر بادشاہ کو دیکھو کہ برما سے لیکر سمرقند و بخاریٰ تک سلطنت تھی یہ بادشاہ مغل سلاطین میں سب سے کم علم تھا۔ کیونکہ علم سے مراد علم دین ہے۔ اگر آکسفورڈ اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں مل جائیں اور علم دین نہ ہو تو وہ بے علم ہے۔

روم کل یورپ کا نام ہے۔ تو سورۃ روم میں ہے۔ ولکن اکثر الناس لایعلمون ۔ کہ یورپ کے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا کہ یہ یورپی تو آسمان پر چڑھیں گے۔ بم وغیرہ بنائیں گے۔ مگر جس وقت قرآن اترا تھا تو یورپ والے اس وقت قینچی بھی نہ بنا سکتے تھے۔ تو وہ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن اس زمانہ کے لیے تھا۔ آج کے ملحدین بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ قرآن اس زمانہ کے لیے تھا۔ تو ان سے

کہو خدا بھی اس زمانہ کا تھا اس زمانے کا خدا بھی اور بناؤ؟ لیکن خدا تعالیٰ کو تو علم تھا تو آنے والے زمانے کے لیے قرآن فرماتا ہے۔ یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ غفلون۔

ترجمہ: وہ لوگ ظاہری و دنیاوی زندگانی کا علم رکھتے ہیں اور وہی آخرت سے غافل ہیں۔

تو اس سے معلوم ہو گیا کہ دنیا کے تمام علوم جاننے کے باوجود بھی قرآن نے یورپ کے لوگوں کو لایعلمون۔ فرمایا۔ کہ جاہل ہیں۔ قرآن کی آیت ہے کہ تھوڑے فائدے والی چیز کے مقابلے میں زیادہ فائدے والی چیز کا خیال رکھا جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ دین کے سلسلہ میں کوتاہی اور غفلت برتتے ہیں۔ وھم فی الآخرۃ من الخسرین ۔ کہ وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی سے دنیا و آخرت دونوں میں نقصان ہوتا ہے مگر اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کا فائدہ و نقصان آخرت کے فائدہ و نقصان کے مقابلے میں بہت معلولی ہے۔ اس لیے دنیوی نقصان اُخروی نقصان کے مقابلے میں ذکر کے قابل نہیں۔ والآخرۃ خیر و ابقیٰ۔ آخرت بھلی ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

مثال ایک آدمی نے ایک دو آنے کا رومال لیکر اس میں دس ہزار روپے باندھ دیئے تو وہ رومال راستے میں گر کر گم ہو گیا تو مغموم گھر لوٹا کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں مغموم ہیں۔ کہا کہ میاں دس ہزار روپے گم ہو گئے ہیں۔ رومال کا نام تک نہیں لینا۔ حالانکہ اس پر بھی تو ایک دو آنے لگے ہیں مگر اس کا نام ہی نہیں۔ اور کبھی اطلاع

دینے کے لیے دنیا کا نام بھی بتلا دیتے ہیں۔

یقبل وھو فی الاخرۃ من الخسرین۔

ترجمہ: جو اسلام کے سوا مذہب اختیار کرے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ۔ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ یہاں صرف آخرت کا ذکر ہے یہ ایسا جیسے رومال کا تذکرہ نہ آیا۔

تو اکبر بادشاہ بے علم تھا۔ پہلے زمانے کے بادشاہوں کے گھروں میں بھی علم ہوتا تھا لیکن اب تو لوگوں کی اکثر تعداد انگریزی تہذیب میں رنگی ہوئی ہے۔ بس اکبر ایک علمی گھرانے کا فرد تھا خود کوئی عالم نہ تھا صرف علمی گھرانے کی وجہ سے جو اثر تھا وہ باقی تھا۔ اس وقت حضرت شیخ عبدالنبیؒ اپنی مسند پر درس حدیث دیا کرتے تھے۔ علامہ عبدالقادر بدایونیؒ جو اکبر کے دربار میں رہنے والا ہے وہ منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ اکبر بادشاہ حضرت شیخ عبدالنبیؒ کے گھر حدیث پڑھنے کے لیے پیدل جاتے تھے اور گھر بھی کافی فاصلے پر تھا۔ یہ وہ علمی گھرانے کا اثر تھا۔ اور لکھتے ہیں کہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ شیخ اپنی جگہ سے اٹھتے تو جوتا بادشاہ جوڑتے تھے۔ اور تقریباً شیر شاہ سوری کا بھی یہی حال تھا۔ ان کے استاد (ملا ئبد) تھے یہ بھی اپنے جماعتیوں کو کہتے تھے کہ استاد صاحب کا جوتا میں اٹھاؤں گا تم نہ اٹھانا۔ جوتے اٹھانے میں کیا ہے؟ لیکن یہ محبت کا آئینہ ہے۔ مگر اب تو یہ سکھایا جاتا ہے کہ علماء کو گالی دو اور ان سے بغض رکھو۔

شیخ عبدالنبیؒ بھی بہت خود دار تھے کہ بادشاہ کے گھر پڑھانے کے لیے نہ آئے۔ لکھتے ہیں کہ اگر استاد گھر پڑھانے کے لیے آئے تو اس علم سے کوئی فائدہ نہ

ہوگا۔ شہزادہ امین، شہزادہ مامون اور شہزادہ مؤتمن یہ ہارون الرشید کے فرزند تھے۔ حضرت امام مالکؒ کو لکھا کہ بغداد دارالسلطنت میں تشریف لاکر ان شہزادوں اور دوسرے لوگوں کو پڑھائیں۔ تو وہ تو غیور علماء تھے نہ آئے اور جواب دیا ھذا العلم خرج منکم ۔ کہ دین کا علم تمہارے گھرانے سے نکلا ہے۔ نان اضللتموہ ۔ اگر تم نے اسے ضائع کر دیا تو کون حفاظت کرے گا۔ والعلم یزارو لا یزور ۔ کہ علم کے پاس آتے ہیں علم چل کر نہیں آتا فقط والسلام۔

تو اکبر کے دو پہلو ہیں ایک صلاح اور دوم الحاد تو جس زمانہ میں علماء سے تعلق تھا تو اصلاح تھی تو دوسرا گروہ ملحدین کا تھا فیضی اور ابوالفضل ان کی صحبتوں نے اکبر کو بتدریج الحاد کی آخری سرحد پر کھڑا کر دیا۔ تو میں یہ بتلاتا ہوں کہ محبت کا قاعدہ درست ہے کہ جس سے محبت ہوگی اسی ٹیں سے کھڑا ہوگا۔ تو ایک محضر نامہ تیار کروایا کہ فقہی اختلافات میں شہنشاہ جس رائے کو ترجیح دے اسے سب سے ترجیح دی جائے گی۔ آج جس طرح پرویز کا مسئلہ چل رہا ہے کہ اطیعو اللہ والرسول واولی الامر منکم۔ کہ حکومت کی تابعداری کرو۔

تو ابوالفضل تو قتل کئے گئے اور فیضی کو بھی سزا دی گئی۔ یہ تھی ملحدانہ فعل کی سزا۔ توان ملحدین نے اکبر کو کہا کہ دین الٰہی نیا دین قائم کرو جب یہ نیا دین تیار ہوگیا تو فیضی نے مدحیہ پڑھا اس کا پہلا شعر یہ تھا

مسرت بریں کہ خیرالبشر پیدا شد
یک نبی را ند دیگر پیدا شد

کہ ایک نبی تھے اب دوسرے پیدا ہوئے (اکبر)

تو اکبر نے نئے دین میں السلام علیکم کو محذوف کیا۔ ختم کیا۔ اس کی جگہ اللہ اکبر کہا۔ عبدالقادر بدایونیؒ درباری تھے کہتے ہیں گائے کا کاٹنا۔ ختنہ کرنا۔ مصطفیٰ اور محمد وغیرہ کا نام لینا اور رکھنا یہ سب نئے دین میں منع تھے۔ اکبر سورج کی پوجا کیا کرتا تھا اور پرستش کے لیے آگ بھی جلائی گئی۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آج اکبر ہے یا اس کا دین ہے؟ کہا کہ نہیں وجہ یہ کہ وہ مسلمان غیرت مند تھے کہ اکبر کے مرنے کے بعد اس کا دین مٹا دیا۔ مگر آج کے انگریز کا کھڑا کیا ہوا قادیانی دین نہیں مٹا۔ یہ ہماری بے غیرتی ہے کہ اس دین کو نہیں مٹایا۔

اکبر کا بیٹا جہانگیر کچھ دیندار اور کچھ بے دین تھا اس کا بیٹا شاہجہاں بھی اسی طرح تھا۔

بتلانا یہ تھا کہ بادشاہ کا ایک وقت ایسا تھا کہ شیخ عبدالنبی کے جوتے جوڑتے تھے مگر بعد میں بُری صحبت کی وجہ سے ملحدانہ خیالات پیدا ہو گئے۔

ابوالفضل بیمار ہوا تو اکبر اسکی طبع پرسی کو آئے تو اس کے لبوں کو دیکھا تو کوئلے کی طرح سیاہ ہیں اکبر نے پوچھا اے ابوالفضل یہ سیاہی کیوں آئی۔ کہا تے کی ہے شاید اس کی وجہ ہے۔ حالانکہ وہ لعنت من اللہ تھی۔

درس نمبر ۱۷

اتوار، ۱۶۔ اپریل ۱۹۶۷ء

محبت و نفرت کے مراتب ہیں

یاایھا الناس اعبدوا.................. اندادا و انتم تعلمون۔

توحید فی العبادت کے سلسلہ میں محبت کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی رہنمائی فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو لیکن ساتھ ساتھ ان چیزوں کا ذکر کیا جو انسان کو عبادت پر آمادہ کریں اور ساتھ ساتھ کچھ احسانات ذکر کئے کہ میں نے تمہیں اور تمہارے باپ دادا اور زمین و آسمان کو پیدا کیا تو جب سب کچھ میں نے پیدا کیا تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور مجھ سے یعنی میرے بغیر تمہارا کوئی محبوب اور نفع و نقصان کا کوئی مالک نہ ہو تو پھر تم بندگی کا حق مکمل کرو گے ورنہ نہیں۔ میں نے کہا کہ اس سے چند چیزیں نکلتی ہیں کہ اپنا نفس/ باپ/ دادا۔ زمین و آسمان اور ستارے سب ہمارے محبوب ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں تو مرکز محبت بھی اللہ رب العلمین ہوں اس میں اپنا فائدہ ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا۔ مثلاً اکبر کتنا بڑا بادشاہ تھا اس نے ہندوؤں اور بے دینوں کو اپنے دربار میں شامل کیا تو عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں کہ نو سو سال میں مسلمانوں نے خون کی ندیاں بہا کر اسلام کو زندہ کیا تھا اس اسلام کو اکبر کی چند لمحوں کی درباری محفل نے ختم کر دیا۔

کیونکہ پہلی صدی میں محمد بن قاسمؒ نے اسلام پھیلایا تھا تقریباً اس سے ۹ن سو سال بعد اکبر نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے دین کی امداد کی ایک درویش بے نوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو پیدا کیا۔ ہزار اولیاء ہوئے لیکن اگر امام ربانی نہ ہوتے تو آپ کو ایک مسلمان نظر نہ آتا۔ آپ خیال کریں کہ شاہی حکم سے ختنہ کرنا۔ محمد، مصطفیٰ وغیرہ کا نام رکھنا ممنوع اور بادشاہ کو سجدہ کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد جہانگیر نے بھی شروع میں ایسا ہی کیا۔ یہ بگاڑ لالچی ملاؤں اور ہندوؤں نے کیا تھا۔ یہ فیضی مرضِ موت کے وقت کتے کی طرح بھونکتا تھا۔ خبردار! خوشامدی مولوی سے بچو۔ اور وہ یہ کہ جو مسئلہ پیٹ کی خاطر بتلائے اسے صحیح نہ سمجھو اور ایسے مولوی کی کوئی امداد نہ کرو۔

تو جہانگیر کو کہا گیا کہ سرہند میں ایک مولوی صاحب ہے جو امام ربانی کے نام سے مشہور ہے وہ آپ کو سجدہ نہیں کرے گا تو جہانگیر نے حکم بھیجا کہ آپ میرے درباز میں تشریف لاویں۔ دیکھو ہمیشہ برے مولوی یا برے پیر یا بادشاہ دین کے بگاڑنے والے ہیں۔ تو جہانگیر ایک تخت پر بیٹھا تھا دروازہ کی بجائے ایک چھوٹا سا دریچہ رکھا ہوا تھا تاکہ آدمی خود بخود سر جھکا کر آئے اس سے کچھ نہ کچھ تو سجدہ کی صورت ادا ہو جائے گی حضرت امام ربانیؒ کو یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ آپ کو ایک دریچہ سے سر جھکا کر دربار میں داخل ہونا ہوگا۔ آپ اپنے چند معتقدین کے ساتھ تشریف لے گئے آپ کے منور قلب نے جانچ لیا تو پہلے ٹانگیں داخل کیں اور بعد میں سر داخل کیا جہانگیر کو تصدیق ہوگئی۔ آنکھیں لال ہوگئیں اور نہایت غصہ میں کہا کہ آپ نے شاہی حکم کی عدولی کیوں کی؟ کہا اس لیے کہ بادشاہ کے بادشاہ نے کہا ہے کہ یہ حکم نہ مانو۔ پھر کہا کہ آپ زمین بوس کیوں نہیں ہوئے یعنی سجدہ کیوں نہیں کیا۔ فرمایا سر جس نے بنایا ہے

سجدہ اسی کو کرونگا۔ بادشاہ خاموش ہو گیا۔ حکم دیا کہ گوالیار کی جیل میں انہیں قید کر دیا جائے۔

نور ہمیشہ نور رہا ہے۔ ایک ماہ گذر جانے پر جب جیل کے اعلیٰ آفیسر نے جیل کا معائنہ کیا تو اس نے دیکھا کہ جو مسلمان قیدی تھے وہ تو نمازی اور تہجد گزار بنے ہوئے ہیں اور جو ہندو تھے وہ سب مسلمان بن گئے ہیں جب یہ اطلاع جہانگیر کو پہنچی تو پھر رہائی کا حکم جاری کیا۔

پھر جہانگیر پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی حضرت کو عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس دو تین سال رہیں۔ حضرت امام ربانیؒ نقش بندی سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ حضرت مولانا عبید اللہؒ احرار اسی سلسلہ کے بہت بڑے پیر تھے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیری و مریدی والا طریقہ اختیار کروں تو کسی پیر کو مرید نہ ملے لیکن میرے ذمہ کوئی اور کام ہیں۔ تو حضرت امام ربانیؒ کو یہ بات یاد آ گئی تو وہیں بادشاہ کے پاس رہ گئے دو اڑھائی سال بعد جہانگیر کا دل پلٹ گیا الحاد سب کا سب نکل چکا۔ حضرت امام ربانیؒ فرماتے تھے کہ پہلے تو گائے ذبح کرنا منع تھا جب بادشاہ اور اس کے درباریوں نے گائے ذبح کی تو پھر میں وہاں سے چل پڑا۔ تو جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو جہانگیر نے فارسی میں ایک جملہ پڑھا۔ ے باید کہ روز قیامت مرا یاد آرید۔

... ہونل مرنا ہے مگر آجکل کے بادشاہ دین بگاڑنا نہیں چھوڑتے۔ تو جہانگیر نے یہ جملہ کہا کہ قیامت میں میرا خیال کرنا تو حضرت کوئی خوشامدی ملا تو نہ تھے ایک تو

ہر صدی میں ایک مجدد آتا ہے اور دوسرا ہزار سال کے بعد آتا ہے۔ آپ مجدد الف ثانی تھے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ اگر مرا حکم شود بغیر شمائے رویم۔ ہمیں بھی اپنا پتہ نہیں اگر اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ جنت میں جاؤ تو میں کہوں گا کہ میں تو جہانگیر کو ساتھ لے جاؤں گا۔ اس کے بعد شاہجہاں بھی اچھا ثابت ہوا اور اورنگ زیبؒ تو مجدد تھے۔

تو دو چیزیں ہیں (۱) محبوبات الٰہیہ (۲) مبغوضات الٰہیہ۔ یہی معاملہ الٹا شیطان کا ہے۔ تو ایک سلسلہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کا اور دوسرا اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں کا۔ اور اسی طرح ایک سلسلہ شیطان کی پسند کا ہے اور ایک سلسلہ شیطان کی ناپسند کا ہے۔ اور اسی طرح دونوں کے مبلغ اور مصنف ہیں جو آغازِ دنیا سے رہتی دنیا تک رہیں گے۔

سب سے زیادہ اللہ محبوب ہیں اور تمام انبیاءؑ خصوصاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی محبوب ہیں پھر ان کے ورثا یعنی علماء کرام بھی محبوب اور اسی طرح قرآن بھی محبوب ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ جہانگیر نے حضرت امام ربانیؒ کو لکھا کہ کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا قرآن پاک کی تلاوت دوسرے اعمال سے زیادہ ہو۔ (شفاعت قرآن چیزے برتر از شفاعت ملک و جمیع پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام است کہ تمام انبیاءؑ اور ملائکہ سے قرآن پاک کی سفارش و شفاعت زیادہ ہے۔ بس قرآن کی تلاوت میں لگ جاؤ۔ حضرت امام ربانی آگے لکھتے ہیں کہ (واحیاء یک سنت کردن بہتر از خرچ کروڑہا) کہ اے بادشاہ اگر ایک سنت جلا سکو جبکہ وہ مٹ گئی ہو تو کروڑ ہا روپے کی

خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ اور فرمایا (دیدم کہ دریاء سیاہ در ملک جاری است و در جائے ہا) کہ میں نے دیکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک سیاہ دریا بہہ رہا ہے لیکن اس کے کسی کسی حصہ میں کچھ جگنو کی روشنی چمک رہی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ روشنی پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے اور سیاہ رنگ کا دریا بدعت ہے اور سنت کم رہ گئی ہے۔ پھر آگے لاہور کے گورنر کو خط لکھتے ہیں کہ جب بدی اور برائی پھیل جائے عروج کو پہنچ جائے تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ تھوڑی نیکی کا بھی اجر بہت زیادہ دیتے ہیں۔

بہر حال محبت کے مراتب ہیں دیکھو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب نفس ہے اور جان ہے اور ان کے برابر بیٹا پیارا نہیں اور بیٹے کے برابر پوتا پیارا نہیں۔ تو محبت کا قول برابر نہیں یہ تو دینوی معاملہ ہوا۔ دینی معاملہ میں بھی مراتب مختلف ہیں۔

نمبر ا۔ محبوب اللہ تعالیٰ ہیں اس کے ساتھ اس کی کتاب قرآن پاک اس کے بعد دوم نمبر پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کے ساتھ ان کی سنت حدیث پاک محبوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس کو محبوب ہو تو اس کا کلام ضرور محبوب ہوگا۔ اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کی کلام یعنی (سنت)۔ پھر درجہ سوم میں حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کا عمل۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت حسینؓ شہید ہوئے اور آپؓ کے اہل خانہ کے ساتھ ظلم ہوا اور آپؓ کے قاتل بدترین لوگ ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ ولاتقولو لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات۔ حضرت امام حسینؓ سے

جو کچھ ہوا دنیاوی نقصان چاہے ہو یا نہ ہو لیکن آخرت کا بہت بڑا درجہ ہے کہ کنبہ سمیت شہادت نصیب ہوئی یہ شہادت کی عظیم نعمت جو حضرت امام حسینؓ کو ملی دوسرے کسی کو نہ ملی تو آخرت کا بہت بڑا مقام پایا۔ آدمی اگر سو بار چکی میں پس جائے تو یہ مرتبہ حاصل نہ ہو اس لیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا **سیدا شباب اھل الجنۃ**۔ کہ حضرات حسنینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ یہ اس وجہ سے نہ کہا تھا کہ میرے نواسے ہیں بلکہ اس لیے فرمایا کہ وہ ایسی عمدہ شہادت پائیں گے کہ اس کی وجہ سے یہ کامیابی حاصل ہوگی۔ تو آگے قرآن فرماتا ہے۔ **ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع**۔ کہ ہم تمہیں دنیا کے کارخانے میں کچھ آزمائش دیں گے۔ ڈر، بھوک، جان، مال اور پھل وغیرہ کی کمی بھی ہوگی تو تم کو کیا کرنا چاہیے کہ صبر کرکے اسے برداشت کریں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اگر کوئی حرکت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوہ کریں گے تو ہر مصیبت پر صبر کریں چاہے کہ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کی مصیبت ہی کیوں نہ ہو ہمیں تو صرف یہ تصور کرنا چاہیے کہ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ کہ ہم اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے جس طرح تصرف کرے کر سکتا ہے ہم راضی ہیں۔ **الیہ راجعون**۔ ہم نے وہاں پیشی دینی ہے اور حساب ہوگا۔ یہ ہے گویا وہ محبت صحابہ کرامؓ اور ان کے اعمال کی۔ جب یہ لوگ اور ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں تو ہمیں بھی محبوب ہونے چاہییں۔ **فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم**۔ جو ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے بغض

رکھتا ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کو بُرا جاننے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بُرا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لعنت سے محفوظ فرمائے۔ اے اللہ ہم صحابہ کرامؓ سے راضی وخوش ہیں۔

تو محبوبات اور مبغوضات کے سلسلہ میں بھی مراتب ہیں۔ مثلاً ایک آدمی کو بھڑ کاٹے اور دوسرے کو سانپ کاٹے تو یقینی بات ہے کہ دونوں مبغوض ہیں لیکن فرق ہے۔

اگر کسی کو اطلاع دی جائے کہ تمہارے کمرہ میں بھڑ ہے تو کم ڈر ہوگا اور اگر کہا جائے کہ سانپ ہے تو بہت زیادہ خوف ہوگا اسی طرح بچھو تو اس کا بھی کچھ کم ڈر ہوگا۔

تو مراتب (۱) اعلیٰ، (۲) اوسط، (۳) ادنیٰ۔ تین قسم کے ہوئے۔

تو ایک ہے شرک یہ سانپ کی طرح ہوا۔ نماز ہی صرف عبادت نہیں باقی چیزیں بھی عبادت ہیں۔ مثلاً کسی کی قسم کھانا وغیرہ یعنی اس درجہ کی تعظیمی کاروائی کرنا جو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے لیے مختص کر دی ہے۔

بہر حال مبغوضات میں نمبر ایک (شرک) ہے جو بمنزلہ سانپ کے ہے۔ اور نمبر دوم گناہ کبیرہ ہے جو بمنزلہ بچھو کے ہے۔ اور سوم گناہ صغیرہ۔ جو بمنزلہ بھڑ کے ہے۔ تو بچنا تینوں سے چاہیے مگر بڑے خطرے سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے سانپ سے بہت زیادہ بچنا چاہیے جو شرک ہے۔

درس نمبر ۱۸

۱۰ محرم الحرام، ۲۱۔اپریل ۱۹۶۷ء

یزید کا انتخاب اور

واقعہ کربلا

اس سے پہلے درس میں یاایھا الناس اعبدوا ۔کے سلسلہ میں یہ بیان تھا کہ قرآن یہ ہدایت دینا چاہتا ہے کہ مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت اور بغض رکھنا فرض ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو جو اشخاص اور اعمال پسند ہیں ہمیں بھی پسند ہونے چاہئیں اور ان سے محبت ہونی چاہیے۔اور جن سے اللہ تعالیٰ کو بغض ہو ہمیں بھی ان سے بغض ہونا چاہیے۔ بظاہر تو یہ ایک معمولی مسئلہ ہے مگر درحقیقت یہ بنیادی مسئلہ ہے۔اور بنیادی اصول ہے۔

حدیث شریف ہے کہ جس نے اللہ کے لیے محبت اور بغض رکھا تو اس کا ایمان کامل ہے اگر اس پر عمل ہوتا تو کربلا کا واقعہ نہ ہوتا۔لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ یوم عاشورا کی اہمیت و تقدس واقعہ کربلا کی وجہ سے ہے۔عملاً عاشوراء کی عظمت و تقدس پہلے تو چھوڑ دو ہجرت کے پہلے سال شروع ہوا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت تک رمضان کا روزہ فرض نہ تھا۔دوسرے سال فرض ہوا۔ یہود اور بنی اسرائیل محرم الحرام کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے تھے جب ان پوچھا

گیا کہ یہ کیوں؟ تو کہنے لگے کہ اس تاریخ کو فرعون غرق ہوا اور حضرت موسیٰ کو نجات ملی۔ تو پھر اس پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا و نحن احق بموسیٰ فصام وامر بصیامه۔ ہمارا حق زیادہ بنتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ جب دوسرے برس ہجری میں رمضان کا روزہ فرض ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اب محرم کے روزہ کی فرضیت ختم ہوئی اور رمضان کے روزے فرض ہوئے اور یہ واقعہ اس وقت ہوا جب کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت علیؓ کا نکاح بھی نہ ہوا تھا۔ اور آدمؑ جب جنت سے اتارے گئے تو عاشورا کا دن تھا۔

جب جنت و جہنم کا فیصلہ ہوگا یعنی قیامت کا دن بھی عاشوراء کو ہوگا۔ عجیب بات ہے کہ واقعہ کربلا بھی جمعہ کو ہوا اور آج بھی جمعہ ہے تو معلوم ہوگیا کہ اگر یہ واقعہ کربلا دس محرم کو پیش نہ آتا تو پھر بھی یہ دن اہمیت اور تقدس والا تھا۔

علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ عاشوراء کے بارے میں دو حدیثیں صحیح ہیں باقی غلط ہیں کہ ابوقتادہؓ انصاری راوی ہیں سئل عن رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم عن صوم عاشوراء وقال يكفر سنة الماضية۔ کہ عاشوراء کا روزہ ایک سال کے گناہ مٹانے والا ہے۔

دوسری حدیث من وسع علی عياله واهله فی يوم عاشورا۔ جو عاشورا کے دن اپنے اہل و عیال پر کھانے پینے میں وسعت کر دے تو وسع اللہ علیه

کل سنة۔تو اللہ تعالیٰ پورے برس تک اسے فراخ روزی دے گا۔

تو شارحین امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث تو بالکل صحیح ہے اور دوسری کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر ضعیف ہے مگر ضم البعض الی بعض یوجب تقوبة ۔لیکن چند کمزور مل کر مضبوط روایت بن جاتی ہے۔باقی یہ کہ ان دنوں سرمہ وغیرہ نہ لگانا یا دیگر رسومات سب غلط ہیں۔من احدث فی امرنا ھذ امالیس منه فھورد ۔وہ بات اور وہ شخص مردود ہے جو وہ بات دین میں بنائے جو دین میں نہ ہو۔ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی آگ میں لے جانے والی ہے۔

اس واقعہ میں چند اجزا قابل غور ہیں کہ یہ واقعہ کیوں ہوا اور کس نے کیا۔

آج اس واقعہ کو ۱۳۲۷ سال گذرے ہیں۔فی الحال تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ واقعہ کیوں ہوا اور کس نے کیا اور کس حکمت کے تحت۔دوسری چیز یہ کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

تو پہلی چیز یہ کہ یہ واقعہ کیوں ہوا۔فاروق اعظمؓ کا زمانہ اسلام کے لیے خیر محض کا ہے نقصان کا نام نہیں۔کوئی اختلاف نہیں۔یہی وجہ ہے کہ صاحب السر حضرت حذیفہؓ سے ایک بار فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ آپ صاحب راز ہیں کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آنے والے زمانے کے فتنوں کے متعلق کچھ فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں لیکن مالک فیہ بحث۔تمہیں کوئی بحث نہیں کرنی چاہیے کیونکہ تمہارے زمانے میں ان فتنوں کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔تو فاروق اعظمؓ نے فرمایا

یکسر ام یفتح ۔دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا۔بل یکسر ۔کہ توڑا جائے گا۔روای سے کسی نے پوچھا دروازے سے کیا مراد ہے کہا کہ خود فاروق اعظمؓ ہیں۔ توڑا کا مطلب یہ کہ کسی کے ہاتھ قتل ہونگے اور یفتح سے مراد ہے کہ اپنی موت پائیں گے؟ تو ابولولو نے آپ کو قتل کیا شہید ہونے کے بعد فتنوں کا دروازہ کھولا گیا۔حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ سب شہید ہوئے یہ ہے فتنوں کے دروازے کا کھل جانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں یزید کے لیے بیعت لی۔لیکن یہ بیعت اس وقت دوبارہ اس کی تجدید ہوئی جبکہ آپؓ وفات پا گئے۔مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے جب اپنے بعد کے لیے یزید کے حق میں بیعت لی تو فرمایا اگر تم حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی طرز پر مسلمانوں کو چلا سکتے ہو تو خلیفہ رہو گے ورنہ نہیں۔حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ یہ نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں۔حضرت امیر معاویہؓ کے والد کا نام ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت علیؓ کا ایک ہی نسب نامہ ہے۔ یہ بھی عبدمناف میں سے ہیں۔اسی طرح حضرت حسینؓ کا سلسلہ بھی عبدمناف تک جاتا ہے۔لیکن قدرتی بات یہ تھی کہ تمام عرب میں قریش کی عظمت مسلم تھی اور یہ سب قریش ہیں۔قریش قصی کی اولاد ہیں ان کے چار فرزند تھے۔

(۱) عبدمناف، (۲) عبدالعزی، (۳) عبدشمس (۴) اگرچہ ایک ہی دادا کی اولاد ہیں لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شاخ ہاشمی کہلائی

اور حضرت ابو معاویہؓ کی شاخ امیہ کہلائی۔ تو یہاں عبد مناف کی دو شاخیں ہوگئیں۔ ایک ہاشمی اور دوسری امیہ۔ گویا یہ طاقت دو میں بٹ گئی۔ (تقسیم ہوگئی) تو شرافت اور عظمت یہ ہاشمی خاندان میں زیادہ تھی۔ اور قوتِ بازو دور دراز رشتہ داری یہ بنو امیہ میں زیادہ تھی تو گویا قبائلی قوت بنو امیہ کے پاس تھی جو حکومت چلانے کے لیے ضروری ہے۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے چاہا کہ عرب میں اتحاد و اتفاق ہو اور اختلاف وغیرہ نہ ہو تاکہ ہماری ترقی پر حرف نہ آئے۔ تو خدا تعالیٰ کی قسم فرما کر کہا کہ میں نے یزید کا انتخاب بیٹے ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ اس لیے کہ اگر اس کا انتخاب نہ کیا تو فتنے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ پورے عرب میں بنو امیہ کا خاندان پھیلا ہوا تھا اور اس خاندان کا پورے عرب پر بہت اثر تھا۔ تو جب یزید کو دمشق کی سلطنت کا خلیفہ بنا دیا گیا تو اس کی حالت بگڑ گئی وہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کرتا تھا مگر شراب پیتا تھا۔ اس وقت اسلام اتنا عروج پر تھا کہ بادشاہ کی معمولی سی غلطی پر بھی مسلمان الجھ پڑتے تھے مگر آج تو بادشاہ کافر بھی ہو جائے تو مسلمان کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اسلام کے اس زریں دور میں تو عوام ایک دو غلطیوں پر بھی معاف نہ کرتی تھی۔

مسلم بن عقبہ مدینہ منورہ کا گورنر تھا مروان بن عقبہ کو بھیجا کہ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ، حضرت امام حسینؓ سے بیعت لے۔ تو دو حضرات نے تو بیعت لی اور دو حضرات عبداللہؓ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ نے کچھ مہلت لی اور مروان کی مخالفت کے باوجود بھی ان کو مہلت دیدی۔ تو مدینہ پر ان دونوں کا قبضہ ہوگیا۔ تو اس کے بعد یزید سے معاملہ کرنا تھا۔ تو حمایت میں

کوفہ سے آئے ہوئے خطوں کے انبار لگ گئے۔تقریباً ۱۲ ہزار خطوط تھے۔لکھا گیا کہ پورا ملک آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہے۔تو اگر ایک حکمران بگڑے جائے اور آسانی سے حکومت مل جائے تو درست ورنہ اسلام مسلمانوں کی خونریزی نہیں چاہتا۔تو یہ اصول حضرت امام حسینؓ کے سامنے رہا۔جب آپؓ نے دیکھا کہ پورا ملک میرے ساتھ ہے تو ایسے بدعمل حکمران کو خلافت سے ہٹایا جائے جو اسلام پر پورا نہیں چلتا اور دوسرے کسی درست اور نیک عمل والے شخص کو حکمران مقرر کیا جائے۔اور یقیناً یہ مذکور چار ہستیاں یزید سے بہتر ہیں۔تو اس صورت کو آپؓ دیکھ کر روانہ ہو پڑے۔

ابوالمورخین ابن جریرؒ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ اور حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے زریں مشورے دیئے کہا کہ آپؓ ان خطوط کے اعتبار پر جا رہے ہیں۔کیا یہ لوگ آپؓ کے ابا کے دشمن نہیں۔الکوفی لا یوفی۔حضرت علیؓ ان سے چار سال جنگ لڑتے رہے۔حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے کہا کہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ خلافت اور نبوت ایک خاندان میں جمع نہ ہو۔کہ ہاشمی کو تو نبوت دی حکومت نہ ہوگی شاید کسی خاندان میں ہو۔دوسرا مشورہ یہ دیا کہ میدان کربلا میں بچوں وغیرہ کو ہمراہ نہ لے جاؤ۔تو آپؓ کو یہ بات جب میدان کربلا میں یاد آئی تو چیخ اٹھے فرمایا صدق ابن عباسؓ۔ابن عباسؓ نے سچ کہا تھا کہ اب جنگ لڑوں گا یا ان کا خیال رکھوں گا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کیوں ہوا تھا۔وجہ یہ ہے کہ یزید خلاف شرع حکومت کرتا تھا اور امام حسینؓ چاہتے تھے کہ کوئی نیک شخص امیرالمومنین ہو نہ اس لیے کہ میں بادشاہ بن جاؤں۔

آج تو ایک سال کے لیے حکمرانی مل جائے ۸۰ پشتوں کے لیے روٹی جمع کرلیتا ہے۔اس وقت کی حکمرانی تو مصیبتوں کا طوق گلے میں ڈالنا ہوتا تھا۔رعایا عمدہ کھانے کھاتی تھی اور اقتدار اعلیٰ کے گھر نان جویں سے بھی پیٹ نہ بھرتا۔رعایا عمدہ طریقہ سے بسر اوقات کرتی تھی مگر اقتدار اعلیٰ کے گھر کئی کئی مہینہ آگ و چراغ نہ جلتا تھا۔بادشاہ یا امیر المومنین کو بیت المال سے دو جوڑے سالانہ ملیں گے۔غریب سے غریب جو کھاتا ہے وہی بادشاہ کو ملے گا۔اور غریب کی طرح جھونپڑا ہوگا۔اور مرے گا تو دو آنہ کی جائیداد نہ چھوڑے گا اور ساری عمر کفار سے جنگ لڑنا ہوگی اور داخلی انتظام کرنا ہوگا اس وقت کی حکومت کا عہدہ کانٹوں کا بستر تھا آج تو تخت طاؤس ہے۔

حضرت امام حسینؓ کو قطعاً حکومت کی ضرورت نہ تھی صرف یہی بات تھی کہ حق زندہ رہ جائے چاہے کہ جان بھی چلی جائے۔بس یہی مقصد ہے۔اور شرعی حیثیت سے بناء بر خطوط درست تھا کہ ۹۰ فیصدی طاقت میرے ساتھ ہے اور دس فیصد یزید کے ساتھ ہے۔تو میری کامیابی یقیناً ہے۔حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کی نصیحت کے باوجود اولاد کو ساتھ لے گئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میدان صاف ہے اور کوئی فوج وغیرہ نہ لے گئے۔یہ کہنا کہ آپ حکومت کی وجہ سے گئے تھے نہیں یہ غلط ہے بلکہ آپؓ حق کو زندہ کرنا چاہتے تھے۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گذیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خاصیت آں سر جلاء خیر الامم — چوں صحاب ابر باراں در قدم
برزمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرا نہا کارید درفت

شخصی طور پر تو آپ کو شہادت نصیب ہوئی لیکن اصولی طور پر آپؓ کامیاب ہوئے کہ یزید کو صرف دو سال قدرت نے خلافت دی۔ اس کے بعد یزید کے بیٹے نے خلافت لینے سے انکار کیا کہا کہ ہماری وجہ سے اس خاندان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے میں ان سے خلافت نہیں لیتا بلکہ ان کے حوالے کرتا ہوں تو اسے زہر دیکر شہید کر ڈالا۔ اس معاویہ بن یزید جیسا تارک الدنیا کوئی شخص نہیں گذرا۔

تاقیامت قطع استبداد کرد　　موج خون او چمن ایجاد کرد
گرچہ ہر مرگ است برمومن　　مرگ نورے مصطفے چیزے دگر
بحر حق درخاک و خوں غلطیدہ است　　پس بناء لاالہ گردیدہ است

قیامت تک کے لیے ہٹ دھرمی کو ختم کر دیا۔ اس کے خون کی موج نے ایک نیا گلشن تیار کر دیا۔ مگر نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی موت ایک اور چیز ہے۔
حق کے لیے خاک و خوں میں تڑپے اور یوں لا الہ کی بنیاد بن کر رہ گئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ واقعہ کس نے کیا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سنیوں نے کیا اور ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے کیا۔ میں واقعہ آپ کے پیش نظر رکھتا ہوں خود کرلو۔
(شیعہ) کا معنی تابعداری۔

تو حضرت امام حسینؓ کو بلانے والے کوفہ والے شیعہ تھے یعنی حضرت علیؓ کے تابعدار تھے تو صورت حال سے یہ معلوم ہوا کہ اگر وہ کوفہ والے اپنے خطوط پر بکے رہتے تو واقعہ کربلا نہ ہوتا۔

تو آپؓ کے خاندان کے ۷۰ آدمی اور امام طبری کے مطابق سو پیادہ بھی لیکن یہ مکہ شریف سے گئے ہیں ان خطوط والوں کی طرف سے کوئی بھی ساتھ نہ ہوا یعنی عراق والوں میں سے۔ دوسرا یہ کہ شمر بن ذوالجوشن جو پہلا آپ پر تلوار چلانے والا تھا وہ اولاد رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تلوار چلانے سے گھبراتا تھا تو عراق کا گورنر عبیداللہ بن زیاد تھا اور کمانڈنگ افسر عمرو بن سعد تھا ان کا حضرت علیؓ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے رشتہ تھا اب حب اللہ و بغض والا مسئلہ آتا ہے تو عمرو ابن سعدؓ کے لیے یزید نے رے کے علاقے کی گورنری کا آرڈر دیا جو عبیداللہ بن زیادہ کے پاس موجود تھا۔ تو کربلا کے مقام پر عمرو بن سعد اور حضرت حسینؓ کی گفتگو ہوئی تو آپؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے لکھا کچھ تھا اور کر کچھ اور رہے ہو۔ عمرو بن سعدؓ کی خواہش تھی کہ کوئی مفاہمت ہو جائے اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا خون ہمارے ہاتھ سے ہو۔ تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو واپس چلا جاؤں گا یا میں باہر کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں یا پھر مجھے یزید سے ملنے دو تو عمرو بن سعدؓ نے کہا کہ یہ تینوں باتیں درست ہیں تو انہوں نے یہ باتیں خط میں لکھ کر عبیداللہ بن زیادہ کو بھجوا دیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کچھ نرمی کر رہے ہیں اگر نرمی کی تو ایران کی گورنری نہ دونگا۔ تو اس پر عمرو بن سعدؓ نے کہا کہ مجھے کچھ مہلت دی جائے تو مہلت کے بعد سوچا کہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو آخری فیصلہ دیا کہ میں اس گورنری کے لیے اپنی عاقبت خراب کرنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا خون ہمارے ہاتھ سے ہو جائے۔ تو اس پر عبیداللہ بن زیادہ نے شمر کو بھیجا کہ اسے کہو کہ اگر تم جان توڑ کر لڑو تو

درست وگرنہ باگ دوڑ شمر کو دیدو۔ تو شمر نے اعلان کیا کہ میرے چار بھانجے حضرت حسینؓ کی فوج میں ہیں اور علمبردار ہیں۔ عثمان، محمد، عبداللہ، عباس علمبردار یہ چاروں حضرت حسینؓ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان چاروں کی امان مانگی۔ ان چاروں کو امان دے دی گئی۔ جب شمر نے لکھ کر ان کے پاس بھیجا کہ تم میری امان میں آ جاؤ تو انہوں نے جواباً لکھا کہ تمہاری امان پر لعنت ہو ہمارا خون حضرت حسینؓ کے خون کے ساتھ رہے گا اس کو علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ سب سے پہلا وار کرنے والا شمر یہ حضرت علیؓ کا سالا تھا۔ کیا یہ حضرت علیؓ کا تابعدار نہ ہوگا۔ تابعدار کو (شیعہ) کہتے ہیں اور کوفہ والے خط لکھتے رہے کہ وہ تابعدار نہ تھے؟ غرضیکہ جس طرف سے دیکھو تو خود یہ شیعہ حضرات بلانے والے اور مارنے والے بنتے ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اس جماعت نے محسوس کیا کہ ہم سے قصور ہوا تو ان سے غم کی وجہ سے ایک جماعت توابین کی پیدا ہوگئی۔ وہ اللہ سے معافی مانگنے لگے۔ حضرت امام حسینؓ نے سب سے پہلے مسلم بن عقیل کو بھیجا کہ ان لوگوں سے بیعت لو اور پورے علاقہ نے ان سے بیعت کی اور عبیداللہ بن زیاد کے شاہی محل کا محاصرہ کرلیا گیا جب اس نے دیکھا کہ پورا عراق حضرت امام حسینؓ کے ساتھ ہے وہ انتہائی سیاستدان تھا تو اس نے یہ سوچ کر ایک تقریر کی کہ شاید کوئی انقلاب آ جائے۔ تو وہ قلعہ کے اوپر چڑھ آیا دیکھا کہ میرے خلاف لوگوں کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے تو اس نے کہا جب شام کی فوج آئی تو تمہارا کیا حال ہوگا اگر ہٹ جاؤ تو تمہیں بڑی بڑی سلطنتیں دی جائیں گی تو دیکھتے ہی دیکھتے حضرت مسلم بن عقیل اکیلے رہ گئے اور جس دن حضرت امام حسینؓ میدان کربلا میں پہنچے

اسی دن مسلم بن عقیل شہید کردیئے گئے۔

تو اللہ تعالیٰ جب کام لینے پر آتا ہے تو اپنے دشمنوں سے لیتا ہے تو مختار بن ابی عبید ثقفی یہ خود واجب القتل تھا کیونکہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آواز قاتلان حسینؓ سے بدلہ لینے کی اٹھائی تھی۔ حجاج بن یوسف ثقفی بھی پھر اسی قبیلہ میں سے ہوئے۔ تو مختار ثقفی نے شمر اور عمر بن سنان کو پکڑوایا اور مختلف جگہوں سے کاٹ کاٹ کر تڑپا تڑپا کر مارا۔ پھر عمرو بن سعدؓ کو پکڑوایا اس کے بھی ایک ایک عضو کو کاٹا گیا پھر ان کے بیٹے کو پھر آخر میں عبیداللہ بن زیاد کو کاٹا پھر اس کا سرتن سے جدا کر کے وہاں رکھوایا جہاں حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک دفن تھا۔ مطلب یہ کہ چار سال کے اندر اللہ تعالیٰ نے دشمنان حسینؓ سے سخت ترین انتقام لیا۔ تو باقی رہا کہ ان کو شہید کس نے کیا۔ اہل بیت میں سے حضرت بی بی زینبؓ کا بیان ہے رجالکم یقتلوننا ونساؤکم یبکیتیننا ۔کہ تمہارے مرد ہمیں قتل کرتے ہیں اور عورتیں تمہاری ہمیں روتی ہیں۔ آخر ان سے سلطنت بھی نکل کر بنی مروان کے اندر چلی گئی۔ باقی پیٹنا وغیرہ یہ تو بالکل غلط ہے اس کے متعلق بعد میں بیان کرونگا۔

تو معلوم ہو گیا کہ حضرت امام حسینؓ نے حق کیا اور ان کا بدلہ ہوا۔ میں نے تو آپ کے مشہور چند بڑے دشمنوں کے قتل کے واقعات سنائے ہیں باقی جو عوام الناس تھے ان کا تو بہت خون ہوا کہ جن کا شمار ہی نہیں ہے۔

درس نمبر ۱۹

۲۳۔اپریل ۱۹۶۷ء

حکمتِ شہادت حسینؓ

اللہ تعالیٰ چند چیزیں سمجھاتے ہیں ان میں (۱) یہ کہ محبت و بغض پر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قبضہ ہو۔ اس کے تحت واقعہ کربلا کا ذکر ہوا۔ واقعہ کربلا کے متعلق چار اجزاء تجویز کیے تھے۔

(۱) یہ کہ واقعہ کربلا کیوں۔ یعنی سبب شہادت۔

(۲) کس نے کیا۔ کہ اس کا مجرم کون ہے۔ ان پر تو پہلے درسوں میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳) ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

(۴) حکمت۔ کہ اس واقعہ میں حکمت کیا ہے۔ تو سمجھ لو کہ یہ صرف شہادت حسینؓ کا معاملہ نہیں بلکہ زندگی کے تمام حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ کہ جی چاہا یا خدا چاہا کرنا چاہیے؟

یہ دو چیزیں اسلامی معاشرہ و اتحاد کی بنیاد ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ کہ تابعداری کے قابل نہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ یا تو انسان اس کلمہ کا منکر ہو جائے تو اس سے بات نہیں۔ اور جب کوئی اسے پڑھے تو پھر ہمارا نفس بھی اللہ کے تابع ہو کہ اللہ چاہا

کریں گے اور جی چاہا نہ کریں گے۔

حافظ ابن قیمؒ کے زمانہ میں معطلہ اور جہمیہ دو باطل فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ اس میں تو آپ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزوۃ المعطلۃ الجہیہ تو ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قیامت ایک بازار ہے اور اتنا بڑا کہ کبھی اس کے برابر کوئی بازار قائم نہ ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہاں کل اولادِ آدم موجود ہوگی جو کچھ ہوگا سب کے سامنے ہوگا۔ اس بازار میں خرید و خروخت صرف اعمال پر ہوگی پھر فرماتے ہیں کہ یہ اعمال بمنزلہ نوٹ کے ہونگے۔ آخرت میں نوٹ پیش کر کے جنت خریدیں گے۔ نوٹ وہی چلتا ہے جس پر حکومت کے دستخط ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ اعمال کے نوٹ پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دستخط ہیں یا نہیں؟ بعض تو نوٹوں پر بڑے افسروں کے دستخط ہوتے ہیں اور بعض پر چھوٹے افسروں کے تو یہ خدا تعالیٰ دیکھے گا کہ کیا نمائندگان رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم یعنی صحابہ کرامؓ کے دستخط ہیں کہ نہیں مطلب یہ کہ ہمارا عمل صحابہ کرامؓ کے مطابق ہے کہ نہیں؟ اگر دستخط ہیں تو وہ قابل قبول نوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت دے دیگا اور اگر ان کے دستخط نہ ہوں تو منہ پر مارا جائے گا کہا جائے گا جاؤ بازار آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

اگر جعلی نوٹ ہو تو حکومت گرفتار کر لیتی ہے۔ یہی معاملہ بدعت اور سنت کے خلاف عمل پر ہوگا کہ اسے جعلی نوٹ سمجھ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ آجکل مسلمانوں کی حالت ایسی بدل چکی ہے کہ مسلمانوں کے رہنماؤں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علاوہ نئے نئے دین بتلائے ہیں کہ ان پر چلو تو

جنت ملے گی یعنی بدعت کو اسلام کا نام دیکر امت کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔

تو ہم نے ہر معاملہ میں یہ دیکھنا ہے کہ بازار آخرت میں اصلی نوٹ لے جائیں اور نقلی نوٹ نہ ہو یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ ہمارا دین کوئی کھیل تو نہیں؟ ان الدین عند اللہ الاسلام ۔یہ دین اللہ کا ہے جب اللہ کا ہوگا تو جنت دے گا اگر کسی نے من گھڑت بنایا ہوگا تو پھر اللہ عوض یعنی بدلہ کیسے دے۔تو بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ الحمدللہ ہمارے پاس جو دین ہے یہ یقینی اللہ کا دین ہے۔یہ تین سلسلے رکھتا ہے۔اللہ سے یہ دین جبرائیل نے لیا اور اکیلا نہیں لایا بلکہ قرآن میں ذکر ہے کہ سینکڑوں فرشتے عظمت اور تقدس دین کے لیے جبرائیلؑ کے ساتھ آتے تھے۔ ارشاد فرمایا

لایظهر علی غیبه احداً الا من ارتضی من رسول فانه یسلک من بین یدیه ومن خلفه رصداً لیعلم ان قدابلغو ارسلت ربهم۔

اللہ دین کی پوشیدہ باتیں نہیں بتلاتا مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس دین کی بات لائی جاتی ہے تو سیکڑوں فرشتے ساتھ ہوتے ہیں تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو یقین ہوجائے یہ بیان سورۃ جن میں ہے۔ (۲) دوسری لڑی یا سند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاک ہونے میں شبہ نہیں۔ (۳) صحابہ کرامؓ ہیں۔ ہمارے دین کو ہم تک پہنچانے والے یہ تین لڑیاں ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جبرائیلؑ کو دیکھ کر دین لیا ہم نے تو نہ دیکھا۔حضرات صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا اور دین لیا۔ اب کوئی آدمی ان تین لڑیوں میں سے کسی پر بدگمانی کرے تو دین ختم۔یہی بات تھی کہ

مسلمان قبر تک صحابہ کرامؓ کے تقدس و عظمت کو چھوڑ نہیں سکتا۔

لاہور میں اگر کوئی واقعہ سرزد ہو جائے اور تین آدمیوں کے واسطہ سے یہ بات ملی اگر ان میں ایک جھوٹا ہو تو ساری بات جھوٹی۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی ذات اقدس میں بہترین نمونہ ہے

قرآن نے ان تین کڑیوں کا بیان کیا ہے۔ انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کا بڑا امانتدار ہے۔ یہ جبرائیلؑ پہلی کڑی والے کے متعلق

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔

کہ وہ رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ایسے ہیں کہ تمہارے لیے دین و دنیا میں جس چیز سے تمہارا نقصان ہو وہ اس کو بہت ناگوار اور شاق اور جو فائدہ مند ہو وہ انہیں پسند ہے اور مومنوں سے نہایت مہربانی کرنے والے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہمارا کتنا خیال ہے۔

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تمہیں طریقہ محمدی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب بات کو اگر دس ارب مولوی درست کہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہ فرما دیں تو اس بات کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ ہے دوسری کڑی حضرت محمد صلی اللہ

علیہ والہ وسلم کے متعلق۔

باقی رہے حضرات صحابہ کرامؓ من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم و رضوا عنه۔ مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کی تابعداری کی اللہ ان سے راضی اور وہ ان سے راضی ہوئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب جنت بھر جائے گی تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا اور کچھ چاہیے۔ تو لوگ سوچیں گے کہ راحت کا سامان تو پورا موجود ہے اب کیا مانگیں۔ تو علماء کرام سے پوچھیں گے۔ مگر آج ہمارے ارباب اقتدار کہتے ہیں کہ عالم کی ضرورت نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ پیدائش سے لیکر جنت تک عالم کی ضرورت ہے شاید مغرب زدہ اولاد کو ضرورت نہ ہو۔ تو علماء کرام لوگوں سے کہیں گے کہ اب تم یہ مانگو کہ یارب العزۃ تو ہم سے ہمیشہ راضی رہ ناراض نہ ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ فلا اسخط ابدا ۔ کہ کبھی ناراض نہ ہونگا۔ ہمیں تو یہ چیز یعنی اللہ کی (رضا) جنت میں جا کر ملے گی مگر صحابہ کرامؓ کو تو اسی دنیا میں ہی مل گئی۔ رضی اللہ عنهم و رضوا عنه ۔ یہی تین کڑیاں دین کا مواد ہیں۔ بازار آخرت میں وہ سکہ نہ چلے گا جس پر ان تین کڑیوں کی مہر نہ ہوگی۔

حدیث پاک ہے۔ اصحابی کالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم۔ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی تم اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

من احبهم فبحبی احبهم۔ جو ان سے محبت کرے گا تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے کرے گا۔

الفت احمد ﷺ پایہ تکمیل ایمان ہے ضرور

راہ حق جوئی میں ہے اکبر مدینہ ہی پڑا

یعنی جو اللہ کی سڑک پر چلے گا راستے میں مدینے نے ضرور آنا ہے۔

بہر حال یہ بات بیان کرنی تھی کہ دین کے سلسلہ میں تین کڑیاں قابل اعتماد ہیں۔تو لہذا عمل کے متعلق یہ طے کرو کہ اس عمل پر میری دنیا جنت اور جہنم کے فیصلے کا دارومدار ہے۔اب اس سلسلہ میں معاملہ صاف ہو گیا۔اب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہدایت پیش کرتا ہوں۔

تین لڑائیاں ہوئی ہیں۔ایک لڑائی جو مفسدوں کی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ میں ہوئی اس کو جنگ جمل کہتے ہیں۔اور دوسری لڑائی جو مفسدوں کی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین ہوئی اسے جنگ صفین کہتے ہیں۔اور تیسری مقام کربلا میں ہوئی۔

بات یہ ہے کہ یہ کارنامہ انجام جو ہوا یہ عبید اللہ بن زیادہ کی وجہ سے ہوا اس کا نام ہی نہیں۔جب شہادت حسینؓ کی خبر یزید کو پہنچی تو اس نے کہا لعن اللّٰہ علی ابن مرجانہ۔کہ ابن مرجانہ پر لعنت ہو کہ اس نے مجھے مسلمانوں میں بدنام کیا۔(مراد ابن زیادہ ہے)۔

بہر حال جمل، صفین، کربلا کا معاملہ ہو یہ ہم سے تقریباً تیرہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ کی عدل وانصاف والی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ہمارے لیے تو کوئی نہ بچا اب ہم کیا کریں۔تلک امة قد خلت لما ما کسبت ولکم ما کسبتم۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں جو فیصلہ ہوا اگر ہم اس پر اعتراض کریں تو لوگ کہیں گے کہ یہ آپ سے بہت پہلے گذرے ہیں اور آپ سے بڑے انصاف پسند تھے تم ان پر اعتراض کرنے والے کون ہو؟

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے کہ وہ فریق تو منصف خدا کے پاس تیرہ سو سال سے پہلے پہنچ چکے ہیں ہم کون ہیں اعتراض کرنے والے۔ ہمارا کیا کام؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین فیصلہ کرو۔ فرمایا ان دونوں حضرات کو لاؤ میں فیصلہ کروں۔

واقعہ کربلا کے متعلق اعتقادی نظریہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ یہ ہے کہ اس واقعے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ عملی لحاظ سے کیا کرنا چاہیے؟ تو وہ بھی شہادت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے پوچھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

قرآن ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ۔

کہ جو اللہ کے راستے میں قتل ہو اس کو مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہے تمہیں شعور نہیں

ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال۔

کہ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ خوف، بھوک، مال کی کمی وغیرہ سے تو اس صورت میں تم کیا کروگے؟ مثلاً کوئی شہید ہو جائے یا کوئی آفت آجائے تو تم کیا کروگے۔ تم ان کو میری طرف سے خوشخبری سناؤ کہ صبر کریں اور کہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہ ہم اللہ کے ہیں اور یقیناً اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اولئک علیھم صلوۃ من ربھم ورحمۃ۔ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہونگی۔ تو اب واقعہ کربلا پر جی چاہا نہیں خدا چاہا کرتے ہیں۔ تو عمل اور اعتقاد کے لیے روشنی ہوگئی۔ تو رونا پیٹنا کیا چیز ہے۔ کیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات طیبہ تھوڑا غم ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے سینہ کوبی کی تھی؟ یہ ایک نہیں بلکہ ہمارے دوسرے خلیفہ جو عین نماز میں شہید ہوئے اسی طرح تیسرے خلیفہ جو قرآن کی تلاوت میں شہید ہوئے۔ اور اسی طرح چوتھے خلیفہ جو نماز کو جاتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان حضراتؓ نے چوں نہیں کی صبر کیا۔ حدیث میں ہے الصبر ضیاء۔ کہ صبر روشنی ہے۔ قرآن میں ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ کہ صابر کو بغیر حساب ثواب ہوگا۔ تو یقینی بات ہے کہ رونا پیٹنا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ باقی یہ کہ یہ واقعہ کیوں ہوا اس پر شاہ عبدالعزیزؒ نے سر الشہادتین لکھی ہے جس میں ایک حکمت بیان کی گئی ہے ہمارے نزدیک اور بھی ہیں۔ تو حکمت کے تحت نقصان کا پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی پہلی جنگوں میں اتحاد تھا علیحدہ نہ تھے لیکن واقعہ کربلا نے تو بالکل الگ تھلگ کر دیا۔ اب کے شیعوں کے عقیدہ اور کربلا سے پہلے شیعوں کے عقیدہ میں زمین و آسمان کے فرق کے برابر فرق ہے۔

سر الشہادتین میں حکمت یہ لکھی کہ حدیث پاک ہے کہ حضرت امام حسنؓ کا ناف سے اوپر والا حصہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ملتا جلتا تھا اور حضرت امام حسینؓ کا نیچے والا حصہ ملتا جلتا تھا دونوں شبیہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ سلم میں تمام نبیوں کے

کمالات جمع ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام کمالات انبیاءؑ کے جامع تھے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علم کے برابر کسی نبی کا علم نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو دین حق کی تبلیغ فرمائی کسی پیغمبرؑ کی اس کے برابر نہیں۔شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا صرف ایک کمال بظاہر باقی تھا وہ یہ کہ کچھ انبیاءؑ کرام شہید ہوئے ہیں۔ یقلون النبیین بغیر الحق ۔کہ نبیوں کو بغیر حق کے قتل کرتے ہیں۔یحیٰ وذکریاؑ شہید ہوئے ہیں اور شہادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

اولئک الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین و الصدیقین والشھداء و الصالحین۔

وہی انعام خداوندی کے حقدار ہیں جو انبیاء،صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔

تو شہید تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی خود فرمادیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حفاظت کریں گے کوئی میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

دیکھو جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تبلیغ دین کرنا شروع کی تو پوری دنیا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دشمن ہوگئی۔مگر اوپر سے نازل ہوا واللّٰہ یعصمک من الناس ۔اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔تو اولاد کا دکھ بھی والدین کا دکھ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے شہید گیری ان پر جاری کی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو شہادت کا مرتبہ بھی عطا ہو جائے۔

درس نمبر ۲۰

جمعہ ۲۸۔اپریل ۱۹۶۷ء

توحید فی العبادت

توحید فی العبادت کا بیان تھا اس میں بنیادی چیزیں محبت، عظمت، حکمت اور حاکمیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اس چیز کا مطالبہ فرماتا ہے جس میں ہمارا ہی فائدہ ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کی عبادت کریں اور صرف عبادت نہیں بلکہ توحید فی العبادت کریں کہ جو عبادت اللہ کی ہے وہ اللہ کے لیے ہو غیر کے لیے نہ ہو۔ یہی بات ہے کہ نفس عبادت اور توحید فی العبادت بڑی اہم چیزیں ہیں۔

نفس عبادت۔ کہ عبادت ہو۔ اور توحید فی العبادت۔ کہ جو اللہ کی عبادت ہے وہ صرف اللہ کی ہو۔

یہ حضرات انبیاءؑ کا سلسلہ صرف توحید فی العبادت کے لیے آئے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو حضرات انبیاءؑ کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ کفار اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

(۱) تو محبت کا سلسلہ تھا کہ جس سے محبت ہو گی اس کی بات مانی ہوئی ہو گی تو ہمیں اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو اس کی بات ماننی چاہیے اور ہمیں تو محبت ہو بھی صرف اللہ تعالیٰ سے کیونکہ فائدہ کی کل اشیاء اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ تو جب ہماری

محبوبات اشیاء کا خالق اللہ ہے تو اس سے محبت کیوں نہ ہو۔

اس لیے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ دوم یہ کہ جس درجہ کی محبت اللہ سے ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس درجہ کی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو محبت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ میں موجود ہے۔

(۲) عظمت ہے۔ اس کا معنی یہ کہ اللہ کی جو بڑائی مخصوص ہے اس درجہ کی عظمت کسی کو نہ دی جائے اور قاعدہ یہ کہ جہاں عظمت ہو گی وہاں اطاعت ضرور ہو گی۔ بیٹا باپ کی بات مانتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ وہ باپ کی عظمت کرتا ہے۔ مرید پیر کی عظمت کا قائل ہے۔ تو تمام کائنات کی عظمتیں اللہ کی عظمتوں کے آگے صفر ہیں تو پھر اس کی عظمت کے آگے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

عظمت کے سلسلہ میں قرآن فرماتا ہے۔ وماقدرو اللّٰہ حق قدرہ۔ انسان نے اللہ کی اتنی تعظیم نہیں کی جتنی اس کی کرنی تھی۔

دیکھو آج کل عالم بالا کے سفر کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے اوپر جو ستارے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں کہ جن کے سامنے ہماری زمین خشخاش کا دانہ ہے۔ علم الفلکیات کے اعتبار سے سات سو کروڑ ستارے نظر آتے ہیں اور جو نظر نہیں آتے ان کی تعداد کی تو کوئی حد بھی نہیں۔

ہم نے ایک چھوٹے سے کرۂ زمین پر رہ کر اس زمین کو بھی نہ جانا جس زمین میں اللہ کے پوشیدہ کارخانے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ ھو الذی خلق لکما فی الارض جمیعا۔ حالانکہ اس کی عظمت اتنی ہے کہ یہ زمین اور جو لاتعداد ستارے ہیں

اور آسمان وغیرہ ملکر یہ سب اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی بھی نہیں ہے۔تمہارے سمجھانے کے لیے کہتا ہوں مثلاً ایک آدمی کے پاس لاکھوں من غلہ پڑا ہے اور وہ سائل کو ایک مٹھی بھر کر دیتا ہے تو اس مٹھی کی لاکھ من غلہ کے سامنے کیا حیثیت ہے۔تو جب اللہ کی مٹھی مین تمام آسمان و زمین کی چیزیں آئیں گی تو باقی کیا ہونگی۔یقینی بات ہے کہ قیامت میں انسان کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔تمام انبیاءؑ موجود ہونگے لوگ آفتاب کے قرب کی وجہ سے پریشان ہوکر حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے کہ فیصلہ کی شنوائی جلد شروع ہو مگر وہ خدائی عظمت اور دبدبہ کی وجہ سے بول نہ سکیں گے درجہ بدرجہ تمام پیغمبرانؑ حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہ سب کے پاس جائیں گے کسی کو ہمت نہ ہوگی تو اس کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ اس وقت میں درخواست کے لیے عرش کے نیچے سجدہ کی حالت میں گر پڑونگا تو اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ الفاظ فرمائے گا جو مجھے اب معلوم نہیں۔تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ارفع رأسک یامحمد سل لقطه و اشفع تشفع۔کہ مانگ جو کچھ مانگتا ہے تو مقدمہ کا آغاز شروع ہوجائے گا۔یہ عظمت خداوندی کی دلیل ہے۔یوم لابیع فیه ولا خلة ولا شفاعة۔ایسا دن آنے والا ہے کہ اس دن عمل بکے گا نہیں یعنی فروخت نہ ہوگا اور کسی کی دوستی بھی کام نہ آئے گی اور کسی کی سفارش بھی نفع نہ دے گی۔نفع کا معنی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے تو ہوسکتی ہے وگرنہ نہیں۔من ذالذی یشفع عنده الا باذنه۔کون ہے جو اسکی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔اس سے عیسائیوں کا

اعتراض ختم ہو گیا کہ ہم نے عیسیٰؑ کو خدا بنایا تو کافر بنے مگر تمہارے اسلام میں تو ہر قبر خدا ہے تو کیا اس پر خدائی مہر ہے؟ یا کیا یہ من گھڑت ایمان نہیں۔ ہر مولوی خدا ہے جو جی چاہیے مسئلہ بناتا چلا جائے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم کفارہ کے قائل ہیں کہ عیسیٰؑ تمام گناہگاروں کے گناہ کا کفارہ ہو گیا اور تم مسلمان شفاعت کے قائل ہو کہ تمام گناہ شفاعت کے ذریعہ من جائیں گے تو چیز ایک ہو گئی۔ آج اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ تو پہلے یہ جانو کہ ہر شئی جس طرح اللہ کہے اسی طرح مانو۔ اللہ کہے کہ فلاں آدمی بڑا ہے تو تم بھی اسے بڑا مانو۔ تو میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ نصاریٰ کے کفارہ اور مسلمان کی شفاعت میں بڑا فرق ہے۔ کفارہ کا معنی ہے کہ گنا مٹانے والی چیز ہے۔ آج تو دنیاوی طمع ولالچ میں زیادہ عیسائی ہو رہے ہیں۔

عیسائی کا عقیدہ ہے کہ ہر انسان گناہگار ہے اور گناہ اور انسان کا تعلق ایسا ہے کہ جس طرح آگ اور گرمی کا ہے۔ اب یقینی بات ہے کہ نجات آخرت کا معنی دوزخ سے بچنا اور جنت میں جانا تو اس میں گناہگار تو نہیں جاسکتا اور گناہ انسان سے دور نہیں ہو سکتا تو عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے انسان پر احسان کر کے عیسیٰؑ کی شکل میں آئے۔ معاذ اللہ اربوں پیغمبر مل جائیں تو (میاں) خدائی کے ایک ذرہ کو بھی نہیں مل سکتے۔ خیر۔ خدا عیسیٰ کی شکل میں آیا تو یہودیوں کے ہاتھ سے پھانسی لی اور پھانسی تمام انسانوں کے گناہوں کی تلافی ہو گئی۔ دیکھو یہ بھی عقیدہ ہے؟ بس ان خبیثوں نے صرف سائنس میں ترقی کی ہے باقی سب غلط ہے۔

آج یہ انگریز جو کچھ کہے مسلمان اس کے سامنے چپ ہے اسے بلا سوچے سمجھے تسلیم کرتا ہے۔ تو عیسائیوں کا عقیدہ کتنا غلط ثابت ہوا کہ ہر انسان کے لیے گناہگاری ضروری ہے۔ انسانوں میں ایک بہت بڑا بلند طبقہ ہے جو گناہ سے پاک ہے وہ انبیاءؑ حالانکہ وہ انسان ہیں تو انسان کے لیے گناہگاری کیسے ثابت ہوئی۔

(۲) نابالغ بچے سب گناہوں سے پاک ہیں۔ یہ فرض کیا جائے کہ انسانوں سے گناہ ہوتا بھی ہے تو اس کے کفارہ کی بھی یہی تدبیر تھی کہ اللہ تعالیٰ انسانی صورت میں آ کر پھانسی کھائے۔ فرض کرلو کوئی ملازم آدمی جرم کرے اور اس پر کیس چلایا جائے جب تک کیس کا فیصلہ نہ ہوگا تو عہدہ نہ ملے گا۔ اسی طرح اگر ہمیں کسی وجہ سے جنت نہ ملے گی تو کیا خدا گناہ معاف نہیں کرسکتا؟ ہم انسان ہوکر ایک دوسرے کے گناہ (غلطیاں) معاف کر دیتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کو اتنی قوت نہیں کہ وہ گناہ معاف کر دے؟ اس لیے تو حدیث شریف میں آیا ہے۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسا کہ اس نے گناہ نہ کیا ہو۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی۔ یہ نہیں کہ خود پھانسی کھائے۔ کفارہ میں تیسری غلطی عقیدہ میں یہ ہے کہ گناہ کیا انسان نے اور پھانسی کھائی خدا نے۔ یہ تو عجیب بات ہے کہ مجرم بچ گیا اور خدا پھانسی کھا رہا ہے۔ تو یہ تو ہمارے دنیاوی ضابطے کے بھی خلاف ہے۔

(۴) کفارہ میں چوتھی غلطی عقیدہ میں یہ ہے کہ یہود کے ہاتھ سے پھانسی کھائی تو عیسائیوں کی بے غیرتی دیکھو کہ یہود جو ان کے خدا کے قاتل ہوئے انہیں فلسطین کی حکومت دیدی۔ شاید اس لیے کہ انہوں نے ان کے خدا کو پھانسی دیکر ان کے لیے کفارہ گناہ کا سبب بنایا تو انعام میں انہیں حکومت دیکر عرب کے سینہ میں چھرا گھونپا۔ تو سوال یہ کہ اگر پھانسی میں خدا تعالیٰ کو تکلیف ہوئی تو پھر خدا خدا نہ رہا اور اگر یہ کہیں کہ بلا تکلیف جان نکلی تو مسلمان بھی تو کہتے ہیں کہ بلا تکلیف توبہ کرنے سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ تو ہماری شفاعت کا مسئلہ درست ہے مگر یہ نہ ہو کہ گناہ کیا جائے اور بس یہ کہدیں کہ سفارش سے گناہ مٹ جائیں گے۔ تو عیسائیوں کے کفارہ کا عقیدہ یہ ہے کہ چاہے کافر ہو چاہے گناہگار ہو بس وہ صرف کفارہ کا یقین کرلے تو وہ اس کے لیے شفاعت ہوگی۔

مگر اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک مومن نہ ہو تو شفاعت نہ ہوگی۔ تو عیسائیوں کے کفارہ میں ایمان کی شرط نہیں ہمارے اسلام میں شفاعت کے لیے ایمان کی شرط ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جہاں قرآن میں شفاعت کا لفظ لایا وہاں ساتھ اجازت کا لفظ بھی لایا۔ من ذ الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا۔ کہ میری طرف سے اجازت ہو اور وہ بات بھی درست کہے کہ جس کے لیے اجازت ہو اس کی شفاعت کی درخواست کرے غیر کی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر انحصار ہوا کہ جس کو چاہے شفاعت کی اجازت دیدے (قرآن نے دوسری جگہ فرمایا) مثلاً آپ کسی مصیبت

میں پڑے ہیں آپ چاہتے ہیں کہ کوئی جا کر میری سفارش کرے تو سب یہ جواب دیں کہ جسے صدر مملکت سفارش کا حکم دے وہی کر سکتا ہے۔ تو سفارش کے لیے جانا مشروط ہے اجازت کے ساتھ۔ تو قرآن فرماتا ہے کہ جیسا میں کہوں ویسی ہی شفاعت کرو۔ قل للہ الشفاعة جمیعاً ۔ کہہ دے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کہ اللہ کے لیے ہیں سب شفاعتیں۔ اس کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ، شہدا اور نابالغ بچے شفاعت کر سکتے ہیں۔ مگر مشروط ہے کہ خدا اجازت دے۔ وقال صواباً ۔ کہ جیسا فرمائے ویسا ہی سفارش کرے۔

تو ایک سفارش ایسی بھی ہوتی ہے کہ صدر مملکت یہ کہہ دے کہ ایسی سفارش کرو کہ کہو صدر صاحب بیس سال قید کو دس سال کی قید میں بدل دو۔ اور ایک سفارش یہ ہے کہ بیس سال کی قید بالکل معاف کر دو تو سفارش کی مختلف شکلیں ہوئیں۔ تو سفارش کی شکل اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہوتی ہے۔ تو سفارش کنندگان ایک ظاہری ذریعہ ہو گئے۔ تو امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب سفارش اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوئی تو پھر سفارش کا سارا فائدہ بھی تو اللہ کی طرف سے پہنچا۔ یہ آپ نے تفسیر کبیر میں قل للہ الشفاعة جمیعاً ۔ کہ سب شفاعتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ تو فرمایا فالشفیع فی الحقیقة ھو اللہ ۔ کہ ظاہری شفیع تو انسان ہوا مگر حقیقی شفیع اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات میں تاویل کی جائے حالانکہ ایسے بزدل لوگ ہیں کہ صدر ایوب کی بات میں تو تاویل نہیں کر سکتے مگر اللہ تعالیٰ کی بات میں تاویل کرتے ہیں۔ یہ لعنت نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے شفاعت کی مختلف صورتیں لکھی ہیں بعد بتلاؤں گا۔

مثال۔ایک آدمی کے اعمال قیامت میں تولے گئے ایک پلہ میں گناہ اور ایک پلہ میں نیکی تو گناہ والا پلہ بھاری نکلا تو فیصلہ تو یہ ہونا چاہیے کہ اسے جہنم میں دھکیل دو لیکن اللہ تعالیٰ ہی اس شخص کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے تو ان میں چند اشخاص ایسے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ واقعی ان کے گناہ کا پلہ بھاری ہے لیکن ان میں بعض خوبیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے انہیں جہنم میں نہیں ڈالنا چاہیے۔تو اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ویسے کہہ دوں کہ انہیں جہنم میں نہیں ڈالنا چاہیے تو یہ ضابطہ کے خلاف ہے تو اللہ کسی کو کہیں گے کہ میاں اس کی سفارش کر دو۔ آجکل یہ سلسلہ دفتروں میں بھی ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اس کے لیے فلاں قسم کی شفاعت کر دو تو اس صورت میں تم یقین سے کہو کہ کیا اصل کام اللہ کا نہیں؟ تو اس صورت میں ضابطہ بھی محفوظ رہا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عزت و اکرام بھی ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شفاعت و سفارش سے کام بن گیا ورنہ ضابطہ تو یہ ہے کہ گناہگار کو جہنم میں دھکیل دیا جائے۔

اور دوسری سفارش یہ کہ گناہوں کا پلہ اتنا بھاری ہوگا کہ اسے جہنم میں سو سال رہنا ہے لیکن اس سے کچھ اچھے اعمال سرزد ہوئے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ اس کی سفارش ہو جائے کہ یا اللہ اس کی سزا سو سال سے ۹۰ سال کر دو۔ یہ دوم شکل ہوئی۔تو پہلی صورت میں سفارش مکمل بری کر دینے کی ہوئی اور دوسری شکل میں تخفیف فی العذاب۔کہ عذاب کی کمی کے لیے سفارش ہوئی۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ دوزخ میں سو سال کے لیے ڈالے گئے ہیں پچاس سال گزارے ہیں تو اللہ یہ چاہے گا کہ اسے معاف کر دوں۔تو اللہ کسی سے سفارش کرا۔کے معاوف کر دے گا۔تو اس قسم کی

سفارش سے انسان خطرہ سے محفوظ نہیں۔ یہ فرق ہے کفارہ۔ اور شفاعت کے درمیان۔

انما الاعمال بالخواتیم۔ یقیناً اعمال کا دارومدار تو خاتمہ پر ہے۔ ہمیں یہ پتہ ہے کہ ہم اسلام پر مریں گے؟ یہ کیا بات ہے کہ بس عیسائیوں کی طرح کفارہ کا عقیدہ رکھا چاہے مومن ہو یا نہ ہو بس بخشا گیا اس سے تو آدمی نڈر ہو جاتا ہے ماسوا ہمارے اسلام کے شفاعت کے عقیدہ کے کہ عذاب کا خوف تو ہے۔ مثلاً ایک آدمی کو یہ خیال ہو کہ مجھے گرفت تو نہیں کیا وہ قتل اور اقدام جرم سے پرہیز کر سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ ایک آدمی کو یہ معلوم ہو کہ صدر ایوب سفارش کا حکم دے سکتا ہے تو کون انسان بیوقوف ہے جو بے یقینی بات پر اقدام جرم کرے۔

عقائد کا مسئلہ: حدیث: الایمان بین الخوف و الرجاء۔ کہ ایمان خوف اور امید کے مابین ہے۔

عیسائی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا پورا وجود انسان بھی ہے اور خدا بھی ہے دیکھو آگ اور پانی کا جمع ہونا تو ممکن ہے مگر خدا اور انسان کا جمع ہونا ناممکن ہے۔

مذہب اس لیے ہوتا ہے کہ اپنے قوانین کے عملدر آمد یا خوف سے گناہ چھڑا دے اور اگر کفارہ والا عقیدہ ہو تو یہ تو الٹا گناہ پر دلیر کرنے والا عقیدہ ہے۔ کہ خوب گناہ کرو عیسیٰ کفارہ ہو گئے۔

دیکھو اگر عیسیٰ خدا ہے تو خدا کھانے کا محتاج نہیں ہوتا اور اگر انسان ہے تو کھانے کا محتاج ہے۔ تو یہ کیسا عقیدہ ہوا کہ عیسیٰ کھانے کا محتاج ہے بھی اور نہیں بھی۔ خدا تعالیٰ پیشاب وغیرہ سے بری ہے اور انسان نہیں۔ یہ کیسا عقیدہ رکھا جسے انسانی

عقل مانتی ہی نہیں۔

انسان ہونے کے لحاظ سے غذا، کپڑے، مکان وغیرہ ضروری ہیں اور خدا کے لیے ضروری نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی تعداد دیکھو (۱) اللہ، (۲) عیسیٰ بیٹا، (۳) کبوتری کی شکل میں جبرائیلؑ اور اصل خدا آدمؑ کی شکل میں ہیں۔

کہتے ہیں باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا۔ یہ تینوں خدا ہیں۔ اقبالؒ لکھتے ہیں کہ میں نے لندن میں اپنے استاد آرنلڈ سے پوچھا کہ کیا تین ایک اور ایک تین کیسے درست ہو سکتے ہیں؟ تو آرنلڈ بڑا دانا تھا اس نے کہا کہ یہ ہمارا مذہبی عقیدہ ہے چاہے عقل میں آئے یا نہ آئے۔

مستطرف۔ ایک کتاب ہے اس میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک سائل مسئلہ پوچھنے آیا کہ میری زبان سے اپنی بیوی کے متعلق یہ لفظ نکلا ان لا اکلم الیوم احمق الناس فانت طالق ثلاثاً۔ کہ تمام انسانوں سے زیادہ بیوقوف سے بات نہ کروں تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ تو بیوقوف کا انتخاب کس طرح ہوگا۔ ہم تو اس کا جواب پچاس سال میں نہ دے سکتے مگر امام صاحبؒ نے فوراً فرمایا۔ ولیکلم النصرانی والرافضی۔ کہ رافضی اور نصرانی سے بات کر دو تو اس صورت سے طلاق سے بچ گئی۔ تو امام صاحب سے پوچھا گیا کہ یہ بیوقوف کیوں ہیں۔ فرمایا لانھم کذبوا صادقین۔ کہ ان دونوں نے دو سچوں کو جھٹلایا۔ میں اس سوچ میں تھا کہ سچوں کو جھٹلانے والے اور بھی تو ہیں پھر راز معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سچا کہا اور رافضیوں نے حضرت علیؓ کو سچا کہا۔ مگر ان

کی بات کو نہ مان کر انہیں جھٹلایا۔عیسیٰؑ نے کہا کہ انجیل میں ہے کہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے مگر انہوں نے انکار کیا تو عیسیٰؑ کو سچا مان کر ان کی بات کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کو رافضی غلط کہتے ہیں۔نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علیؓ اپنے جمعہ کے ہر خطبہ میں پڑھتے تھے **افضل الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ابوبکرؓ ثم** ۔لیکن رافضی کہتے ہیں کہ علیؓ ہے تو تو سچا مگر اس بات میں (نعوذ باللہ) تو جھوٹا ہے۔

درس نمبر ۲۱

اتوار، ۳۰۔اپریل ۱۹۶۷ء

عبادت کی حکمت

یاایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم ...... اندادا و انتم تعلمون۔

اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اور عبادت کے سلسلے میں محبت و عظمت کا ذکر ہوا آج حکمت کا بیان ہے۔

اللہ کے برابر نہ کسی کا علم ہے اور نہ کسی کی حکمت ہے۔ حکمت کا لفظ قرآن میں بہت جگہ آیا ہے لیکن اللہ کے حق میں جب حکمت یا حکیم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ انک انت العلیم الحکیم۔ کہ یا اللہ تو ہر نقص سے پاک ہے ہمارے پاس وہی علم ہے جو تو نے دیا۔ حکمت کیا چیز ہے؟ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اتقان العلم و العمل۔ کہ علم و عمل کا مضبوط ہونا۔ علم کا مضبوط ہونا یہ کہ علم میں نقص نہ ہو اور عمل کی مضبوطی یہ کہ عمل میں نقص نہ ہو اسے حکمت کہا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کے علم و عمل میں نقص نہیں۔ انسان صاحب حکمت کا ماتحت ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اللہ کے برابر کسی کی حکمت ہے۔ اللہ نے اپنی وسعت علم کا مسئلہ مختلف قسموں میں سمجھایا ہے۔ یہ تو ہے کہ اللہ کی حکمت کا یقین تو ہو سکتا ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ علم ہے کتنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کا محیط ہو نہیں سکتا۔

حضرت سعدیؒ نے کہا

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند وہر چہ شنیدہ ایم

مثال:۔ کہ اللہ کے بنائے ہوئے ستارے ان میں بعض ایسے ہی جو زمین سے اتنے بڑے ہیں کہ زمین ان کے سامنے خشخاش کا دانہ ہے ان ستاروں میں نظر آنے والوں کی تعداد سات سو کروڑ ہے اور جو نظر نہیں آتے ان کی تو کوئی تعداد نہیں یعنی لاتعداد ہیں۔علم کی چند قسمیں ہیں۔ (۱) شرعی علم۔ (۲) کونی علم۔

شرعی علم کا یہ معنی کہ جنت و دوزخ کے اعمال کو پہچاننا اور کونی علم یہ کہ کائنات کا علم۔تو کائناتی علم میں آپ زمین کو لے لیں۔تو پہلے تو انسان کو زمین کی وسعت کا علم نہیں۔ کہتے ہیں صحرا افریقہ کا میدان اتنا وسیع ہے کہ مرد چھ ماہ دوڑتا رہے تو طے نہ ہو سکے تو اس زمین پر ریت کے ذرات کی تعداد شمار کرو اور محل وقوع بھی معلوم کرو۔یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و حکمت معلوم ہو تو پھر اس کی ذات جل جلالہ کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔زمین پر کیڑوں کی تعداد کیا ہے؟ وزن کیا ہے؟ اور اس کے اندر اجزا جسم کیا ہیں؟ ہوا میں اڑنے والے پرندے کتنے ہیں۔اجزائے ترکیبی اور آپس کا جوڑ کیا ہے؟ اس کے علاوہ سمندر کے اندر کتنی اقسام ہیں اور کتنے وزن وغیرہ ہیں؟ انسان جو بولیاں بولتے ہیں اور جواب تک لکھے ہیں ان کے الفاظ کتنے ہیں اور کہاں کہاں جمع ہیں۔دنیا میں کل چار ہزار بولیاں ہیں۔یہ صرف زمین کی اختصاراً بات معلوم ہوئی۔اور عالم بالا میں جو ستارے نظر آتے ہیں ان میں کیا ہے یہ تو جغرافیائی تعلق والی اشیاء ہیں۔

بعض چیزیں تو نظر نہیں آتی مثلاً عرش و کرسی وغیرہ۔حدیث شریف میں ہے کہ کرسی کے آگے پورا جہاں بمع تمام سیارگان ایک روڑے کے مانند ہیں اور پھر کرسی

عرش کے آگے ایک انگوٹھی ہے تو یہ تمام علوم اللہ کے وسیع علم کے سمندر کا ایک قطرہ ہیں۔ الم اقل لکم انی اعلم غیب السموٰت و الارض ۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ اوپر نیچے کی کھلی چیزوں کو چھوڑو۔ میں پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتا ہوں۔ و احصی کل شئی عددا۔ کہ میں نے ان کو گن گن کر محفوظ کیا ہوا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ عالم بالا کے مقام پر چار انگل کی جگہ کے برابر جگہ نہیں کہ فرشتہ سجدہ نہ کرتا ہو۔

دیکھو فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد کے متعلق پوری حرکات کا جاننا کوئی معمولی کام ہے؟ یہ ہے اللہ کا کونی علم جو بھی انتہائی اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر بیان کیا جائے تو پوری زندگی بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اللہ تعالیٰ کا شرعی علم۔ یہ بہت مشکل ہے۔ اس لیے ان کے لیے حضرات انبیاءؑ کا سلسلہ چلایا گیا۔ تو لوگ مر جائیں گے اور گل سڑ جائیں گے۔ قد علمنا ماتنقص الارض منهم ۔ کہ ہمیں پتہ ہے کہ فلاں آدمی کے جسم کا ذرہ فلاں فلاں جگہ پڑا ہے۔ ہم انہیں اپنے علم کے ذریعے اکٹھا کریں گے۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ علم عالم سفلی ہو یا علوی ہو اس کا علم ہے۔ حالانکہ تمام انسانوں نے مل کر صرف انسان کے جسم کا علم بھی حاصل نہ کیا۔ قل لو كان البحر مدادالكلمات ربی۔

آپ سب حضرات نے سمندر کا سفر تو نہ کیا ہوگا۔ تو قرآن فرما رہا ہے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور کرۂ ارضی کی تمام لکڑی قلم بن جائے اور تمام سمندر ختم ہو جائیں اسی طرح اربوں سال اور سمندر لائے جائیں اور لکھے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے

علم کا ایک قطرہ بھی نہیں لکھ سکتے۔ یہ ہے اللہ کا علم۔ اب رہے پرویز یا اُلّو انسان اس میں ترمیم کرے تو شرم آنی چاہیے۔ تو یقینی بات ہے کہ بگھی کا کوچوان ایک پروفیسر کے علم میں غلطی نہیں کہہ سکتا تو اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ بس وہ فرمائے اور ہماری گردن جھک جائے۔ اللہ کو یہ سخت ناگوار ہے کہ میرے علم میں کسی کو شریک کیا جائے۔

حدیث: حضرت موسیٰ سے کسی نے سوال کیا ای الناس اعلم۔ کہ لوگوں میں بڑا عالم کون ہے؟ حقیقت بھی یہی تھی کہ جس زمانہ میں یہ سوال ہوا اس وقت حضرت موسیٰ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ انا۔ کہ میں بڑا عالم ہوں بات تو صحیح تھی لیکن آپ کو فرمانا چاہیے تھا اللہ اعلم کہ اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی برداشت نہ کی قال بلی عبدنا الخضر اعلم۔ کہ میرا بندہ خضر بڑا عالم ہے۔ تو موسیٰ کو شوق ہوا کہ جو مجھ سے بڑا عالم ہے اس سے علم سیکھوں۔ آج تو کسی بڑے عالم سے بھی علم نہیں سیکھتے بلکہ جاہل ہو کر مریں گے۔ تو موسیٰ نے پوچھا کہ مجھے وہ عالم کہاں ملیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بحر روم اور بحر کے اتصال کے مقام پر ہوگا پھر عرض کی کہ پتہ کیسے لگے گا کہ یہ وہی شخص ہیں۔ فرمایا ایک مچھلی لے لو جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چل پڑے اور رستہ بتاتی رہے تو وہاں ہونگے۔ تو حضرت یوشع آپ کے ساتھ چل پڑے دریاء کے کنارہ کنارہ چلے جا رہے ہیں اتفاقاً ایک پتھر پڑا تھا وہاں سو گئے پھر وہاں سے چل پڑے تکان کا غلبہ تھا لقد لقینا من سفرنا هذا انصبا۔ ہمیں اپنے اس سفر سے تھکان پہنچی ہے۔ تو ناشتے کے لیے مچھلی طلب کی وہ مچھلی بھونی ہوئی تھی دیکھا کہ مچھلی تو غائب ہے۔ درحقیقت مچھلی وہیں پتھر والے مقام پر زندہ

ہو کر پانی میں چلی گئی تو آپ اس مقام کی طرف واپس لوٹے تو دیکھا کہ ایک آدمی چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا ہے۔ تو اسے السلام علیکم کہا۔ انہوں نے کہا یہاں السلام علیکم کیسے آ گیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو کہا بنی اسرائیل کا پیغمبر موسیٰ مجھے اللہ نے آپ کے پاس علم سیکھنے بھیجا ہے۔ فرمایا اگر میں آپ کو علم سکھاؤں تو آپ لن تستطیع معی صبرا۔ تو آپ استقامت سے سکوت اختیار نہ کر سکو گے۔ ولا اعصی لک امرا۔ کہ تمہاری نافرمانی بھی نہ کرونگا۔ حضرت خضرؑ کا اصل نام بلیا ابن ملقان ہے۔ یہ دونوں حضرات کشتی میں سوار ہو گئے کشتی والوں نے ان حضرات سے معاوضہ نہ لیا۔ اتفاقاً اوپر سے چڑیا آئی اور سمندر میں چونچ ڈالی اور اڑ گئی حضرت خضرؑ نے کہا موسیٰ دیکھا کہا ہاں تو کہا کہ تیرا میرا علم اور پوری کائنات کے لوگوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا اس چڑیا کی چونچ کا پانی سات سمندروں کے پانی کے مقابلہ میں حیثیت رکھتا ہے۔ تو جب کشتی کنارے کے قریب گئی تو حضرت خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے کشتی میں سوراخ اس لیے کر دیا ہے کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں، آپ نے یہ نرالا کام کیا ہے۔ حضرت خضرؑ نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا انک لن تستطیع معی صبرا۔ کہ آپ میرے ساتھ رہ کر خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا بھول ہو گئی ہے آپ گرفت نہ کیجئے۔ اور میرے ساتھ سخت رویہ نہ کریں۔

پھر چل پڑے آگے گئے تو ایک گاؤں کے پاس ایک لڑکے کو دیکھا تو حضرت خضرؑ نے اسے مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ پھر بول پڑے: آپ نے ناحق ایک

معصوم کی جان لے لی۔ یہ تو آپ نے بڑا ہی غلط کام کیا ہے۔ حضرت خضرؑ نے کہا: میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ تم میرے ساتھ نہیں گزار سکو گے؟ حضرت موسیٰ نے کہا اچھا اگر اس کے بعد کوئی بات پوچھوں تو مجھے ساتھ لیکر نہ چلنا۔

آگے چلے تو ایک بستی میں پہنچے وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا مگر انہوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار گرنے والی ہو رہی تھی۔ حضرت خضرؑ نے اسے سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ سے رہا نہ گیا۔ بولے عجیب ماجرا ہے۔ ان لوگوں کا وہ برتاؤ تھا اور آپ نے لیے بغیر ان کا کام کر دیا۔ قال ھٰذا فراق بینی و بینک۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور بھی ساتھ چلتے تاکہ ہمیں بھی کچھ مزید عجائبات عالم سے معلوم ہو جاتا۔ تو فرمایا اما السفینة فکانت لمساکین۔ کہ چند مسکین ہیں ان کا باپ مر گیا ہے اور ان کا ذریعہ معاش صرف یہی کشتی ہے اور اس علاقہ کا حاکم ظالم بادشاہ ہے جو بیگار پر کشتیاں لے جاتا ہے تو میں نے اس کا ایک تختہ نکال کر اسے عیب دار کر دیا ہے۔ فاردت ان اعیبھا و کان ورائھم ملک۔ یہ کشتی اس طرح اس بادشاہ کے کارندوں سے بچ جائے گی پھر تختہ رکھ دیں گے۔ واما الجدار فکان لغلامین۔ کہ یہ شہر کے دو یتیموں کی دیوار ہے اور اس کے نیچے ان کا خزانہ ہے و کان ابوھما صالحا۔ کہ ان کے والد نیک انسان تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے والدین نیک ہوں ان کی اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ شفقت کرتا ہے۔ اور ہم نے اس جگہ پر دیوار بنائی کہ ظالم لوگ خزانہ نہ نکالیں۔ باقی جس بچے کو قتل کیا گیا

ہے۔اس بچے کا خاتمہ تقدیر الٰہی میں کفر پر مرنا لکھدیا ہے اور اس کے والدین اس سے بڑا پیار کرتے ہیں اندیشہ تھا اس کی محبت کی وجہ سے اس کے بڑے ہوتے ہی اس کے والدین کہیں کافر نہ بن جائیں۔

یہ مسئلہ کہ حضرت خضر نبی تھے یا ولی تھے۔ یہ واضح ہے کہ خضرؑ نبی تھے یعنی جمہور کا قول ہے کہ خضرؑ پیغمبر تھے یہ نبی اور ولی کا معاملہ نہیں بلکہ دونوں پیغمبر ہیں یہ دو پیغمبروں کا معاملہ ہے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے اور حضرت خضرؑ کسی دوسری قوم کے پیغمبر تھے۔

رسالہ قشیریہ میں یہ ہے کہ اگر طریقت شریعت کے خلاف ہوتو ایسی طریقت پر لعنت ڈالو۔ امام مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ طریقت شریعت کے تابع ہے اگر نہ ہوئی تو پھر بڑے نقصانات ہونگے۔ الطرق کلها مسدودة الاعلیٰ من اقتفی کتاب اللّٰه و سنة رسوله۔ یعنی معرفت کے دروازے بند ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو کتاب وسنت کی پیروی کریں۔

تو بات یہ ہے کہ اگر یہ تین کام درست تھے شریعت میں تو پھر حضرت موسیٰ کا اعتراض کرنا غلط ہے اور اگر شریعت میں غیر درست تو پھر حضرت خضرؑ کی بات غلط ہوئی۔ تو پہلے دو واقع مثلاً کشتی وغیرہ یہ دو واقع تو شریعت میں درست ہیں۔ کہ کشتی مسکینوں کی تھی تو تصرف رفع ضرر کے لیے درست ہے کہ نقصان سے بچنے کے لیے تصرف کیا جائے۔ اگر کشتی صحیح سالم ہوتی تو چھن جاتی تو یہ تصرف شرعاً جائز ہے۔ اور حضرت موسیٰ کا سوال اور یہ اعتراض انہیں علم نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو مطلب یہ

ہے کہ واقعہ شریعت کے مطابق ہے۔ واقعہ کا علم حضرت خضرؑ کو تھا حضرت موسیٰ کو نہ تھا۔ باقی رہا دیوار کا مسئلہ تو وہ سو فیصد شرع کے مطابق ہے ان لوگوں نے برائی کی مہمان نوازی نہ کی اس برائی کے بدلہ میں خضرؑ نے بھلائی کر کے بلا عوض دیوار کھڑی کر دی۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء
اگر مردی احسن الی من اساء

ادفع بالتی ھی احسن ۔احسن طریقے سے برائی دفعہ کرو تا کہ عداوت دوستی میں تبدیل ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اعتراض کیوں کیا۔ جواب یہ ہے کہ یہ لوگ مستحق تعزیر تھے۔ یعنی سزا کے مستحق تھے۔ کہ مہمان اسلام میں ایک اہم مسئلہ ہے یہاں تک کہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ایک آدمی مہمان ہو جائے اور لوگ اس کی مہمانی نہ کریں تو بقدر مہمانی زور سے لے سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو تو پتہ نہ تھا شیخ عزالدینؒ سے علامہ آلوسیؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر یتیم کا مال کسی کے پاس ہو اور ڈر لگ رہا ہو کہ یہ ضائع ہو جائے گا اور اسے معمولی عیب دار کر کے بچا سکتا ہے تو بچا لے مثلاً ایک یتیم کا گھوڑا ہے بادشاہ اسے چھیننا چاہتا ہے تو اس کا کان ذرا کاٹ کر عیب دار کر دیا تو یہ درست ہے۔ باقی یہ کہ بچے کو قتل کر دینا اس کا جواب یہ کہ خضرؑ پیغمبر ہیں اور ہر پیغمبر کی شریعت ہوتی ہے تو انہیں یقینی علم تھا کہ یہ بچہ یقینی کافر ہو گا اور اگر زندہ رہا تو اس کے والدین بھی کافر ہو جائیں گے تو قتل کر دیا تو ان کی شریعت میں ایسے قتل کی اجازت ہو گی نہ کہ موسیٰ کی شریعت میں۔ دوسری خاص بات یہ کہ ایسے کام تکوینی رنگ میں کبھی

بھی ہو جاتا ہے۔ تو یہ دوسرا جواب ہے کہ خضرؑ کی یہ تکوینی کاروائی ہے نہ کہ تشریعی اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰؑ رموز شریعت اور اسرار دینیہ کے ماہر تھے اور آپ اپنے علم کے مطابق احکام شرعیہ کے پابند تھے۔ حضرت خضرؑ کو ایک خاص قسم کا تکوینی علم عطا ہوا تھا لہذا آپ جو کچھ کرتے تھے وہ بھی صحیح ہوتا تھا۔ باقی رہا یہ کہ حضرت خضرؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟ رائج قول یہ ہے کہ اپنی زندگی گذار کر وفات پا گئے ہیں۔ تصوف کی کتب میں بعض ان کی زندگی کے قائل ہیں۔ مگر اذا اخذ اللّٰہ میثاق النبیین ۔ میں نے سب پیغمبروں سے وعدہ لیا ہے کہ جس کے زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم مبعوث ہوں تو ان پر ایمان لے آئیں اور ان کی امداد کریں۔ تو اگر خضرؑ زندہ ہوتے تو یقینی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں آتے اور بیعت کرتے اور غزوات بھی لڑتے تو ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ اب یہ صوفیاء کرام بھی برحق ہیں وہ جو خضرؑ کی ملاقات کے واقعات سناتے ہیں کہ فلاں جگہ ہوئے خضرؑ سے ملاقات ہوئی۔

ایک مرید نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خط لکھا کہ الیاسؑ اور خضرؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟ تو آپ نے مرید کو فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ مدت ہوئی آپ کا خط آیا تو میں نے خط میں اس لیے تاخیر کی کہ تحقیق مکمل نہ تھی چنانچہ مراقبہ میں گیا تو توجہ کی کہ حضرت الیاسؑ اور حضرت خضرؑ کی روحیں ملیں تو میں نے ان سے پوچھا آپ زندہ سے ہیں یا کہ مردہ سے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اموات میں سے ہیں۔ تو میں نے کہا بعض اولیاء کرام آپ کی ملاقات کے واقعات ذکر کرتے ہیں فرمایا ہم مر چکے ہیں مگر مرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے ہماری روح میں یہ اثر رکھا ہے کہ انسانی شکل اختیار

کر لیتی ہے اور امداد کر دیتے ہیں۔

بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت تو خود اللہ تعالیٰ نے بتلا دی۔ قل لو کان البحر مداداالکمات ربی ۔ اگر سمندر سیاہی بن جائے کلمات الٰہی لکھنے سے پہلے ختم ہو جائے۔ نیکی و بدی میں بھی صرف اللہ تعالیٰ سے پوچھیں کیونکہ اس کے علم و حکمت و دانائی کے برابر کسی کی حکمت و دانائی وغیرہ نہیں۔ تو اخلاق، عبادات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے امکانات پر چلیں تو محبت۔ عظمت و حکمت کا تقاضہ ہے کہ اللہ کی عبادت ہو اللہ کی حکمت معلوم کرنا بھی غلط ہے۔

اللہ ہمیشہ احکام پر زور دیتا ہے حکمت نہیں بتاتا۔ اجمل خاں کے متعلق یقین ہے کہ حکیم کامل ہے تو اس کے نسخہ میں حکمت نہیں پوچھتے اور اللہ کے جو عالم الغیب ہے اس کی بات میں حکمت پوچھتے ہو؟

عمل کرنے سے فائدہ ہے نہ کہ حکمت پوچھنے مین۔ اگر دوا استعمال نہ کی جائے اور حکمت پوچھی جائے تو کوئی فائدہ نہیں اور اگر دوا استعمال کی جائے اور حکمت نہ پوچھی جائے تو فائدہ ہوگا۔ اس لیے اللہ نے کہا کہ حکمت پوچھنے میں وقت ضائع نہ کرو عمل کرو۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے نماز کا فائدہ بتلایا ہے میں نے پوچھا کیا بتلایا ہے کہا بدنی ورزش ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ غلط کہا ہے یہ تو ایک ضمنی حکمت ہے اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اور نماز کے تو بہت فوائد ہیں۔

درس نمبر ۲۲

۵ مئی ۱۹۶۷ء

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی............ وانتم تعلمون۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ضرورت کے چار اسباب بیان کئے تھے۔ آج آخری چوتھا سبب اللہ کی حاکمیت پر بیان ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ حاکمِ کل ہے۔ یہ مسئلہ کہ اللہ کی حاکمیت مان کر بندگی کی جائے یہ قرآن میں ارشاد ہے۔ ان الحکم الاللّٰہ امران لاتعبدوا الاایاہ۔ کہ حاکم بھی اکیلا وہی ہے اور معبود بھی اکیلا وہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سبب عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی مثال۔

ہماری زندگی کے تین دور ہیں۔ (۱) دنیا، (۲) قبر، (۳) آخرت۔

ہماری زندگی ان تین اسٹیشنوں پر سے گذرتی ہے ہر ملک کا ایک آخری اسٹیشن ہوتا ہے زندگی کا آخری اسٹیشن آخرت ہے۔ اس لیے اس کا نام آخری رکھا گیا۔ زندگی کے ان تین دوروں میں سب سے چھوٹا دور دنیا ہے۔ اس سے بڑا دور قبر کا اور اس سے بہت بڑا آخرت کا ہے۔ دنیا کی زندگی کا دور اتنا مختصر ہے کہ آنکھ کی جھپک میں زندگی ادھر ادھر ہو جاتی ہے۔

غالب نے کہا

یک شرر بیش نہیں فرصت ہستی غالب
ہم بھی ہیں زندہ ایک برگ شرر ہونے تک

اس لیے اگر وقت بہت کم ہو اور کام بہت زیادہ ہو تو پھر چستی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک شعر کا مطلب ہے کہ اس مٹی کے برتن سے کامل انسان پیدا کرو۔ کہ تیری دنیا کی زندگی چنگاری کی مسکراہٹ ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ایک تعلیم یافتہ شخص نے قلب کی اصلاح کے متعلق پوچھا کہ قلب بگڑا ہوا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ تھے ہر شخص کو اس کی عادت کے مطابق بتلاتے تھے۔ تو دہلی کے مشہور شاعر نسیم کا شعر لکھ دیا کہ اسے تنہائی میں بار بار پڑھا کرو

نسیم اٹھو کمر کو باندھو اٹھالو بستر کہ وقت کم ہے

اتفاقی بات یہ ہے کہ کچھ دنوں بات خط آیا لکھا کہ حضرتؒ قلب کی حالت درست ہوگئی ہے۔ دنیا کے دور کے بعد کچھ زیادہ دوسرا قبر کا دور ہے۔ قبروں کے بسنے والے کتنی مدت سے بس رہے ہیں۔ اس کے بعد لامحدود زندگی آخرت کی ہے کہ ختم نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مسئلہ بیان ہو رہا تھا۔ تو آخر کے جو دو بڑے دور ہیں ان میں تو یقین ہے کہ اللہ کے بجز اور کوئی نہیں جانتا کہ مردوں پر کیا کچھ گذر رہی ہے۔ تو برزخی اور اُخروی کی حکومت محض اللہ سے مختص ہے وہاں کسی کا ہاتھ نہیں۔

لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار ۔آج ملک کس کا ہے کہ بڑے زوروالے اکیلے خدا کا ملک ہے۔تو معلوم ہوگیا کہ ان دودوروں میں اللہ کی حاکمیت کے علاوہ اور کسی کو خشخاش کے دانہ کے برابر بھی تعلق نہیں۔باقی رہی دنیا تو دنیا میں

(۱)انسان ہے، (۲)متعلقات انسان ہیں،

(۳)صفاتِ انسان ہیں، (۴)ارادات انسان۔

یہ کل چار چیزیں ہوئیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان پر کس کی حقیقی حکومت ہے وہ یہ کہ قرآن فرماتا ہے یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔کہ اللہ نے تم کو اور تمہارے بڑوں کو بھی پیدا کیا۔تو معلوم ہوگیا کہ انسان کی پوری مشینری ظاہری و باطنی اللہ کی تخلیق ہے نہ کہ اس میں کسی غیر کا ہاتھ ہے۔تو انسان کے وجود ذات پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔قرآن میں یہ بہت آیات سے متعلق ہیں۔

(۲)متعلقات انسان۔یعنی انسان کی زندگی جن چیزوں سے تعلق رکھتی ہے اور وہ تین چیزیں ہیں۔(۱)بقائی،(۲)تعاونی،(۳)یا تفریحی ہونگی۔بقائی کہ ہماری زندگی کی بقاء بہت چیزوں سے وابستہ ہے ان میں سے پہلے زمین لے لو صرف زمین کافی نہیں بلکہ آسمان وغیرہ کی بھی ضرورت ہے۔اگر صرف زمین ہو اور چاند ستاروں کی کشش نہ ہو اور سورج کی گرمی نہ ہو تو بھی زندگی نہیں اسی طرح آگ، پانی اور ہوا ہوئیں۔الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً وانزل من السماء مـاءً۔جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا پھر آسمان سے پانی اتارا۔

انسان کے بقائی سامان پر اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگئی کہ زمین چاند ستارے وغیرہ اللہ کے سوا کسی نے نہیں بنائے تو وجود کے تین قسم ہوئے۔ گذشتہ بقاء زندگی کے اسباب ہیں۔ (۲) تعاونی وہ یہ کہ انسان کے ذمہ بہت کام ہیں اگر ان کے لیے انسان کو اکیلا چھوڑا جائے تو بڑی مشکل ہو جائے تو ایک تعاون کی ضرورت ہے۔ تو تعاونی بھی اللہ کی بخشش ہے مثلاً اگر بیوی نہ ہو تو دفتر سے جب آئے گا تو ہنڈیا خود پکائے گا بچے کی پرورش بھی کرے گا تکلیف ہوگی۔ تو خانگی لحاظ سے عورت بیوی بھی تعاونی اسباب ہے۔ اولاد بھی تعاونی اسباب ہیں۔ قرآن: وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو نہ کہ برے کاموں میں۔

(۳) تفریحی اسباب:۔ مکمل خوشی اس وقت ہوتی ہے کہ اپنے مزاج کے مطابق دوست موجود ہوں۔ دوستوں کا وجود سامان مسرت ہے۔ معلوم ہوگیا ہماری ضروریات تفریحی اسباب کے علاوہ مکمل نہیں ہوتی یہ معاملہ فطرت کے رنگ میں ہے اسلام میں اور یورپ میں یہ معاملہ مصنوعیت سے ہے فتح الباری میں لکھا ہے السفر قطعة من النار۔ سفر آگ کا ٹکڑا ہے۔

امام الحرمینؒ کے والد امام جوینیؒ امام الحرمین غزالیؒ کے استاذ ہیں جب یہ حدیث پڑھانے لگے تو ایک آدمی نے سوال کیا کہ سفر کو آگ کیسے فرمایا گیا۔ جواب دیا فیه فراق الاحباب والوطن۔ کہ دوست اور وطن کی جدائی سے۔ آج تو یورپ نے تفریحی سامان کے سلسلہ میں کلب گھر بنائے ہوئے ہیں۔ تفریح تو ضروری ہے۔ اورنگ زیبؒ کے متعلق مشہور ہے کہ خوشحال خاں خٹک کو قید کیا بغاوت کے خوف کی وجہ

ہے۔انہیں معافی نامہ لکھنے کو کہا گیا وہ معافی مانگنے پر تیار نہ تھے تو سوچا گیا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہ معافی نامہ لکھ دیں تو طے یہ کیا کہ جیل خانہ میں ان کے ساتھ بیوقوف یعنی پاگل قید میں ڈالے جائیں۔ تو یہ تنگ ہونگے۔ تو احباب کا سلسلہ ایک بہت اہم سلسلہ ہے۔ لیکن اب ختم ہو چکا ہے۔ اب تو عقلمندوں سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ پہلے زمانے میں ایسا نہ ہوتا تھا۔ عقلمند کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو تعریف کی ہے اس سے بڑھ کر اور کسی نے نہیں کی۔ قرآن میں ہے۔

ان فی ذالک لایات لاولی الالباب ۔کہ اس میں عقل والوں کے لیے عبرت ونشانی ہے۔ یہ قرآن میں پہلی جگہ ہے کہ عقل والوں کی تعریف کی۔ عقل کے متعلق یہ مسلم مسئلہ ہے کہ کل انسان بے عقل نہیں۔ اور کل انسان عقلمند نہیں۔ کچھ عقلمند ہیں اور کچھ بے عقل ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا کہ عقلمند کون ہیں اور بے عقل کون ہیں۔ تو اگر ہر شخص فیصلہ کرنے والا بن جائے تو ہر شخص کہے گا کہ میں عقلمند ہوں۔ کوئی انسان اپنے آپ کو بے عقل نہیں کہے گا۔ لیکن خالق کائنات نے فرمایا عقل والے وہ ہیں۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھ کر، لیٹ کر۔ ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ۔وہ آسمان اور زمین کے کارخانے میں غور وفکر کرتے ہیں۔ یورپ والے بھی سوچ کرتے ہیں مگر بے فائدہ سوچ۔ سوچ کیا بتلائی کہ سورچ کر کہے ربنا ماخلقت ھذا باطلاً۔ کہ یا اللہ تو نے کوئی چیز باطل نہیں بنائی۔ یہ نتیجہ نکالا۔ اور تیسری چیز فکر آخرت۔ کہ زبان ذکر۔ قلب فکر۔ اور ذہن تصور آخرت میں مصروف ہو۔

کیا اس تعریف میں یورپ وامریکہ والے عقلمند ہیں؟ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ یورپ وامریکہ کے سائنسدانوں سے عرب کے بدو کی سوچ صحیح و درست ہے۔ یورپ کی سائنس سے یہ نتیجہ تو نکلنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا یقین ہو۔ جس کتاب کی عبارت و مضمون عمدہ ہو تو اس مصنف کی عمدگی و دانشمندی کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ پوری کائنات اللہ کی کتاب ہے۔ آج یورپ وامریکہ زمین سے آسمان تک اڑے ہیں۔ ذرہ ذرہ چھان ڈالا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں جانا۔ وہ خدا تعالیٰ کو نہ پہچان سکے۔ وہی سود، زنا اور شراب خوری وغیرہ باقی ہے۔

سائنس کی حکمت یہ کہ جس کی تم نے حکمت پائی ہے اس کو جانو۔ اس کو پہچانو۔

ایک بدو سے حضرت امام رازیؒ نے پوچھا کہ کیا خدا ہے کہ نہیں؟ قربان جاؤں اس بدو پر کہ صرف اونٹ کے پاؤں کے نشان کا علم اور اس کی مینگنی کا علم ہے مگر خدا کا قائل ہے۔ اس بدو نے کہا خدا تعالیٰ کے وجود کے دو دلیل ہیں۔ (۱) اونٹ کے قدموں کے نشان، (۲) مینگنی۔ البعرۃ تدل علی البعیر۔ کہ جہاں اونٹ کی لید یا مینگنی دیکھتے ہیں تو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس جگہ سے اونٹ گذرا ہے۔ واقدام الابل تدل علی المسیر۔ اور اونٹ کے پاؤں کے نشانات دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہاں سے اونٹ گذرا ہے۔ فاالارض ذات الطجاج والسماء ذات الابراج کیف لاتدلان علی الخبیر البصیر۔ کہ یہ چاند، سورج اور ستارے زمین وغیرہ یہ کیسے خبیر وبصیر پر دلالت نہ کریں گے۔ تو سائنس بھی ہدایت کی ہو گمراہی کی نہ ہو۔ کہ یورپ وامریکہ نے سینکڑوں سائنس حاصل کئے مگر نہ ملا تو خدا نہ ملا۔

تو تفکر کا نتیجہ بتلایا کہ اس نتیجہ پر پہنچو کہ ربنا ماخلقت ھذا باطلاً ۔کہ یا اللہ

تو نے کوئی چیز باطل نہیں بنائی ۔کائنات انسان کے لیے بنی انسان کس کے لیے بنا۔

آپ نے گھوڑے رکھے ہیں اور ان کی خدمت کے لیے نوکر رکھے ۔نوکر گھوڑے کے لیے ۔اور گھوڑے کس کے لیے؟ اگر گھوڑے کسی کے لیے نہیں تو سب کچھ عبث ہے۔تو اس کا معنی یہ کہ جہان انسان کے لیے اور انسان کسی کے لیے نہیں۔ سب کچھ غلط ہے۔ جہاں انسان کے لیے ہے اور انسان خالق جہان کے لیے ہے۔ وماخلقت الجن والانس الالیعبدون ۔کہ ہم نے انسانوں اور جنات کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔اب خالق کائنات نے عبادت کا حکم دیا۔سوال یہ کہ اگر عبادت کا فائدہ نہیں تو پھر یہ سارا کارخانہ کائنات بے فائدہ ہوا۔ایک لوہار بھی ایک میخ بے فائدہ نہیں بناتا۔خدا تعالیٰ اتنا بڑا کارخانہ کیسے بے فائدہ بناتا۔

ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلاً۔

وہ زمین و آسمان کی بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ بیکار نہیں بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہان انسان کے لیے۔انسان عبادت کے لیے۔اور عبادت جنت وجہنم کے لیے۔

اب اگر عقل کا اعتبار یہ چیزیں ہیں تو کیا یورپ والے اس میں شامل ہیں؟ یہ پورے قرآن میں صرف اس جگہ عقل کی تعریف آئی ہے جو ان کے علاوہ عاقل کی کوئی دوسری تعریف کرے گا تو جان لو اس نے اللہ کی کی ہوئی تعریف کو جھٹلایا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب تہجد میں یہ آیات پاک تلاوت کرتے۔ تو پھر یہ فرماتے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے اور اس سے عبرت حاصل نہ کرے تو اس کے لیے افسوس ہے۔ ترمذی کی حدیث نے تو اور وضاحت کردی۔ **الکیس من دان نفسہ۔**

جس کا نفس قابو میں ہو عقلمند وہی ہے۔ **وعمل لما بعد الموت**۔ اور آخرت کے لیے عمل کیا۔ **والاحمق الذی اتبع نفسہ ھواھا**۔ جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے تابع کردیا وہ احمق ہے۔ **وتمنی علی اللّٰہ**۔ اور اللہ پر غفور رحیم کی امید باندھی۔ ایک مرتبہ ہماری مجلس میں ایک صاحب اقتدار کا ذکر چلا جو اب مر چکا ہے۔ اس کی بہت تعریف بیان کی گئی ایک بوڑھا گنوار بھی بیٹھا تھا اس نے پوچھا کیا اسے نماز آتی تھی۔ سب خاموش ہو گئے۔ حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کیا یورپ والے عاقل ہیں فرمایا نہیں۔ اکل ہیں۔ یعنی صرف کھانے والے۔

تو بس جہاں انسان کے لیے اور انسان عبادت اور عبادت جنت وجہنم کے لیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو سب کچھ غلط ہے۔

آخرت دنیا کا نتیجہ ہے۔ جو آخرت کا قائل نہیں اس نے دنیا کو عبث جانا اور جس نے دنیا کو عبث جانا اس نے خدا تعالیٰ کی تمام کائنات کو عبث جانا۔ آج تو چھوڑو یہ تو دور ہی احمقوں کا ہے۔ غزنویؒ کے وقت بھی عقلمندوں کو یہ دنیادار بیوقوف کہتے تھے۔ انوریؒ ایک مشہور شاعر گذرا ہے اس نے دیکھا کہ عقلمندوں کے حالات بہت خراب ہیں تو اس نے جل کر یہ شعر کہہ ڈالا۔

عیش اندر جہاں خراں کردند
کاش کہ انوری خر بودے

جہان میں گدھے (بیوقوف) عیش وعشرت کی زندگی بسر کررہے ہیں کاش کہ انوری گدھا ہوتا۔

حافظ شیرازیؒ کے دور میں بھی یہی کچھ تھا کہ عقلمند کی کوئی قدرومنزلت نہ تھی انہوں نے بھی اشعار فرمائے ہیں۔

کہ اسپ تازی یعنی عمدہ نسل کا گھوڑا اپنے اوپر ناکارہ زین رکھنے کی وجہ سے زخمی ہوچکا ہے اور زریں لگام یا پٹہ گدھے کے گلے میں ڈالا گیا ہے۔ اور مزید فرمایا کہ بیوقوفوں کو شربت گلاب میسر ہے جبکہ عقلمند جگر کے خون سے روزی کھاتا ہے۔ یہ تو زمانہ قدیم کا حال ہے، ہمارا زمانہ تو اور بھی گندہ ہوچکا ہے۔

درس نمبر ۲۳

۷ مئی، ۱۹۶۷ء

تشریح عبادت

یاایھا الناس اعبدوا ربکم.......... وانتم تعلمون۔

اس سے پہلے درس میں یہ بیان جاری تھا کہ اللہ ہمارا معبود ہے اس کے ہم پر کیا فرائض ہیں۔ تو اس سلسلہ میں حاکمیت کا بیان جاری تھا۔ ہمارے وجود اور متعلقات وجود۔ صفات اور عادات پر اسکی حاکمیت ہے۔ سب سے اوّل یہ کہ خوبصورتی اور بدصورتی اللہ کے قبضے میں ہے۔

کروڑ پتی اپنے آپ کو خوبصورت نہیں بنا سکتا۔ خلقک فسوک فعدلک فی ای صورۃ ماشاء رکبک۔ اسی طرح صحت اور مرض یہ بھی صفات ہیں۔ نمرود کے دربار میں حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا گیا کہ تیرا خدا کون ہے؟ فرمایا۔ واذا مرضت فھو یشفین۔ کہ جب بیمار ہوتا ہوں تو شفاء وہی دیتا ہے۔ دیکھو پیغمبر کو اللہ سے کیا تعلق ہے اور کیا عاجزی ہے۔ دیکھو مرض اور شفاء دونوں خدا تعالیٰ دیتے ہیں مگر مرض اپنی طرف منسوب کی اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ مرض ناگوار حالت ہے اللہ کی طرف منسوب کرنے میں بے ادبی ہوتی ہے آج بزرگوں کا ادب ہے مگر نہیں تو خدا کا نہیں۔

اس کے بعد اللہ یبسط الرزق لمن یشاء۔تو فقر وغنی۔انسانی صفات ہیں اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔آخری چیز مختصر بیان کرتا ہوں کہ وہ یہ کہ انسان کا ارادہ ہے۔دنیا وغیرہ میں انسانی وجود کی آخری چیز ارادہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے ارادوں پر بھی میرا راج اور حکومت ہے۔وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ جب تک اللہ تمہارے ارادہ کا ارادہ نہ کرے تم ارادہ نہیں کر سکتے تو اتنی عظیم ذات سے بے فکر رہنا کتنی بدبختی اور قہریت ہے۔پانچویں چیز اطاعت اور فرماں برداری کے لیے حسن ہے یعنی حاکمیت کے بعد حسن۔حسن معنی خوبصورتی۔اللہ نے فرمایا کہ اگر تم حسن کی کشش اور رونق پر مرتے ہو۔ایران کے مجوسی آگ کی چمک اور خوبصورتی پر عبادت کرتے تھے۔ایک ظاہری خوبصورتی ہے اور ایک باطنی خوبصورتی ہے۔کہ ہم امام اعظمؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی عظمت وعزت کرتے ہیں۔ یہ وجہ نہیں کہ وہ خوبصورت تھے بلکہ ان کی بزرگی اور علم کی وجہ سے تو حسن بھی عبادت کا سبب ہے اور حسن کی دو قسم ہے۔(۱) حسنِ ظاہری، (۲) حسن باطنی۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخر یہ حسن کہاں سے آیا؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے۔تو تمام عبادات کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔اس میں بنیادی چیز (۱) عبادت کی تشریح، (۲) مقامِ عبادت۔اور (۳) اقسام عبادت۔

عبادت کی تشریح: اس کا نام عربی زبان کے ماہرین میں سے امام راغبؒ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ ایک ہے عبودیت کہ اپنی ذلت اللہ کے سامنے رکھنا اور ایک ہے عبادت۔وھو ابلغ منھا۔عبادت وہ ہے کہ اظھار غایة التذلل۔کہ انتہائی

ذلت ظاہر کرنا یہ معلوم ہوا کہ بندگی: اللہ کے آگے مٹ جانے کا نام ہے۔ انسان مٹی سے بنا اور مٹنے کے لیے بنا۔

ترمذی شریف میں ہے۔ جاء المتکبرون یوم القیامۃ۔ میدان قیامت میں متکبر لوگ آئیں گے کامثال الذر فی صورت الرجال۔ انسانی شکل میں چیونٹی کی مانند۔

جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر فخر و تکبر ہوگا جنت میں نہ جائے گا۔ ذلت بڑائی کی ضد ہے اس لیے امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ اظھار غایۃ التذلل۔ کہ انتہائی ذلت کا اظہار عبادت کا نام ہے۔ تو انتہائی احسان جس کا ہو اس کی عبادت ہو۔ تو سب سے بڑا محسن اللہ تعالیٰ ہے تو اس کی عبادت کیجائے۔ جس طرح آگ اور گرمی لازم و ملزوم ہیں۔ اسی طرح خدا اور عبات لازم و ملزوم ہے۔

مقام عبادت: عبادت مقصد کائنات ہے۔ عام لوگ عبادت صرف نماز کو کہتے ہیں۔ اس کی تشریح آئے گی کہ یہ تو قسم عبادت ہے۔ تو مقام عبادت یہ کہ عبادت مقصد کائنات ہے۔ وما خلقت الجن والانس الالیعبدون۔ کہ میں نے انسان اور جنات کو عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اس میں تو بیان ہوا کہ عبادت مقصدِ انسان ہے۔ مگر میں نے کہا کہ عبادت مقصدِ کائنات ہے۔ اس لیے کہ باقی کائنات کا مقصد خود انسان ہے۔ وسخر لکم مافی السمٰوٰت وما فی الارض۔ اور مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہم نے پوری کائنات کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ کائنات کو عبادت کے لیے رکھا کیونکہ کائنات کو خدمتِ انسان کے لیے رکھا اور

انسان کو عبادت کے لیے رکھا۔ اگر انسان مقصد پورا نہ کرے تو انسان بیکار جب یہ بیکار تو وہ کارخانہ کائنات جو اس کے لیے بنا وہ بھی بیکار ہو گیا۔ قرآن: افحسبتم انما خلقنا کم عبثاو انکم الینا لاترجعون۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے۔ تو بتانا یہ ہے کہ مقصد کا بھی مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً برتن بنانے کا کارخانہ، تو برتن کارخانے کا مقصد ہو گیا۔ اور برتن کا کیا مقصد؟ اس کا مقصد کھانے پینے کی چیزوں کا تحفظ۔ اب اس کارخانے سے برتن سوراخ والے بنتے ہیں ثابت نہیں ہوتے اب اگر تحفظِ اشیاء خوردنی کا مقصد پورا نہ ہو سکے تو معلوم ہوا کہ برتن بے مقصد ہے جب برتن بے مقصد تو کارخانہ بھی بے مقصد۔ تو بعینہٖ یہ ہے کہ پوری کائنات ایک کارخانہ ہے اگر یہ اپنا مقصد پورا نہ کرے تو سب کچھ بے فائدہ ہے۔ عبادت سے کارخانہ عالم باکار ہو جاتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔ لاتقوم الساعة حی لایقال فی الارض اللہ اللہ۔ کہ زمین پر جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا ہو گا تو کائنات کی تباہی نہ ہو گی۔ قیامت نہ آئے گی۔ جب ایک بھی نہ رہے گا تو پھر کہیں گے کہ اب کائنات کا رہنا عبث ہے اب اسے ختم کر دینا چاہیے۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ کائنات کا مقصد خدمتِ انسان ہے تو پورے انسانوں کو عبادت گذار ہونا چاہیے اگر سب کریں تو کائنات بامقصد ہے ورنہ نہیں بلکہ بے مقصد ہے؟ مطلب یہ کہ جب سارے عبادت گذار نہیں تو پھر کائنات تو بے مقصد ہوئی۔ میں نے جواب دیا کہ مقصد میں کلیت کی ضرورت نہیں۔ جزئیت بھی ہے مثلاً میں نے کہا کہ بھینس کا وجود چھ من ہے اور دودھ آٹھ سیر ہے۔ اور پھر دودھ اس کے صرف تھنوں میں ہے نہ کہ سر نہ کہ

پشت نہ کہ ٹانگوں میں۔ تو میں نے کہا کہ بھینس کو باقی اس وقت تک رکھنا ہے جس وقت اس کے خالص حصہ شیردان میں دودھ ہو نہ کہ پورے اعضاء میں۔ تو معلوم ہو گیا کہ مقصد کسی بھی حصہ سے نکلے تو مقصد پورا ہو گیا۔ اسی طرح مقصد عبادت ہے چاہیے جزئیت ہو۔ اور اگر بھینس خشک ہو جائے تو اس کا مقام قصاب ہے۔ جب دنیا میں ایک اللہ اللہ کرنے والا نہ رہا تو کائنات کو ایک منٹ بھی نہیں رکھا جائے گا۔

ایک جلسہ میں گیا مجھے کہا گیا کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ مولوی کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ آج اس مضمون پر تقریر ہو۔ تو اس پر تقریر کی خیر جو کچھ کہا۔ مختصر بیان کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ مولوی کا وجود آسمان، ستارے اور پوری کائنات کے لیے ضروری ہے۔ مولوی سے مراد علماء حق ہیں یعنی حقیقی اور سچے علماء۔ وہ علماء مراد نہیں جو امت کو لڑا کر یا بگاڑ کر جیب بھریں۔ اللہ تعالیٰ ایسے علم سے بچائے۔ علماء ربانیین کی پوری کائنات کو ضرورت ہے کیونکہ عبادت کون سکھاتا ہے؟ مولوی سکھاتا ہے اور جب تک عبادت رہے گی تو دنیا رہے گی اور جب عبادت ختم تو پوری کائنات ختم ہو جائے گی۔

حدیث پاک: **اذا مات العالم یستغفر له من فی السمٰوٰت والارض حتی الحیتان فی الماء** ۔ کہ جب عالم مر جائے تو پوری کائنات حتیٰ کہ سمندر میں مچھلیاں بھی اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے علماء کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔ آج کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ جو دفتروں وغیرہ میں کام کرتے ہیں انہیں تو باکار کہا جاتا ہے۔ اور جو کائناتی فلسفہ کے لحاظ سے کار (کام) ہے کہ علماء

حضرات کا مساجد و مدارس میں قرآن وعلوم عربیہ پڑھانا یعنی دین کا کام کرنا اسے بیکار کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ عربی مدارس پر اعتراض کرتے ہیں۔ کیا دین روٹی کمانے سے روکتا ہے؟ بلکہ دین والے کو روٹی میں برکت ہوگی۔ یہ یورپ کی ذلت و ذہنی غلامی ہے کہ باکار شخص کو بیکار کہتے ہیں۔

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

عبادت جب اپنے کمال کو پہنچ جائے تو اس کا نام تقویٰ ہے وہ مدارِ شرافتِ انسانی ہے۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم۔ اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے عزت والا وہ ہے جس کے پاس تقویٰ ہو۔ یہ ہے بنیادی چیز۔ معلوم ہو گیا کہ اللہ کے نزدیک بڑی قیمت اس کی ہے جو عبادت کرے۔ وہ اس لیے کہ عبادت انسان کا مقصد ہے۔ جو زیادہ عبادت یعنی مقصد پورا کرے وہ زیادہ قیمتی ہے۔ جس طرح زیادہ دودھ دینے والی بھینس زیادہ قیمتی ہے۔

کسی آدمی کی بینک میں کثیر رقم ہو اور زمین بھی بہت ہو وغیرہ اور عبادت و نیکی وغیرہ نہیں۔ تو ایسے آدمی کی مثال اس بھینس کی طرح ہوئی کہ جس کے سینگھ خوبصورت مڑے ہوئے ہوں۔ قد و قامت اور کھال کی پوری خوبصورتی ہو اور صحتمند بھی ہو مگر دودھ نہیں جو اس کا مقصد ہے۔ ایسی بھینس کی کیا قیمت ہوگی؟

بخاری شریف میں ہے۔ قام النبی صلی اللّٰہ علیہ و الہ وسلم بالیل حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقدغفر اللّٰہ لک ماتقدم من ذنبک وماتأخر قال افلااکون عبداً شکوراً۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات کو عبادت کے لیے اتنا قیام فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قدم مبارک سوج (متورم) ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) اگلے پچھلے سب کی مغفرت کر دی ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ بہر حال عبادت کی کثرت میں قیمت ہے۔ جتنی زیادہ ہوگی اتنا نور بڑھے گا۔

عبادت کی اقسام: عبادت کی اقسام کی تحقیق کی جاتی ہے عبادت کی دو قسم ہے۔

(۱) عبادت جبری (۲) عبادت اختیاری

جبری عبادت کے لحاظ سے تو پوری کائنات عبادت گذار ہے۔ کیونکہ جبری کا معنی یہ کہ امتثال احکام قدرت۔ کہ قدرت خداوندی کی تعمیل کرنا۔ امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں تسخیری لفظ لکھا میں نے آسان کر کے جبری بیان کر دیا۔ تو خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک حکم یہ ہے کہ فلاں مریض ہو جائے تو مرض کے حکم الٰہی کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جب بوڑھا کرنا چاہیے تو کوئی بڑھاپے والے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ موت کا حکم بھیجے تو کوئی یورپ وغیرہ ٹال نہیں سکتا۔ ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اتی الرحمٰن عبداً۔

کہ کائنات میں تمام اشیاء سر جھکائے ہوئے ہیں۔ یہ جبری عبادت کے متعلق آیت ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ جبری عبادت لکل الکائنات ہے۔ اور عجب بات ہے کہ جبری عبادت کی ایک کوڑی قیمت نہیں رکھی کیونکہ اس میں گنجائش نہیں کہ اس کے

خلاف کرے۔

دوسری ہے عبادت اختیاری کہ امتثال احکام شریعت۔ کہ اس میں مختار بنا کر شرع بھیجی کہ شرع پر چلو نہ چلو مگر زمین پر رہنے دینا ہے۔ مثلاً شریعت میں ایک احکام روزہ اور نماز وغیرہ کے ہیں انہیں کوئی ادا کرتا ہے اور کوئی نہیں ادا کرتا۔ اور جبری یہ کہ کسی کو اُف کرنے کی طاقت نہ ہو۔ اور اختیاری میں ہمیں مختار بنایا ہے کہ شریعت کے احکام بھیجے اور اختیار دیئے کہ شریعت پر چلو گے تو جنت ورنہ نتیجہ جہنم ہوگا۔ فمن شاء فلیئومن ومن شاء فلیکفر۔ اب اختیاری عبادت جو ہے وہ ہمارے دین کا خلاصہ ہے۔ وما خلقت الجن والانس الالیعبدون۔ ہم نے جن وانس کو عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اس کا معنی یہ تو نہیں کہ صرف نماز کے لیے پیدا کیا کہ صرف نماز پڑھنا نہیں بلکہ اس میں عبادات واخلاقیات وغیرہ سب شامل ہیں۔ کیونکہ اخلاق وغیرہ بھی عبادت ہیں۔ اقسام عبادت کی تشریح سے پہلے ذرا مختصر طور پر عبادت شرعی کی تحقیق بیان کرلوں کہ انسان کی قسمت سے عبادت کب وابستہ ہوئی۔ عبادت اختیاری صرف انسان سے وابستہ ہے ملائکہ اور دوسری کائنات سے وابستہ نہیں۔ عبادت کا معنی عقدہ تکلیف کہ مکلّف بنانا۔ کائنات جب بنی تو اس کی ایک قیمتی چیز بنی وہ ہے عبادت۔ قرآن نے اس کو امانت بیان کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ امانت کس کو سونپوں۔ دیکھا صرف انسان اس کے ذمہ دار بن سکتے تھے۔ انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض۔ کہ دینی ذمہ داری یا امانت یا عبادت کو میں نے آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ کوئی انہیں قبول کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو جانتا تھا کہ کون

اہل ہے مگر یہ صرف تمہیں سمجھانے کے لیے ہے۔فابین ان یحملنھا ۔توانہوں نے یہ بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا۔توان کی حقیقت اس قابل نہ تھی کہ عبادت کا بوجھ برداشت کریں۔و اشفقن منھا ۔اوروہ ڈر گئے۔وحملھا الانسان۔اور آخر انسان نے اٹھایا۔کیوں اٹھایا اس لیے کہ وہ نادان اور جاہل تھا۔لوگ عام طور پر اس آیت کا مطلب نہیں جانتے کہ اُدھر تو کہتے ہیں کہ انسان نے اس عہدہ کو قبول کیا اور آگے فرمایا کہ جاہل تھا۔مطلب یہ کہ اس کو قبول نہ کرتے۔تو اس شبہ کی تشریح کرتا ہوں۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت یا امانت انسان کے حصے میں آئی کیونکہ اس میں جہل اور ظلم کی صفت تھی اور باقی کائنات میں نہ تھی۔ظالم اس کو کہتے ہیں کہ انصاف کی طاقت ہو اور انصاف نہ کرے۔دیوار ظالم نہیں کیونکہ دیوار میں عادل بننے کی طاقت نہیں۔اور جہول اس کو کہتے ہیں کہ فی الحال عالم نہیں مگر عالم بننا چاہے تو اس میں قابلیت علم ہے علم حاصل کرسکتا ہے۔اس لیے آدمی۔آدمی کو کہہ سکتا ہے۔دیوار کو جاہل نہیں کہہ سکتا۔تو اگر فی الحال جاہل ہے تو عالم بن سکے اور فی الحال ظلوم ہے تو عادل بن سکے جب اس عہدہ کے لیے اس قابلیت کی ضرورت تھی۔بزرگان کا قول ہے کہ ایک کائنات وہ ہے جو علم سے خالی ہے تو جو علم سے خالی ہے وہ تو نہ ظلوم ہیں اور نہ جہول باقی فرشتے وہ ہمیشہ عالم و عادل ہیں ان سے ظلم و جہالت نہیں ہوسکتی۔تو ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو متضاد چیزیں رکھتی ہو کہ اگر عادل بنے تو عمر بن عبدالعزیز بنے اور

اگر ظالم بنے تو حجاج سے بڑھ جائے اور اگر عالم بننا چاہے تو امام بخاریؒ بن جائے۔

جب فرشتوں نے انسان کی تخلیق پر اعتراض کیا تو کہا انی اعلم مالا تعلمون ۔کہ میں زیادہ جانتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا نائب رکھا آسمانوں میں نہیں رکھا اس لیے کہ آسمانوں میں کوئی گناہ نہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ عادلیت کو ظاہر کرنے کے لیے انسان کو نائب بنایا اس پر فرشتوں نے کہا کہ وہ تو بے انصاف ہونگے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی تو وجہ ہے کہ بے انصافی ہو گی تو انصاف ہوگا۔اگر ملک میں جرائم نہ ہوں تو نائب خدا بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو معلوم ہو گیا کہ امانت یا عبادت کا حقدار صرف انسان ہے۔اور وہ اس لیے کہ اس میں چار صفتیں ہیں اس لیے وہ اس کے حقدار ہیں۔

انا عرضنا الامانة على السمٰوٰت والارض ۔ہم نے امانت کو زمین آسمانوں وغیرہ پر پیش کیا انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔یعنی کہ ہم نے دینی عبادت کو سب پر پیش کیا ان کی طبیعت نے انکار کیا اور انسان کی طبعیت قابل ہے وہ عالم۔عادل۔جاہل اور ظالم بھی ہے۔کائنات نہ نیکی نہ بدی کر سکتی ہے اور ملائکہ صرف نیکی کر سکتے ہیں۔صرف انسان ہی ہے کہ اس میں سب صفتیں موجود ہیں اسے اس بوجھ سے فائدہ بھی ہے اور جہنم والا خطرہ بھی ہے۔دنیا میں قرآن اور آخرت میں جنت سب سے بڑی نعمت ہے۔جبرائیلؑ کے علاوہ باقی سب ملائکہ کو قرآن شریف کی

تلاوت والی نعمت حاصل نہیں ہے دیکھو فجر کی نماز میں جب

اذا قال الامام امین فقولوا امین فان الملائکة یقولها فمن وافقت تامینه تامین الملائکة غفرله ماتقدم۔

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں پس جس کی آمین فرشتوں سے موافق ہوگئی اس کے گناہوں کی بخشش ہوگئی۔

درس نمبر ۲۴

جمعہ ۱۲ مئی، ۱۹۶۷ء

توحید تکوینی و تشریعی

یاایها الناس اعبدوا............... وانتم تعلمون۔

عبادت کے اقسام کا بیان ختم ہوا اب توحید کی دو قسموں کا بیان ہے۔ توحید تکوینی و تشریعی۔

اسلام کا مایۂ ناز عقیدہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہے جو لا الٰہ الا اللّٰہ کا نتیجہ ہے۔

تکوینی یہ کہ انسان اللہ کی قدرت کے فیصلوں پر قلب سے راضی ہو خواہ وہ بظاہر نفع میں ہو یا نقصان میں ہو وہ فیصلے حسب ذیل ہیں۔

مثلاً مرض و صحت کے فیصلے کبھی مرض دیتا ہے اور کبھی صحت مند بنا تا ہے۔

فقر و غنا کا فیصلہ۔ کبھی فراخی اور کبھی تنگدستی دیتا ہے۔ یعنی رزق میں وسعت یا تنگی۔

اولاد۔ کبھی اولاد عطا کرتا ہے اور کبھی چھینتا ہے۔

یہ اللہ کی قدرت کے فیصلے ہیں جو روز بروز ہوتے ہیں۔ کل یوم هو فی شأن۔

تو تکوینی کا معنی یہ کہ اس کے خلاف تدبیر نہ کرے بلکہ اس فیصلے پر راضی ہو۔ اسے تفویض یا رضاء بالقضاء کہتے ہیں۔تو جو آدمی موحد ہوگا وہ یہ دیکھے گا کہ اللہ نے میری جائیداد واولاد وغیرہ میں جو فیصلے کئے ہیں یہ اس کے تکوینی تصرفات ہیں اور وہ ہی ان تصرفات کو جاننے والا ہے اس لیے مجھے اس کے فیصلوں پر راضی ہو جانا چاہیے۔

تفویض کا معنی تدبیر ترک کرنا نہیں۔مثلاً اللہ کے قدرتی فیصلہ نے مرض دی تو ہم علاج ضرور کریں باقی اللہ تعالیٰ سے گلہ وشکایت کرنا یہ توحید کے خلاف ہے۔تو رضاء بالقضاء کا معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ قلب سے راضی ہو جانا۔تو تدبیر بھی اللہ کا حکم ہے تو اس خیال سے تدبیر کرے مثلاً آدمی کسی سبب سے بیمار ہوا تو موحد یہ جانے کہ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے اور اللہ حکیم۔مالک اور مہربان ہے اس لیے اللہ کا فیصلہ قلب میں بُرا نہ سمجھے بلکہ علاج اس حیثیت سے کرے کہ اللہ کا قانون ہے کہ ہر مریض علاج کرے تو اس طرح تفویض اور تدبیر دونوں جمع ہو گئے۔

حضرت تھانویؒ سے تفویض کا معنی پوچھا گیا فرمایا ترک تجویز۔کہ آدمی اپنی تجویز ترک کر دے۔اللہ کے فیصلوں کے سامنے گردن نہاد ہونا۔اپنی تجویز چھوڑ دے مثلاً آدمی کہتا ہے کہ میری تجویز ہے کہ مریض نہ بنوں اور اولاد وجائیداد میں نقصان نہ ہو ان چیزوں کو ترک کر دو بلکہ تجویز کو اللہ پر قربان کر دو۔اس میں راحت بھی ہے کیونکہ کام درحقیقت تو اللہ کی تجویز پر چلنا ہے۔تو جب یہ تصور ہوگا تو جو کام بھی اپنی تجویز کے خلاف ہوگا اس میں تکلیف نہ ہوگی۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ اور حضرت بہلولؒ کا واقعہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ وقت کیسے گذرتا ہے کہا بحمد اللہ اچھا گذرتا ہے کوئی کام ہماری منشاء کے خلاف نہیں چل رہا۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ آپؒ نے تو خدائی کا دعوٰی کیا ہے فرمایا نہیں ہم نے تو اپنی رضاء کو اللہ کی رضاء پر قربان کر دیا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی اس خیال سے اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کرے کہ مجھے چین نصیب ہوگا تو فرمایا کہ یہ ثواب نہیں بلکہ تفویض اللہ ہونہ کہ قلب کی خاطر۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ ان من سعادة المرء۔

کہ فلاں بندہ اللہ کے ہاں نیک بخت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان یرضیٰ بما قضی اللہ له۔

اللہ کی رضا پر راضی ہو۔ و ان من سخط اللہ السخط بما قضی اللہ له۔

اور جو اللہ کی رضاء پر غصہ میں ہو تو اللہ بھی اس سے راضی نہیں۔ تو رضاء بالقضاء اللہ کو محبوب ہے۔ دارالابتلاء۔ حدیث میں کہ سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں پر ڈالی جاتی ہیں پھر ان کے جو قریب ہیں پھر جو ان کے قریب ہیں۔ حدیث میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جتنی مجھے تکلیف پہنچائی گئی اور کسی کو نہ دی گئی۔

کبھی کڑوی دوا مرض ہٹانے میں درست وعمدہ ثابت ہوتی ہے (کہ زہر بھی کرتا ہے کبھی کارِ تریاقی) والد ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والد ماجد آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیدائش سے پہلے فوت ہوگئے۔ اسی

طرح والدہ بھی ہر شخص کو محبوب ہوتی ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی والدہ ماجدہ جب فوت ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر مبارک صرف چھ برس کی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آٹھ سال کی عمر میں تھے کہ دادا حضرت عبدالمطلب بھی وفات پا گئے۔

جس مکہ میں پیدا ہوئے اور تھے بھی سردار کی اولاد اور وہاں ۵۳ سال عمر بھی بسر کی اسی مکہ کا ایک ایک فرد دشمن اور تکلیف دہ بن گیا۔ بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ والدہ، والد اور دادا کے بعد بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ وفات پا گئیں۔ اور آخر وطن سے بھی محبت ہوتی ہے اور وطن بھی خیر الوطن ہو اس سے بزور نکالے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ واللّٰہ انک لاحب البلاد الی ولولا قومک اخرجونی ما خرجت۔ قسم بخدا کہ تو مجھے سب ملکوں سے پیارا ہے اگر تیری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں نہ نکلتا۔

اس کے بعد اولاد سے محبت ہوتی ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد میں حضرت قاسمؓ، حضرت طیبؓ، حضرت ابراہیمؓ، حضرت طاہرؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ باقی سب نے مکہ شریف میں وفات پائی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بغیر باقی سب نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی۔

یہ ہے اولاد۔ والدین اور ترک وطن کا صدمہ۔ دس سال کے عرصہ میں ۲۱ جنگیں ہوئیں مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم رضا بالقضا پر ہمیشہ راضی رہے اور اپنے منہ مبارک سے کبھی بھی ایک ناگوار لفظ نہیں نکالا۔

اتنی تکالیف کے علاوہ عبادت بھی خوب کی اتنی کی کہ حتی تو دمت۔کہ پاؤں سوج جاتے تھے۔آج تو کسی کو کوئی معمولی تکلیف ہوجائے تو منہ سے کافرانہ الفاظ نکالتے ہیں۔یہ غلط ہے بلکہ راضی ہونا چاہیے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ مصیبت سے تو تکلیف ہوگی اور رضا بالقضا کا معنی ہے کہ راضی ہوجائیں۔مطلب یہ کہ اسے راحت سمجھیں تو راحت اور تکلیف کیسے جمع ہوگی۔

فرمایا اللہ تعالیٰ سے تو حقیقی محبت ہوتی ہے۔دوسری جو گندی محبت عورتوں وغیرہ سے ہوتی ہے تو دیکھو عاشق کمزور اور لاغر ہو تو وہ محبوب اسے پتھر وغیرہ مارے تو وہ عاشق ایسی صورت میں راحت محسوس کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر کسی نے پوچھا حضرتؒ کہ دکھ اور سکھ جمع کیسے ہوسکتے ہیں؟ فرمایا کیا تم نے کبھی دہلی کے چٹپٹے کباب کھاۓ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔فرمایا حال بتاؤ کہ زبان سے لطف اور مزے لے رہے ہوتے ہو لیکن آنکھ سے مرچ کی وجہ سے آنسو ٹپک رہے ہوتے ہیں۔کیا یہ دکھ اور سکھ جمع نہ ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے عجیب وغریب ہوتے ہیں اگر آدمی رضاء بالقضاء نہ کرے تو آخر آدمی پھر کرے گا کیا؟

حضرت شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے فیصلے سے راضی ہو جاؤ چہرے کی تنگی نہ کرو (ترش رومت بنو) کیونکہ اس میں اللہ نے ہمارے اختیار کا دروازہ نہیں کھولا ہے (یعنی ہمیں اختیار نہیں) یہ تو گویا تکوینی فیصلے ہیں۔

تکوینی تعریف: ولنبلونکم بشئی من الخوف...... وانا الیه راجعون۔

ہم تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے کچھ خوف سے۔ بھوک اور مال کی کمی سے اور جان کے لینے سے اور پھلوں کی کمی سے۔ ان لوگوں کو بشارت سناؤ جو خدا کے اس تصرف کو ہمت و خوشی سے برداشت کریں اور کہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کے پاس واپس جائیں گے وہی کامیاب و ہدایت پانے والے ہیں۔ یہ تکوینی تصرف ہوا۔

تشریعی تصرف: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تشریعی فیصلے کئے ہیں۔ قدرتی فیصلوں میں موحد کا فرض ہے کہ رضاء بالقضاء ہو۔ اور شرعی فیصلے کے متعلق قرآن: فلا وربک لایؤمنون۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تیرے پروردگار کی قسم ہے لایؤمنون۔ کہ کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک۔ حتی یحکموک فیما شجر بینھم۔ یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم زندہ ہیں اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت کو فیصلہ کن وجج تسلیم نہ کرے۔

ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت۔

اگر شرعی فیصلہ مخالف ہو جائے تو قلب میں اس شرعی فیصلے کے خلاف تنگی محسوس نہ کرے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ ویسلموا تسلما۔ کہ اس پر عمل کرنے میں گریز نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ توحید فی التشریع کیا چیز ہے۔ وہ تین شرائط ہیں۔

۱۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شریعت کو فیصلہ کن اور جج تسلیم کرے۔
۲۔ اس شرعی فیصلے کو تسلیم میں تنگی محسوس نہ کرے۔ بلا چون وچرا مان لے۔
۳۔ اور اس شرعی فیصلے پر عمل کرنے میں گریز نہ کرے۔

باقی یہ ہے کہ جو آدمی شرعی فیصلے کو تسلیم ہی نہیں کرتا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ یعنی خدا کے قانون میں شک وشبہ پیدا کرے۔ یہ ان تینوں سے بڑھ کر مجرم ہے کیونکہ یہ شرعی قانون میں ترمیم کرنا چاہتا ہے اور وہ اس لیے کہ یورپ اباجان اسے پسند نہیں کرتا۔ دوصورتیں ہیں۔ ایک ہے قانون کی خلاف ورزی اور ایک ہے قانون پر اعتراض۔

قانون کی خلاف ورزی قصداً ہو تو وہ گناہ ہے کفر نہیں۔ مگر قانون الٰہی پر اعتراض تو کفر ہے۔ یہی تخلیقِ انسان کی کاروائی کہ دو معاملے ہوئے ایک امر اور دوسرا نہی۔ کہ کرو اور نہ کرو۔ یہ دونوں احکام ہیں دونوں کی خلاف ورزی حکم کو توڑنا ہے۔ حضرت آدمؑ بنائے گئے تو فسجدوا الا ابلیس۔ کہ ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ مطلب یہ کہ حکم کا انکار کیا۔ سجدہ کی تعریف آگے آنے والی ہے۔ اس نے یہ حکم معترض بن کر توڑا۔ ابلیس سے پوچھا گیا۔ مالک الاتسجد اذامرتک۔ کیوں تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا ابلیس جواب دیتا ہے۔ انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین۔ کہ میں آگ سے اور وہ مٹی سے ہے میں بہتر اور وہ کہتر ہے بہتر کہتر کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ اسے چاہیے کہ وہ مجھے سجدہ کرے۔ یہ ہے اعتراض۔

دیکھو آج کے لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کو زمانہ کے مطابق ڈھالو۔ میں کہتا ہوں کہ زمانہ کو اللہ کے فیصلہ کے مطابق ڈھالو۔ زمانہ ساتھ نہ دے تو اس سے لڑ پڑو اس

کا رُخ حکم الٰہی و قرآن کے مطابق بناؤ تم بھوسے کا تنکا نہ ہو کہ ہوا کے جھونکے اڑاتے پھریں بلکہ کوہ (پہاڑ) بن جاؤ کہ ایک جگہ اسلام پر چمٹے رہو۔ یہ کوئی بات ہے کہ اسلام کو زمانہ کے مطابق کرو؟ میں کہتا ہوں کہ زمانہ اگر دس گنا اور ترقی کر لے تو یہ قرآن اب بھی اسے توڑ سکتا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

کوئی ربانی عالم نہ بدلنے دے گا چاہے اسے آگ میں کوئلہ بنا دیا جائے۔

ٹوپی اور سر والا معاملہ ہے اگر ٹوپی چھوٹی بڑی ہو تو اسے سر کے برابر کرتے ہیں یا کہ سر کو کاٹ پھاٹ کر ٹوپی کے مطابق کرتے ہیں؟ یقینی بات ہے کہ ٹوپی کو چھوٹا یا بڑا کر کے سر کے برابر کرتے ہیں۔

سر ایک ہے ٹوپیاں بدلتی ہیں۔ قرآن ایک ہے زمانہ بدلتا ہے۔ اب اگر سر کو ٹوپی کے مطابق بنایا جائے تو یہ احمقی ہے۔ تو کرنا یہ چاہیے کہ ٹوپی کو سر کے مطابق بنایا جائے اور اسی طرح زمانہ کو قرآن کے مطابق کریں۔ واللہ سبحانہ اعلم آج کہتا ہے کہ سود حلال ہے یا حرام؟ سود حلال ہے یا نہیں شراب تو چھوڑ نہیں سکتا۔ میں تو صاف کہونگا کہ اس بدمعاشی پر مولوی کبھی ساتھ نہیں دے سکتا۔

تو یورپ کی بے دینی سے متاثر ہو۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ یہ چیز ہونے کی نہیں کہ مولوی ساتھ دے۔ یہ تو وہی بینگن والی بات ہوئی کہ مریض نے کہا کہ آپ کے نسخے میں تنگی ہے اور حکیم نے کہا کہ تمہاری بستی میں تنگی ہے میں نے تو سو چیزیں

بتلائی ہیں صرف بینگن سے پرہیز بتلائی ہے۔یعنی صرف ایک چیز سے منع کیا ہے۔

تو اللہ نے بھی ہزار چیزیں جائز کی ہیں صرف ایک سود کو حرام کیا ہے۔ یہ تو دین، مولوی اور اسلام میں تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے۔ وما جعل علیکم فی الدین حرج۔ اللہ نے دین میں تنگی نہیں رکھی۔ باقی یہ کہو کہ دین تمہارے ہر معاملہ میں ساتھ دے۔ (یعنی تمہاری غلط سوچ کو جائز قرار دے) یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت تھانویؒ اس کی مثال یوں فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے جسم کے حصے پر شیر کی تصویر بنانا چاہی تو جب کاریگر نے آلات سے جسم کو کریدنا شروع کیا تو درد ہوا ہندو نے کہا کیا بنا رہے ہو اس نے کہا دم بنا رہا ہوں تو ہندو نے کہا کیا دم کے بغیر شیر نہیں ہوتا اسے مت بناؤ غرضیکہ اسی طرح ہر عضو کے بنانے پر درد کی صورت میں ہندو کہتا اسے چھوڑ دو آخر وہ کاریگر کہنے لگا کم بخت یہ کیوں نہیں کہتا کہ شیر بنانا چھوڑ دو۔

آج بعینہ اسی طرح مغرب زدہ طبقہ ہم سے کہتا ہے کہ اسلام سے فلاں فلاں چیزیں نکال دو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بدبختو اگر واقعی ہمارے بدن کے مطابق اسلام کا نقشہ فٹ نہیں ہوسکتا تو یہ نہ کہو کہ اسلام سے فلاں فلاں چیز نکال دو بلکہ اسے ایک ہی بار ختم کردو (یہ جملہ سخت غصہ کی حالت میں فرمایا)۔

تو ابلیس نے حکم پر اعتراض کیا ادھر حضرت آدمؑ کو فرمایا تھا و لاتقربا ھٰذہ الشجرۃ۔ کہ اس درخت کے قریب مت جانا۔ یہ بھی حکم ہے دونوں نے خلاف کیا مگر حضرت آدمؑ کا فعل خدا کے حکم پر اعتراض نہ تھا اور یہ کھانا بھی گناہ نہ تھا کیونکہ جان کر نہ کھایا بلکہ بھول تھی۔ فنسی ولم نجد لہٗ عزما۔ کہ وہ ہمارا حکم بھول گئے۔

الم انهكما عن تلكما الشجرة ۔کیا میں نے تمہیں روکا نہ تھا لیکن تو اگرچہ وہ بھول گئے تھے۔مگر گناہ نہ ہونے کے باوجود بھی انہوں نے اپنے آپ کو گناہگار ظاہر کیا۔ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

کہ اے رب تعالیٰ ہم نے غلطی کہ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اگر تو نہ بخشے ہمیں تو ہم خسارہ پانے والوں سے ہونگے۔

تو ابلیس نے اعتراض کیا اور آدمؑ نے بھول کر یہ کام کیا۔تو اس پر حکم یہ ہوا کہ و کان من الکافرین ۔اور ساتھ ہی اسے راندہ درگارہ کردیا گیا فاخرج منھا وانک رجیم۔تو قیامت تک لعین ہے۔یہ کیوں کہ تم نے (شیطن) نے انکار کیا۔ آج تم بھی خدا سے انکار کر کے الگ ہو جاؤ۔

اور حضرت آدمؑ کے لیے فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم۔

حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھے بس اس کی توبہ قبول فرمائی بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

درس نمبر ۲۵

اتوار ۱۴ مئی، ۱۹۶۷ء

شرک کی تشریح نمبر ۱

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم...... انداداً و انتم تعلمون۔

توحید فی العبادت کا بیان ہے۔اس کے تمام متعلقات بیان ہو چکے ہیں۔یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارا ایمانی کلمہ اسی سے شروع ہوتا ہے۔لاالـــہ الااللّٰــہ۔کہ عبادت کا حقدار بغیر اللہ کے کوئی نہیں۔تو اگر توحید فی العبادت نہ ہوتو کلمہ پڑھنا نہ پڑھنا بالکل ایک ہے۔کیونکہ اس صورت میں تو زبان نے کہا دل نے تو نہ مانا یہ تو منافق ہوگیا۔

ومن الناس من یقول امنا........... وما ھم بمؤمنین۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور اللہ کہتا ہے کہ وہ مؤمن نہیں۔قرآن کا دوتہائی حصہ توحید فی العبادت ہے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیم توحید فی العبادت ہے۔بہرحال کلمہ۔قرآن اور انبیاءؑ کے ارشادات توحید فی العبادت ہیں۔اسلام کو فخر بھی توحید فی العبادت پر ہے۔اسی توحید کے مقابلے میں یعنی ضد میں شرک ہے تو جو توحید نہ مانے اسے شرک کہیں گے۔

تفسیر الجواہر کی پہلی جلد صفحہ ۴۲۰ پر امام فخر الدین رازیؒ سے منقول ہے کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا تعلق ہے تو آسمان کے نیچے کوئی شخص بدترین نہیں گذرا جو اللہ کو ایک نہ مانتا ہو۔ اس بات پر سب کافر متفق ہیں کہ اللہ کی ذات میں اور صفات میں کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اس کے باوجود بھی شرک رہا اس کی کیا وجہ ہے؟ دیکھو اپنے ہاتھ سے بت بنایا اور اس کی پوجا کی۔ کہتے ہیں کہ تاریخ کا یہ ایک عجیب باب ہے۔ تو شرک دنیا میں کس طرح آیا۔ اور کہاں سے آیا۔ اور کیوں آیا۔

بظاہر تو عقل کے خلاف ہے۔ کہتے ہیں شرک کی بات یہ ہے کہ ہر مذہب میں اُس مذہب کے بزرگ لوگ گذرے ہیں۔ (اگر یہ بات امام رازیؒ ذکر نہ کرتے تو عقل حیران رہ جاتی) تو لوگ ان بزرگوں کے پاس آتے اور کہتے کہ ہماری فلاں مشکل ہے اللہ سے دعا مانگو کہ اللہ ہماری مشکل حل کردے۔ یہ تھا پہلا مرحلہ۔ پوری عمر کی نیکی شرک سے تباہ ہو جاتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بڑے زور سے بیان کیا ہے کہ آخرت کی ساری پونجی توحید ہے۔ اور جن ہستیوں کے بارے میں شرک کا امکان بھی نہیں ہو سکتا انہیں قرآن فرما رہا ہے۔

ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی طرف اور تم سے پہلوں کی طرف وحی کی گئی (تم تو پاک ہو) اگر فرض کرلو کہ تم سے شرک ہو گیا تو تمہارے اعمال ضبط کر لیے جائیں گے۔

پہلا مرتبہ یہ تھا کہ معتقدین اپنے اپنے بزرگوں سے دعا منگواتے تھے۔
دوسری منزل یہ کہ ان کے مرنے کے بعد مزار پر جاتے تو ان سے دعاء کرواتے۔
تیسری منزل یہ کہ رفتہ رفتہ ان بزرگوں کی شکل یا تصویر بنادی۔ بس اس کے سامنے بیٹھ جاتے اور اس سے کہتے کہ اب بھی اللہ سے ہمارے لیے دعا مانگو۔ اس کے بعد جب عقل والے مرگئے اور بے عقل پیدا ہوئے تو چوتھی منزل یہ تھی کی یہی ہی مشکل کشا ہے۔ بس یہاں پر شرک کا معاملہ ختم ہوگیا۔ اور اصل بت پر نفع وضرر کا معاملہ رکھا۔

کہتے ہیں کہ شرک کی گندگی یہ ہے کہ اللہ کی توحید کا بیان ہوتا ہے جنہیں آخرت کا یقین نہیں تو ان لوگوں کے دل بگڑ جاتے ہیں۔

امام رازیؒ نے جو کچھ بیان ہے یہ بعینہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھو کہ مشرکوں نے جن بزرگوں کو شرکاء ٹھہرایا ہے وہ سب اچھے لوگ تھے۔ مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی پوجا کرتے ہیں وغیرہ۔ ویسے تو ہندو بھی بتوں سے کہتے تھے کہ ہماری سفارش کردو نہ کہ ان سے مانگتے تھے۔ **ولئن سألتهم من خلق السمٰوٰت والارض ليقولُنّ خلقهن العزيز العليم** ۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ انہیں اللہ غالب اور علیم نے پیدا کیا ہے۔

تو خواب میں حضرت امام حسن وحضرت امام حسینؓ کے ہاتھوں میں قلم ہے فرماتے ہیں **رأيتُ الامامين الحسنؓ والحسينؓ وانا بمكة هذا قلم جدنا** ۔ کہ یہ ہمارے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قلم ہے اس کو اٹھا کر شرک کو توڑو۔ تو

حجتہ اللہ البالغہ میں باب الشرک میں فرماتے ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک نہ مانے ایسا تو کوئی کافر نہیں گذرا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کیا جائے اس میں بھی کوئی کافر نہیں گذرا۔

۱۔ شرک فی الذات ۲۔ شرک فی الصفات۔ وھٰذالم یحبث فی کتب الاسلامیه۔ کہ اسلامی کتابوں میں ان پر بحث نہیں کی۔

۳۔ شرک فی التصرف۔ اس پر قرآن نے بحث کی ہے کیونکہ یہی شرک رائج تھے کہ قادر مطلق پر بڑے بڑے کام رکھے (سپرد کئے) اور چھوٹے چھوٹے کام کچھ پیغمبروں اور کچھ فرشتوں وغیرہ کو دیئے (سپرد کئے) یہ تو اللہ تعالیٰ کو انسان کی طرح کمزور سمجھنا ہے۔ حالانکہ اللہ تو پوری کائنات کا کام ایک سیکنڈ میں کر سکتا ہے۔ ولقد خلقنا السمٰوٰت و الارض وما بینهما فی ستة امام وما مسنا من لغوب۔ بیشک ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں پیدا کیا ہے اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں۔

اسے تھکان آئے ہی کیوں وہ تو ارادے سے کام کرتا ہے کوئی ہاتھ تو نہیں چلاتا۔ انما امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون۔ اس کا معاملہ صرف یہ ہے کہ جب ارادہ کسی چیز کا کر لیتا ہے تو فرماتا اس کو ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ سب عبادتوں کی جڑ (بنیاد) تصرف ہے۔

مسئلہ: کہ نفع و نقصان کی دو شکلیں ہیں۔ (۱) اسبابی، (۲) فوق الاسبابی۔ مثلاً ایک ظاہری اسباب سے تعلق رکھنے والے۔ آپ کے ہاں کوئی روٹی وغیرہ پہنچاتا ہے

یہ بھی نفع ہے ان چیزوں میں اللہ کے سوا کسی دوسروں سے نفع ونقصان ماننا یہ شرک نہیں۔

اور دوسرا یہ ہے کہ ظاہری اسباب نہ ہوں بلکہ صرف اتنا ہو کہ فلاں بزرگ ارادہ کردے تو میرا کام ہوجائے گا یہ شرک ہے کیونکہ ارادہ سے کام کرنا صرف اللہ کا کام ہے۔

اور فوق الاسباب۔ تو شاہ ولی اللہؒ باب الشرک میں فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ غیبی طاقت کے ذریعہ کام بنا لیتے ہیں یہ شرک ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ کسی مقدس ہستی کے متعلق عقیدہ رکھنا کہ وہ غیبی طاقت سے کام بناتا ہے اسی کو شرک فی العبادت کا نتیجہ کہتے ہیں۔

شرک فی التصرف کہ جب عقیدہ ہوگا تو اس کے مزار پر بکرا بھی ذبح کرے گا اور بھی سب کچھ کرے گا۔ تو اللہ کے بعد دوم ہستی حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرمایا جارہا ہے۔ **قل لاملک لنفسی نفعا ولا ضرا**۔ اے موحدین کے امام، اے شرک کی جڑیں کاٹنے والے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تم انہیں کہدو کہ تم کو تو چھوڑ و خود میں اپنے نفس کے لیے بھی فائدہ اور نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ سن لو! ہمارا ایمان ہے کہ اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سچے ہیں انہوں نے سچ فرمایا ہے۔

والذین یدعون من دونہ مایملکون من قطمیر ۔ کہ لوگ جن مقدس ہستیوں کو اپنی حاجت کے لیے پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ خرما کی گٹھلی کے

باریک چھلکے کے برابر بھی طاقت نہیں رکھتے۔

مثلاً کراچی وغیرہ میں اگر میرا کوئی شاگرد رہتا ہو میں بہاول پور سے کہوں کہ پانی لاؤ تو لوگ مجھے بیوقوف کہیں گے۔ کہ وہ تو بات بھی نہیں سن سکتا اور دوسرا یہ کہ وہ جو اس کام کا اہل نہ ہو اسے کہا جائے کہ میرا کام کردے۔ مثلاً آدمی کسی قلی کو کہے کہ مجھے ڈی سی لگادو وغیرہ۔

وان تدعوهم لایسمعوا دعائکم۔ اگر اللہ کے سوا پکاروگے تو وہ تمہاری سنتے نہیں۔ **ولو سمعوا ما استجابو الکم** ۔ اگر فرض کیا جائے کہ سنتے ہیں تو وہ تمہارا کام نہیں کرسکتے۔ **ویوم القیمة یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر** ۔ وہ (غیراللہ) قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور تمہیں کوئی خبر نہیں دیگا اللہ خبیر کے مثل۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ چھٹی صدی ہجری میں بہت بڑے پیر گذرے ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ان کے مرید ہیں۔ شیخ معین الدین اجمیریؒ ان کے مرید ہیں۔ ہمارے شیخ مکیؒ شیخ ابوصالح کے مرید ہیں اور ابوصالح ان شیخ جیلانیؒ کے مرید ہیں۔ ان حضرات سے کرامتیں وارد ہوئی ہیں۔ کرامتیں اور معجزات فعل خدا ہیں۔ یہ شرک نہیں۔ فتوح الغیب کے صفحہ ۵ کی یہ عبارت

اس کے علاوہ مجدد الوسیؒ نقشبندی سلسلہ کے ہیں ایک واسطہ سے شاہ غلام علیؒ سے ملتے ہیں۔ سورۃ حج کے آخر میں روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہمیں توحید پر فخر تھا (یعنی مسلمان کو) مگر توحید کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ (کہ ہمارا دین اسلام منسوخ دین

(عیسائیت و یہودیت) والوں کے لیے مذاق بن گیا ہے۔ مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰ سے مرادیں مانگتے ہیں (اور خدا مانتے ہیں یہ کچھ اونچا شرک کیا) اور یہودیوں کے حضرت عزیزؑ ہوئے۔ ہندوؤں کے تین بت ہوئے۔ مگر مسلمان کے لیے زمین پر جتنی قبریں ہیں وہ سب ان کی مرادیں ہیں (یعنی قبر والے سے مرادیں مانگتے ہیں خدا کا نام ہی نہیں)

(۱) شرک توحید فی التکوین کے خلاف ہے۔ (۲) توحید فی التشریع

(۱) توحید فی التکوین یہ ہے کہ ایک پتہ بھی اللہ کے ارادہ کے بغیر نہیں مل رہا۔

حدیث: الدعاء مخ العبادۃ۔ دعاء عبادت کا مغز ہے (کہ مراد مانگنا تو عبادت ہے) یہ کہنا کہ سجدہ وغیرہ عبادت ہے نہیں بلکہ سب کچھ عبادت ہے۔ تو اللہ ہی نفع ونقصان کا مرکز ہے اسی سے مانگو۔ ہاں اتنا درست ہے کہ کسی بزرگ سے دعاء منگوالی کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اے اللہ فلاں نیک آدمی کی وجہ سے میرا کام کردے۔ یہ بھی شرک نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ شرک زیادہ تر غیر عرب میں پھیلا۔ ایک مرتبہ ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے گدی نشین تشریف لائے ایک آدمی نے ان کی خدمت میں دودھ پیش کیا تو کہا ای شئی۔ کیا چیز ہے اس شخص نے کہا گیارہویں کا دودھ ہے۔ پھر جب اس کی تفصیل بتائی گئی تو انہوں نے فرمایا ہمارے ہاں تو اس نام کی کوئی چیز نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا نذر ماننا۔ قسم کھانا۔ نفع و نقصان میں مختار سمجھنا یہ شرک ہیں۔ یہ چیزیں تو توحید فی التکوین کے سلسلے میں

ہو گئیں۔اولیاء کرامؒ کا اپنا مقام ہے اور انبیاءؑ کا اپنا مقام ہے۔ ہمیں دونوں سے محبت ہے۔لیکن شرک نہ ہو۔

خیر کثیر صفحہ ۱۰۵ پر شاہ ولی اللہؒ سے نقل ہے۔ وطلب الحوائج من الموتی عالمابانه سبب انجاحها کفر۔فوت شدہ بزرگوں سے مرادیں مانگنا۔کفر۔کفر ہے۔ تحرمه بهذه الکلمة لااله الا اللّٰه۔کہ یہ کلمہ (لااله الا اللّٰه) اسے حرام بناتا ہے۔کہ یہ کلمہ کہتا ہے کہ مرادیں مانگنا صرف ایک (اللہ) سے ہے والناس فیها منهمکون۔کہ بہت سے لوگ اسمیں (یعنی شرک میں) ڈوبے ہوئے ہیں۔

(جتنا بڑا ولی ہوگا اتنا بڑا موحد ہوگا۔حضرت بایزید بسطامیؒ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں یہ حضرت شیخ جیلانیؒ سے پہلے گذرے ہیں۔جب یہ فوت ہوئے تو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟ فرمایا جب اللہ کے سامنے پیش ہوا تو سوال ہوا کہ (اے بسطامی کیا لائے ہو؟) تو سوچا کہ کیا چیز اللہ کی بارگاہ میں پیش کروں۔تو زبان سے نکلا کہ توحید لایا ہوں۔تو ایک فقرہ سنائی دیا اما تذکر لیلة اللبن۔کہ دودھ والی رات معلوم نہیں۔تو مرید نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے؟ فرمایا ایک بار نماز عشاء سے فارغ ہو کر گھر آیا دودھ پیا پیٹ میں درد ہو گیا میرے منہ سے نکلا کہ پچپش دودھ سے ہوئی ہے۔تو اس کلمہ کو بارگاہ الٰہی نے برداشت نہ کیا کہ فرمایا اما تذکر لیلة اللبن۔کہ دودھ والی رات یاد نہیں۔(دودھ کو خدا کا ساجھی بنایا)۔

ولاتقولن لشئی انی فاعل ذالک غداً الا ان یشاء اللّٰه۔کہ یہ نہ کہو کہ کل کروں گا بلکہ یہ کہو کہ اگر اللہ نے چاہا (کرونگا)۔

حدیث شریف کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس مین ایک شخص آیا اس نے بات کے دوران کہا ماشاء اللّٰہ و شئت ۔ کہ اللہ نے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چاہا تو۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا بئس ما قلت ۔ کہ یہ تو نے بُرا کلمہ کہا ہے (صرف یہ کہو کہ اگر اللہ نے چاہا) قولوا ماشاء اللّٰہ وحدہ۔

پیر و فقیر ہیچ کاروبار عالم
ہمہ کاروبار از قوت یزدانہ
خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اکبرؒ
یہی وہ در ہے جس میں ذلت نہیں سوال کے بعد

حدیث: کہ انسان مانگنے پر ناخوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے۔
(مطلب یہ کہ اللہ سے جتنا زیادہ مانگو وہ اتنا زیادہ خوش ہوتا ہے)

حدیث: کہ حتی الملح ۔ کہ نمک بھی خدا سے مانگو۔ اگر جوتی کا تسمہ ہو تو بھی خدا سے مانگو۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جس درجہ کی توحید ہمارے بزرگ حضرت شیخ جیلانیؒ کر گئے ہیں ہمیں بھی اسی درجہ کی توحید کرنی چاہیے۔

درس نمبر ۲۶

جمعۃ المبارک ۱۹ مئی، ۱۹۶۷ء

توحید فی التشریع

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... اعدت للکفرین۔

اس سے پہلے توحید فی العبادت کا بیان تھا۔ کہ جو عبادت بھی ہو اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اور عبادت صرف سجدہ کا نام نہیں بلکہ بہت سی چیزیں بیان کیں کہ وہ بھی عبادت ہیں۔

توحید فی التشریع: یعنی توحید تشریعی۔ تو توحید فی التشریع کا معنی یہ کہ غیر عبادت کو عبادت نہ بنایا جائے گو وہ عبادت خدا کے لیے کی جائے۔ ایسی عبادت کو بدعت کہتے ہیں۔ توحید فی التشریع کا معنی یہ کہ اللہ عبادت دینے اور حکم دینے میں ایک ہے۔

بدعت: **بدیع السموٰت والارض**۔ کہ خدا تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بے مثال بنایا۔ یعنی جس وقت بنایا اس وقت آسمان وزمین کا نمونہ نہ تھا۔ اس لیے علماء نے بیان کیا کہ بدعت یہ ہے کہ ایسی نیکی (یعنی عبادت) تراشی جائے جو صحابہ کرامؓ وغیرہ کے وقت نہ تھی۔

احداث طاعۃ لم توجد فی القرون الاولی۔

ایسی نیکی گھڑنا جو خیر القرون میں نہ تھی۔ یہ ہے بدعت کی تعریف۔

بدعت کی علمی تحقیق تو گہری ہے (اس کی عوام الناس کی مجلس میں ضرورت نہیں) لیکن سرسری چیز لاتا ہوں۔

آدمی بدعت کو محبت رسول سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے عداوت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت امام مالکؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ مدینہ طیبہ میں لوگ دور دراز سے سفر کر کے آئیں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑھ کر عالم نہ پائیں گے۔

کتاب الاعتصام میں امام مالکؒ فرماتے ہیں من احدث طاعة لم تحدث قبل ۔جس نے نیکی بنائی جو پہلے نہ تھی۔تو معلوم ہوا کہ اپنے ذہن ودماغ سے قرآن کو تراش کر نیکی بنائی جائے اسے بدعت کہتے ہیں۔

امام نوویؒ نے کتاب الاذکار اور امام سیوطیؒ نے اتقان میں فرمایا ہے کہ قرآن کو بوسہ دیں یا نہ دیں۔تو اس سے روایت مل گئی کہ روزانہ نہیں کبھی کبھی صحابہ کرامؓ قرآن شریف کو بوسہ دیتے تھے۔

کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار ۔ہرنئی نیکی (یعنی من گھڑت) گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ آگ ہے۔اب دیکھیں کہ درود شریف کا بڑا ثواب ہے۔خودخدا کا حکم ہے۔ان اللّٰہ وملائکة یصلون علی النبی ۔اب دیکھنا یہ ہے کہ درود شریف کس طرح پڑھا جائے۔تو ہم صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھیں گے کہ وہ کسطرح پڑھتے تھے۔صحابہ کرامؓ کو جب یاد آگیا بیٹھتے چلتے اسی وقت پڑھنا

شروع کردیتے تھے یہ نہیں کہ پڑھتے پڑھتے کھڑے ہوگئے یہ کھڑا ہونا صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں۔

امام مالکؒ نے جو فرمایا من احدث طاعة لم تحدث قبل ۔جس نے ایسی نیکی بنائی جو پہلے نہ تھی آگے فرماتے ہیں من اتی بدعة ظن ان محمداً قداخطاء رسالته۔فقد زعم ان رسول الله خان الله۔ایسے شخص نے یہ معنی لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خیانت کی ہے۔(معاذ اللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو معاذ اللہ غدار کہا) کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ کی دی ہوئی پوری نیکیاں امت کو نہیں پہنچائیں۔علماء نے لکھا ہے کہ بدعت بظاہر تو معمولی چیز معلوم ہوتی ہے مگر وہ اتنی بری ہے کہ اس سے تو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔کیونکہ انسان اسے تو گناہ سمجھتا ہی نہیں بلکہ نیکی سمجھتا ہے۔قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا ۔اعلان کردو کہ میں ان لوگوں کے متعلق بتاؤں جو اعمال سے نقصان اٹھانے والے ہیں۔وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاً۔کہ وہ تو گمان کرتے ہیں کہ وہ تو نیکی کررہے ہیں۔

نیکی و بدی بنانا انسان کے بس میں نہیں۔(کہ نیکی و بدی خود بنائے)

آگے امام مالکؒ فرماتے ہیں فما لم يكن في ذالك احدديناً لايكون اليوم ديناً ۔کہ جو چیز دین سے پہلے نہ ہو وہ آج بھی دین نہیں۔ایک ایک صحابیؓ دنیا کے تمام ولیوں سے بالاتر ہے ان کے عرس نہیں ہوئے۔ہاں یہ کرلیا جائے کہ کوئی تاریخ مقرر نہ ہو کسی دن کسی بھی جگہ بیٹھ کر ایک عالم مجلس میں اس بزرگ

کی زندگی پر روشنی ڈالے (یعنی بیان کرے) لیکن مردوں اور عورتوں کا میلہ لگانا منع ہے۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں لعن اللّٰہ الیھود والنصارٰی اتخذو اقبور انبیائھم مساجد ۔ اللہ نے یہود و نصارٰی کو لعنت دی ہے (کہ انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا)۔ لا تجعلو اقبری عیداً ۔ میری قبر کو میلہ نہ بناؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر کو سجدہ کیا اس نے لعنت کمائی۔

بعض بدعتیں ہم نے عیسائیوں اور بعض دوسرے کافروں سے لی ہیں۔ مثلاً آجکل رواج ہے کہ اجلاس کی ابتداء قرآن کی تلاوت سے ہوتی ہے تو یہ رواج ہے کہ جب تلاوت ہوتی ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قرآن کی محبت تو جزوِ ایمان ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں تلاوت کے وقت کوئی کھڑا تھا؟ چار یارؓ کے وقت یا چاروں اماموں کے وقت کوئی کھڑا ہوتا تھا؟ نہیں ہوتے تھے۔ تو معلوم ہو گیا کہ اگر یہ نیکی ہوتی تو صحابہ کرامؓ اور آئمہ کرامؒ اسے کرتے۔ یہ حقیقت عیسائیوں سے لی گئی ہے۔ کہ عیسائیوں کا رواج تھا کہ انجیل کی تلاوت کے وقت کھڑے ہو جاتے تھے۔

بہادر شاہ ظفرؒ کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ دہلی کے لال قلعہ کے دروازے پر کچھ تبرکات خاص کمرے میں رکھے ہوئے ہیں تو کسی خاص دن میں وہاں سے تبرکات اٹھا کر قلعے کے اندر بادشاہ وغیرہ کے لیے لائے جاتے تھے تو حضرت شاہ اسماعیلؒ نے ایک مرتبہ اسکی ممانعت پر تقریر فرمائی (کہ تبرکات بادشاہ کے پاس نہ لے جانے چاہیں بلکہ بادشاہ کو ان کی زیارت کے لیے خود چل کر جانا چاہیے) تو بادشاہ اور

اس کی والدہ سخت مزاج تھیں وہ ان خاص دنوں میں زیارت کرنا اچھی چیز سمجھتی تھیں انہوں نے اس کے خلاف تقریر سنی تو ناراض ہو گئے۔ دوسرا بادشاہ کی والدہ بی بی فاطمۃ الزہراؓ کی ارواح کے لیے کھانا پکاتی تھیں جس کے پکانے میں خاص شرائط اور پابندیاں تھیں اس کھانے کا نام (بی بی کی صحنک) اس کھانے کا ہر بندوبست بھی عورت نے کرنا ہوتا ہے۔ اور کھاتی بھی صرف عورت ہی ہے۔ جب ان رسومات کے خلاف حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے وعظ فرمایا تو گرفتاری کے وارنٹ نکالے گئے۔ گرفتار ہو کر دربار میں لائے گئے۔ تو مولاناؒ نے السلام علیکم کہا اس وقت دربار میں السلام علیکم کی بجائے آداب عرض کہتے تھے۔ تو بادشاہ کی والدہ نے اعتراض کیا کہ تم نے بی بی کے کھانے کو منع کیا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اسماعیل کی کیا طاقت کہ وہ بی بی کے کھانے کو منع کرے بلکہ بی بی کے کھانے کو تو اس کے والد نے منع کیا ہے۔ تو حدیث سنائی من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھورد۔ کہ جو بات ہمارے دین میں نہ ہو اور اسے رائج کیا جائے تو وہ مردود ہے۔ تو یہ حدیث پاک سن کر بادشاہ کی ماں نے کہا کہ میری توبہ میں آئندہ نہ کرونگی۔ پھر تبرکات کے بارے میں کہا کہ تم نے تبرکات کے لائے جانے پر اعتراض کیوں کیا ہے۔ تو حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جواب دیا کہ یہ تبرکات تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھے کیا اس وقت بھی کسی نے یہ کام کیا۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کیا تبرکات کی زیارت درست ہے؟ فرمایا ہاں درست ہے مگر ایک تو زیارت کے لیے کوئی خاص دن نہ مقرر کیا جائے دوسرا تبرکات کو اپنے پاس نہ لایا جائے بلکہ آپ کو وہاں زیارت کے لیے جانا چاہیے۔ پھر

فرمایا کہ جن تبرکات کی آپ زیارت کرتے ہیں وہ ایک لاٹھی یا ایک جبہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جسم مبارک سے لگی ہیں مگر سینے میں تو نہ رہیں تو آپ کے ساتھ صحیح البخاری کتاب تھی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سینے مبارک میں رہی ہے آپ نے اس کی نہ زیارت کی ہے اور نہ عظمت کی ہے۔ یہ ہے بدعت۔ محبت صحابہ کرامؓ و محبت اولیاء کرامؒ جزو ایمان ہے۔ آج تو بزرگان دین کے گدی نشین صاحبان ان بزرگوں کے عقائد چھوڑ گئے ہیں (ان کی تعلیمات کو ترک کر دیا ہے)

پچھلے دنوں میں اوچ شریف سید جلال الدین بخاریؒ کے مزار پر گیا وہاں معلوم ہوا کہ ان کی اولاد شیعہ بن گئی ہے۔ اسی اوچ شریف میں رافضیہ کا رواج ہوا تو سید جلال الدین بخاریؒ کے مرشد نے انہیں رافضیہ کے رد کے لیے اوچ شریف بھیجا کہ وہاں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایمان کی مدد کرو اور سنی مسلک کی تبلیغ کرو اور آپؒ نے قلمی کتب بھی شیعہ کی رد میں لکھی ہیں اور وہ اب تک قلمی شکل میں ان کے پاس موجود ہیں شرم کی وجہ سے دکھاتے نہیں (مجھے دکھائی ہیں) دوسرے گدی نشین پیر شمس الدین گیلانی صاحب مجھے اپنے ڈیرہ پر لے گئے اور کتب خانہ بھی دکھایا میں نے کہا پیر صاحب آپ کے بزرگوں نے تو شیعہ کے خلاف کتابیں لکھی ہیں مگر سنا ہے کہ آپ کے گھروں میں شیعہ عورتیں آ گئی ہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک سید شیعہ بن گئے اور ہمیشہ نشہ کی حالت میں رہتے تھے۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ جب گذرے تو ان کی زیارت کے لیے لوگوں کا ہجوم تھا۔ جب آگے بڑھے تو اس سید نے حضرت فضیل ابن عیاضؒ کو ہاتھ سے پکڑا اور کہا

اسے مجوسی (حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے والدین مجوسی تھے) اس لیے مجوسی کہا تو کہا کہ اے مجوسی لوگ تیری تعظیم کرتے ہیں لیکن میں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہوں میری نہیں کرتے۔ جواب دیا کہ سید صاحب میں نے تیرے نانا کا دین، علم، تقوی، عمل اور لباس اپنایا میری تعظیم ان کی وجہ سے ہورہی ہے یعنی دراصل تیرے نانا کی تعظیم و تعریف ہورہی ہے اور آپ نے میرے دادا مجوسی کا لباس وغیرہ اپنایا اس لیے آپ کی کوئی تعظیم نہیں کرتا۔

بلخ و بخاری میں رواج ہوگیا کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد لوگ مصافحہ کرتے تھے ایک عالمِ دین آیا اس نے کہا کہ یہ تو بدعت ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں یہ دو نمازیں نہ تھیں؟ کیا اس وقت مصافحہ ہوتا تھا؟ خیر لوگ اس عمل سے باز آگئے کیونکہ اچھے لوگ تھے۔ اگر یہ نیکی ہوتی تو صحابہ کرامؓ کرتے۔

اب تک جو مضمون تھا وہ حقیقت میں لاالہ الا اللّٰہ کا مضمون تھا اور وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ سے نبوت کا مسئلہ بیان ہوگا۔ حضرت آدمؑ سے آغازِ نبوت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اختتام نبوت ہوا۔ اب چند چیزوں (۱) حقیقتِ نبوت، (۲) خاصیت نبوت، (۳) ثمرات ونتائج نبوت پر بحث ہوگی۔

بدعت وسنت میں فرق: ایک شخص حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں آیا اس لیے آیا کہ ان کی جانچ پڑتال کرنی ہے کہ سنا ہے مولانا بدعت کے مخالف ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ تو حدیث شریف میں ہے

کہ آدمی جب جوتا پہنے تو جوتے میں پہلے دایاں پاؤں ڈالے اور اگر جوتے سے نکالے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے۔ اسی طرح حدیث پاک ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے اور جب مسجد سے باہر جائے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے۔ اب اس عالم نے اس موقعہ پر نظر رکھی کہ حضرت گنگوہیؒ کیسا عمل کرتے ہیں تو آپ نے مسجد میں سے پہلے بایاں پاؤں نکال کر زمین پر رکھا اور پھر دایاں پاؤں نکال کر رکھا۔ جوتی فارغ پڑی ہے پھر اس کے بعد دایاں قدم جوتی میں ڈال دیا۔ تو وہ عالم حضرتؒ کے اس فعل سے متاثر ہوئے۔

خلیفہ بغداد نے حکم دیا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو گرفتار کیا جائے اس وقت گرفتار شدگان میں سے بہت سے لوگ قتل کر دیئے گئے تھے۔ امام صاحب روپوش ہو گئے۔ معتصم خلیفہ تھا حضرتؒ تین دن سے نہ ملے چوتھے دن معتصم نے کہا کہ اگر آج چوتھے دن نہیں ملتے تو انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔ چوتھا دن آیا حضرت امام حنبل باہر نکل آئے لوگوں نے کہا حضرت صرف آج کا دن نہ نکلیں فرمایا سنت جاتی ہے (یعنی سنت ساقط ہوتی ہے) کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو غار میں صرف تین دن رہے تھے میں تین دن سے زیادہ روپوش نہیں رہونگا۔ یہ تھا سنت کا خیال اور مقام سنت کی وقعت۔

درس نمبر ۲۷

۲۱ مئی اتوار ۱۹۶۷ء

مسئلہ نبوت وخصوصیات نبوت

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... اعدت للکفرین۔

لفظی ترجمہ: اور اگر ہو تم شک میں اس کتاب کے اندر جو ہم نے اتاری ہے اپنے خاص بندہ پر تو بنالاؤ ایک چھوٹی سی آیت اور بلالاؤ اللہ کے سوا اپنے دوستوں کو اگر سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو پھر تم اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہونگے جو کفار کے لیے تیار کی گئی۔

یہاں سے اسلام کا دوسرا بنیادی مسئلہ شروع ہوا۔ مسئلہ نبوت۔ خاص کر خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا مسئلہ اس سے۔ اس بیان سے پہلے **لا الہ الا اللہ** یعنی اللہ کی توحید کا بیان تھا اور اس آیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مسئلہ نبوت شروع ہے۔ (۱) حقیقت نبوت، (۲) معقولیت نبوت یا ضرورت نبوت۔ کہ نبوت کا عہدہ خلاف عقل نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے۔ (۳) خصوصیات نبوت۔ کہ ایک انسان ہونے کے باوجود نبی میں چند خصوصیات ہوتی ہیں۔ (۴) معجزات نبوت۔ (۵) مقامِ نبوت یا حقوق نبوت ان کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ (۶) مقاصد نبوت۔

اب دین کی اصطلاح میں پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے جو لفظ ہے وہ نبی اور دوسرا لفظ رسول ہے۔ قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہدے ہیں۔ نبی نبوۃ سے اور رسالت سے رسالت کا عہدہ نبوت کے عہدہ سے اوپر ہے اس لیے جو رسول ہوگا وہ نبی بھی ہوگا اور یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو۔ احادیث کی رُوح سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور اس کے بعد جو دعویٰ کرے گا وہ دجال وکذاب ہوگا اور اسلام سے خارج ہوگا۔

رسولوں کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ متکلمین اسلام نے بہت سی باتیں کی ہیں لیکن یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسولوں کو عام نبیوں سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اس لیے رسولوں کی تعداد ۳۱۳ اور نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئی مثال کہ ایک شخص ایف اے پاس ہے اور دوسرا بی اے پاس ہے تو جو بھی بی اے پاس ہوگا وہ ایف اے ضرور پاس ہوگا اور جو ایف اے پاس ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ بی اے پاس بھی ہو۔ تو اس انداز سے علم الٰہی میں نبی اور رسول کے مقام کو سمجھ لو۔

نبی کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ یا نبأ۔ عم یتسألون عن النبأ العظیم۔ کیا وہ عظیم چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ یا نبوت۔ اس کے معنی بلندی پیغمبر بارگارہ الٰہی میں بلند مقام رکھتا ہے۔

یا نبی بمعنی راستہ کے ہیں۔ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ انسان کے لیے نبی ہیں۔

حقیقت نبوۃ: ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ نبی کس کو کہا جاتا ہے۔ النبی من قال اللہ ارسلتک الی قوم او الی الناس کافۃً۔ نبی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ

فرمائے میں نے تجھے ایک قوم یا تمام لوگوں کے لیے بھیجا۔ یعنی تمام قوموں اور تمام انسانوں کے لیے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت تھی۔ یہ حقیقت نبوۃ ہوگئی۔

معقولیت نبوۃ: پر بحث کرتا ہوں۔ اب نازک دور آ چکا ہے کہ آج لوگ کہتے ہیں کہ ہم نبوت کی معقولیت کے خلاف ہیں اور شیطان نے ان کے ذہن میں یہ ڈالا ہے کہ جو رسول گذر چکے ہیں انہوں نے کچھ باتیں کہی ہیں۔ تو یورپ کی ایک چھوٹی سی جماعت یہ اعتراض کرتی ہے ''کہ یہ تو ایک مالیخولیا ہے کہ اللہ کی کلام ایک انسان پر نازل ہو'' یہ تو غلط ہے۔

الجواب: کہ کیا نبی کی بات مالیخولیا ہے؟ تو نعوذ باللہ پھر تو سب نبی غلط ہوئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت میں بڑے بڑے فلاسفروں کا ان کے دین میں شامل ہو جانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عقل تمام انسانوں سے بہتر و اعلیٰ ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ تمام لوگوں سے عیسیٰؑ کا عقل زیادہ تھا۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آدمؑ سے لیکر رہتی دنیا تک تمام مخلوقات سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا علم زیادہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذہن مبارک سب سے اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ وحی کے الفاظ جبرائیلؑ کے اندر منتقل کرے اس کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اندر منتقل کرے۔ یہ ہے نبوت۔ اور تم کہتے ہو کہ یہ غلط ہے۔ نبوت کے معاملے میں ہمیں یہ یقین کرنا پڑے گا کہ پہلے یہ الفاظ جبرائیلؑ میں منتقل ہوئے اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں۔ تو ان کو منتقل

رنے والا کون ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ۔ تو انتقال کا عمل اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ دورِ حاضر نے پیغمبروں کی صداقت کو سورج کی طرح چمکا دیا ہے۔ مثلاً دیکھو کہ انسان کو یہ قوت و طاقت حاصل ہوئی کہ وہ اپنے الفاظ کو ایک بے جان آلہ ٹیپ ریکارڈر میں منتقل کر سکتا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ ایک جاندار میں اپنے الفاظ منتقل نہیں کر سکتا؟ اور ان جاندار میں ایک ذات جبرائیلؑ کی ہے اور دوسری ذات اقدس حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہے جو آلات وغیرہ تو درکنار جو سب سے ارب ہا درجہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ کیا یہ منتقل ہونے کے قابل نہیں ہیں؟

معقولیت کے متعلق کہ انسانوں کے لیے اللہ نے ایسا کیوں کیا۔ بس انسان ایسے کھڈے میں رہ جاتے اللہ کہتا کہ وہ جائیں یا جہنم جانے میرا کیا۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔ کہ پہلے قانون بتلا دیا جائے اور قانونی کاروائی بعد میں ہو۔ تو قانون بتلانے کے لیے ایک رکاوٹ تھی کہ اللہ تعالیٰ بہت بلند اور انسان کی پستی یہ دونوں آگ اور پانی کی طرح ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو چاہا کہ ایک درمیانی واسطہ ہو جو ایک حیثیت سے اللہ سے ملے اور ایک وجہ سے انسان سے تعلق رکھتا ہو۔ تو پیغمبرؑ یہ کام کرتا ہے کہ اللہ سے لیکر لوگوں کو دیتا ہے۔ تو پیغمبرؑ شاگرد خدا اور استاد امت ہوتا ہے اور شاگرد کو استاد سے مناسبت بھی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی اعتبار سے بعض انسانوں کو ایسا پیدا کیا کہ انہیں روحانی لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے جوڑ ہے اور ایک لحاظ سے بشر سے جوڑ ہے۔ مثلاً آگ پر ہم نے چائے پکانی ہے معنی یہ کہ آگ کی گرمی پہنچی تو چائے کا پانی ابلا۔ اب ہم اگر یہ چاہتے ہیں کہ آگ کی گرمی کا فیض پانی کو پہنچے تو یہ

دونوں آپس میں ضد ہیں اگر یہ کام براہ راست کیا جائے تو آگ بجھ جائے گی۔تو انسان نے غور وفکر کی کہ ایک ایسی چیز استعمال کی جائے جوان کے درمیان ذریعہ بن جائے اور چائے تیار ہوجائے تو اسے پتیلہ کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے پانی آگ کی گرمی لے سکتا ہے اور پانی اور آگ کو ایک دوسرے سے محفوظ کرتا ہے۔

اسی طرح پیغمبرؑ بھی اللہ سے انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔بعض بزرگوں نے بتلایا کہ انسان کے اندر ایک حصہ ہڈی، ایک حصہ گوشت اور ایک پٹھہ ہوتے ہیں۔تو تشریح الابدان کے علماء نے لکھا ہے کہ اس پٹھہ کی جزکو اللہ نے کیوں پیدا کیا؟ فرمایا کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ ہڈی اور گوشت کی پرورش ہوان کی پرورش خون کے بغیر نہیں ہوسکتی مگر خون ایک انتہائی نرم ہے اور ہڈی ایک سخت چیز ہے تو اللہ نے اس پٹھہ کو پیدا کیا کہ ہڈی سے مل کر ہڈی میں خون پیدا کرے۔یہ ہے پیغمبرؑ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق۔

خصوصیات نبوت: اب خصوصیات نبوت کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ایک تو یہ ہے کہ آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کھانے پینے میں انسان کے برابر ہیں مگر اللہ تعالےٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے چند جزدی خصوصیات رکھی ہیں تاکہ لوگ پہچان سکیں کہ یہ نبی ہے۔

(ا) کہ نبوت کا جو عہدہ ملتا ہے وہ وھبی ہے کسبی نہیں۔کہ محض بخشش اور عطاء خداوندی ہے۔محنت ومشقت سے نہیں۔لہذا یہ بحث ہی نہیں کہ فلاں قابل ہے۔یہ عہدہ تو اللہ کے فضل سے ملتا ہے۔نقلی دلیل۔اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ درست اور ٹھیک جانتا ہے کہ کون نبوت کے قابل ہے۔

اهم یقسمون رحمت ربک ۔ کہ یہ اللہ کی بخشش بانٹنے لگے ہیں۔ یہ کفار نے کہا۔ تو یہ ایسی بات ہوئی کہ جس طرح گورنری دینا صدر ایوب کا کام ہے مگر اسٹیشن کا قلی کہے کہ گورنری میں دونگا۔

نحن قسمنا بنهیم معیشتهم ۔ ہم نے ان کے درمیان معیشت تقسیم کی ہے۔

خدا فرماتا ہے کہ نبوت تو سب سے بڑی چیز ہے۔ روٹی کی تقسیم بھی ہم نے کی ہے۔ آج تو یہ نظام چل نکلا کہ نعوذ باللہ خدا کی تقسیم غلط ہے۔ جو خالق و رازق ہے وہی روٹی و رزق کی تقسیم کے لائق ہے۔ مگر آج تو خود نالائق لوگ روزی بانٹنے لگ گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آدھی دنیا کو بھوکا کر دیا۔ اللّٰہ یصطفی من الملائکة رسلا و من الناس ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں اور ملائکہ میں سے رسالت کے لیے خود چنتے ہیں۔

جو عہدہ کسبی ہوتا ہے اس کے عہدہ دار ہر زمانہ میں کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔ مثلاً دنیاوی جتنے عہدے ہیں کمشنر، ڈپٹی کمشنر وغیرہ یہ عہدے ہر زمانہ میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ نبوت کا عہدہ کسبی ہوتا تو پھر لندن اور نیویارک جو اپنے آپ کو خواندہ اور تعلیم یافتہ کہتے ہیں اور وہاں ڈگریوں کی بھی بھر مار ہے مگر وہاں کوئی نبی تو نہیں بنا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عہدہ انسانی قبضہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

عصمت: نبوت کی دوسری خصوصیات میں سے عصمت کی خصوصیت ہے۔ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ عصمت کا معنی یہ کہ نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ

عہدہ نبوت کے ملنے سے پہلے اور بعد میں ہر گناہ صغیرہ وکبیرہ سے پاک ہو۔ سید جرمائیؒ نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ گناہ سے پاک ہونا نقل وعقل کے لحاظ سے ضروری ہے۔'' میں اس مضمون کو مختصر عرض کرونگا ورنہ یہ مضمون کئی مہینوں تک نہ ختم ہونے والا مضمون ہے۔

تو عصمت کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ اللّٰہ لا یخلق فیہ ذنباً۔ اللہ تعالیٰ نبی کی ذات اقدس میں گناہ پیدا نہیں کرتا۔ **مع القدرۃ**۔ گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود۔ یہ لفظ اس لیے بڑھایا کہ پیغمبروں کی شان دوبالا ہو جائے۔ کہ خواہشات کے سلسلے میں پیغمبرؑ عام انسانوں کی طرح ہیں مگر ان سے نیکی ہوگی بدی نہ ہوگی۔ کہ عام انسانوں میں نیکی اور بدی دونوں ہیں۔

مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ یہ دیوار بڑی بزرگ ہے اس نے ساری عمر کوئی گناہ نہیں کیا۔ کوئی چوری یا ڈاکہ وغیرہ نہیں ڈالا۔ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔ کہ میاں اس کے اندر تو گناہ کرنے کی طاقت ہی نہیں کہ گناہ وغیرہ کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طاقت ہونے کے باوجود کوئی گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا۔ عصمتِ نبی کے مسئلہ کو قرآن نے بڑی پختگی سے بیان کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ تمہارے لیے رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے۔ معلوم ہو گیا کہ تمام پیغمبروں کے قول وفعل پر چلنا چاہیے۔ اگر نبی کے اندر نیکی کے ساتھ بدی بھی ہوتی تو پھر تو ہم ان کی بدی اور بدعتوں کی بھی پیروی کرتے۔ لیکن اللہ نے فرمایا اسوۃ حسنۃ۔ کہ ان میں نیکی ہے بدی ہے ہی نہیں۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی ۔کہ اگر تم محبوب بننا چاہتے ہو یا محب خدا بننا چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اتباع کرو یعنی پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قول و فعل پر عمل کرو۔ اگر پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قول و فعل میں گناہ ہوتا تو اس کا مطلب یہ کہ اللہ نے ہمیں کہا کہ گناہ پر بھی چلیں۔نہیں پیغمبرؑ تمام عیوبات سے پاک ہیں۔ ومن یطع الرسول فقداطاع اللّٰہ۔جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔یعنی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چال چلتا ہے اسے اللہ کا مطیع سمجھا جائے گا۔

معلوم ہو گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی چال و قول دین کے خلاف نہیں۔ یہ تو مختصر نقلی ذخیرہ بیان کیا اور عقلی ذخیرہ بھی بہت ہے۔اسے بھی اختصار سے بیان کرتا ہوں۔

۱۔عقلی دلیل: کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کا مطلب ھدایت الخلق ہے اور ہدایت محبت سے ہو گی۔اور گناہ موجب نفرت ہے۔معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔اگر کسی نبی سے گناہ ہوتا تو گناہ سے تو لوگ نفرت کرنے لگیں گے اور پیغمبری کا مقصد جو ہدایت ہے وہ ختم ہو جائے گا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے مقصد کے لیے تمام انبیاءؑ کو گناہ سے پاک رکھا ہے۔

۲۔عقلی دلیل: کہ پیغمبرؑ اپنے قول و فعل سے تبلیغ کریں گے تو یقینی بات ہے کہ قول با عمل اثر کرتا ہے۔بنسبت اس قول کے جو بے عمل ہو۔فرض کرلو کہ ایک آدمی رمضان شریف کی فضیلت بیان کرتا ہے اور اسی وقت وہ سگریٹ پی رہا ہو کیا لوگ اس

سے متاثر ہونگے ؟ نہیں۔ تو یقینی بات ہے کہ پیغمبرؑ نے ہر نیکی کی تبلیغ کرنی ہے اور ہر بدی سے ہٹانا ہے۔ تو اگر پیغمبرؑ سے معاذ اللہ بدی واقع ہو جائے تو پھر ان کے قول مبارک میں اثر نہیں رہے گا اور ہدایت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۳۔ عقلی دلیل: کہ انسان جس وقت گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کے قلب و دماغ ناقص ہوگا مثلاً ایک ڈرائیور دیکھنے کے باوجود بھی دیوار سے ٹکرا گیا تو اسے ہم کامل ڈرائیور نہ کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک روح پیدا کی کہ اس سے انسان کے بدن کو چلانا ہے اور کھڈے سے بچانا ہے اور سیدھے راہ پر چلانا ہے اور جو گناہ کرے گا اس کی عقل و روح ناقص ہوگی تو وہ انسان کے بدن کو کس طرح راہ راست پر چلائے گا۔

درس نمبر ۲۸

اتوار ۲۸ مئی، ۱۹۶۷ء

خصوصیات نبوت

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... اعدت للکفرین۔

(۴) چوتھی خصوصیت اُمیّت ہے: ہر پیغمبر دنیا کے کسی انسان کا شاگرد نہیں ہوتا۔ اور دنیاوی استاد سے کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ نہ لکھنا جانتا ہے نہ پڑھنا۔ جو دو دن کے لیے سکول میں داخل ہو وہ نبی نہیں۔

اُمیت۔ کے لحاظ سے ماں کے پیٹ کی طرح بے پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ اور کل دنیا کے تعلیم یافتہ انسانوں کا معلم ہوتا ہے۔

نگار من کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
ہزار مسئلہ آموز صد مدرس شد
(شیرازیؒ)

رسول نبیّ الامیّ۔ (آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم) رسول ہیں۔ نبی ہیں اور امی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت پانے میں تورات اور انجیل میں اُمی ہونے میں بڑی حکمت یہ ہے کہ پیغمبر کی پیغمبری سورج کی طرح واضح ہو جائے۔

انسان سے وہ پڑھا ہوتو شک ہوتا ہے کہ یہ استاد کا پڑھا ہوا بتا تا ہے۔ زمین پر ان کا کوئی استاد نہیں ہوتا۔ اور ایسے معارف بھی جانتے ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اس لیے اللہ نے سکھایا۔ مرزا نے شیعہ سے۔ سنی سے اور دوسرے استادوں سے پڑھا۔ نبی کے لیے امی ہونا لازمی ہے۔

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

میرا محبوب سکول نہ گیا قلم ہاتھ میں نہیں لیا
ایک اشارے سے ہزاروں مدرس بنادیئے

یہ مرزا چالاکیاں تو ہر طرح کی جانتا ہے کچھ ادھر ادھر کی لگادی اور کچھ پڑھا ہوا بتلا دیا۔

(۵) پانچویں خصوصیت: صلاح کامل ہے: یعنی وہ نبی اپنی ذات کے اعتبار سے اس قدر صالح۔ با اخلاق اور با اعتدال اور اعلیٰ مقام پر فائز ہونے والا ہوتا ہے کہ مقابل دنیا میں نہیں ہوتا۔ یعنی دنیا میں ان کے مقام کا اور کوئی نہیں ہوتا۔ سخاوت۔ ہمدردی وغیرہ اس قدر ہوتی ہے کہ ماں باپ کی ہمدردی بھی ہیچ ہوتی ہے۔ وہ تمام لوگوں کو روٹی دیتا ہے لیکن خود پیٹ پر پتھر باندھتے ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم خود بھوکے ہوتے تھے اور پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے تھے۔ وہ تمام دشمنوں کی بدعائیں اور گالیاں سن کر نہ گالی دیتا ہے۔ نہ بددعا کرتا ہے۔ خاموش رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس طرح ادا کرتا ہے کہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

حقوق العباد کے بارے میں بھی پورا پورا حق ادا کرتا ہے۔ حدیث شریف:

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمانے پر عرض کی کہ فلاں جگہ گذرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا چابک مجھے لگا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ آؤ مجھے مارلو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں بے مثال ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمام اولادِ آدم سے زیادہ سخی تھے اور رمضان شریف میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سخاوت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سخاوت اس ہوا سے بڑھ کر ہے جو بادل لاکر برساتی ہے۔ ایک سائل آیا اس وقت حضرت علیؓ اور ایک بدو موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے گھر میں تو کچھ نہ تھا۔ فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کردونگا۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اتنی تنگی نہیں ڈالی۔ بدو نے کہا۔ دیا کرو اور کم ہونے کا خوف مت کیا کرو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا! علی۔ اس بدو نے اچھی بات کہی ہے۔

مصنوعی پیری تو بڑی چیزیں ہیں۔ عام پیری اور مصنوعی نبوت اس زمانے میں دولت کمانے کے ذریعے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نماز میں خیال آیا کہ گھر میں کچھ سونا پڑا ہے تشریف لے گئے وہ خیرات کر کے پھر واپس تشریف لاکر نماز ادا کی۔ حضرت بلالؓ تمام اخراجات کے ذمہ دار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ

وسلم شام کے وقت حضرت بلالؓ سے پوچھتے کہ گھر میں کوئی مال تو باقی نہیں۔ جب فرماتے کہ نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم الحمد للہ پڑھتے اور جب مال بچ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے کہ آج میں مسجد میں آرام کرونگا۔ گھر نہیں جاؤنگا۔

٦۔ اصلاح کامل: کے سلسلے میں ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جیسا نہ انبیاءؑ کی تاریخ میں اور نہ غیر انبیاء کی تاریخ میں ملے گا۔ ایسی اصلاح فرماتے کہ چند لمحے بیٹھنے والے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مجلس میں ہدایت سے محروم نہ رہتے۔ چند منٹ کی صحبت سے ان کے دل سے باطل بھاگ جاتا اور وہ صحابیؓ پاک ہو گئے۔ جس نے ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صرف پل بھر زیارت کی ہو وہ تمام اولیاء کرام سے بڑھ کر ہے۔

یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت کا مقام۔ اسی طرح تابعی کا مقام اپنے بعد آنے والے علماء کرام سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے ہے کہ انہوں نے ان کو دیکھا جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے صحبت کامل کی۔

نماز اور روزں وغیرہ میں ہم اصحابؓ سے کم نہیں مگر ہم ان سے کم کیوں ہیں؟

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نماز اور روزوں میں سے بڑھ کر نہ تھے نہ حج اور زکوۃ میں لیکن ان کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ایک نور سرایت کر گیا تھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت سے ان کے قلب میں ایک نور پیدا ہو گیا تھا جو ہم میں نہیں۔ باوجود اس کے اللہ چاہتا ہے کہ نبی کو کوئی خدا نہ بنائے۔ حضرت ابی ھریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے کوئی گستاخانہ

کلام کی میں ان کی ہدایت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں گیا۔عرض کی۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دعاء فرمائی یا اللہ ابوھریرہ کی والدہ کو ہدایت دے۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں میں یہ سن کر گھر چلا آیا دیکھا کہ کواڑ بند ہے کھولنے لگا تو والدہ نے حکم دیا کہ رک جاؤ میں نہا کر ایمان لاتی ہوں۔لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے مربی پالنے والے تربیت دینے والے پیارے چچا کے لیے دعا مانگی تو آیت نازل ہوئی انک لاتھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی مِن یشاء ۔(آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم) جس سے محبت کرتے ہیں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ہدایت دے گا۔

نبی کی زبان میں خدا تعالیٰ نے ایسا اثر رکھا کہ جو آیا وہ ایمان سے رنگا گیا لیکن اگر اللہ نے نہ چاہا تو قربت اور رشتہ داری کے باوجود چچا ایمان سے الگ رہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرامؒ کی نشانی یہ ہے کہ ان کی صحبت میں اللہ یاد آجائے۔

(۷) خصوصیت:علم کامل: جہاں تک آنکھ کان اور عقل کی رسائی ہے وہ سب جانتے ہیں۔وفوق کل ذی علم علیم۔ہر علم والے پر زیادہ علم والا ہے۔

جہاں عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے نبی کا علم وہاں سے شروع ہوتا ہے۔مثلاً دنیا جب سے پیدا ہوئی ہے ان تمام کا علم پہنچ جاتا ہے۔لیکن عالم اور دنیا کی تخلیق سے پہلے سرحد ختم ہے تو اس کا علم اللہ کے بتلانے سے پیغمبر بتلاتا ہے۔موت تک عقل کی سرحد ختم لیکن پیغمبر آگے جانتا ہے۔

تیسرے عالم کے علوم بھی انبیاء کرامؑ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر نبی نہیں بنتا۔ اور اللہ نہ بتلائے تو نبی کیسے معلوم ہو۔

مختلف کالجوں میں ایم اے اور بیرسٹری کی ڈگریاں ملتی ہیں لیکن ان اداروں میں نبوت کی ڈگری نہیں مل سکتی۔ اس ڈگری کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔

(۸) خصوصیت: نبی کی ذات اور وجود اقدس میں خصوصیات ہوتی ہیں۔

(ا) حسنِ صورت وسیرت۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شکل سے بڑھ کر کوئی شکل خوبصورت نہیں ہوسکتی۔ اور عادتیں اس قدر اور اس درجہ بہتر ہوتی ہیں کہ اس کا تقابل نہیں۔ اندرونی اور بیرونی خوبصورتی میں پیغمبر بے مثال ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تمام انسانوں سے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شکل وسیرت بڑھ کر تھی۔

(۹) خصوصیت: تعارف سابق پیغمبرانؑ: ہر پیغمبرؑ کے آنے سے پہلے ان کا تعارف دیگر ماقبل انبیاءؑ سے ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری کا بھی یہی حال ہے۔ **واذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه** ۔ جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس رسول تشریف لائیں اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور امداد کرنا۔

آسمان کے نیچے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔یعنی قرآن کریم سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔

(۱۰)خصوصیت۔تصدیق ماضیین: یعنی اپنے سے پہلے گذرے ہوئے تمام پیغمبرؑ کی تصدیق کرنا۔مولوی مولوی کا۔پیر پیر کا۔لیڈر لیڈر کا دشمن لیکن ہر پیغمبر کہتا ہے کہ پہلے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے صرف مجھ پر ایمان لانا کافی نہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ تمام پیغمبرؑ بھائی ہیں۔تمام کے اصول اور بنیادی تعلیمات ایک ہیں لیکن شریعت میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔پیغمبروں میں ٹکریں نہیں لیکن انگریزی نبی اکثر انبیاء کو گالیاں دیتا ہے (قادیانی نبی)۔ضمیمہ انجام آتھم۔میں لکھتا ہے کہ عیسیٰؑ کی تین دادیاں اور چار نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں (نعوذ باللہ)

(۱۱) گیارھویں خصوصیت۔امتیاز بدی: کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہاتھ مبارک بھی خاص۔لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ بیماروں کو شفاء بخشتے۔

حضرت عبداللہؓ بن عتیک فرماتے ہیں کہ ایک یہودی جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو گالی دیتا تھا میں نے اسے قتل کر دیا لیکن اترتے ہوئے ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔عرب کے اصول کے مطابق (مرنے کا) صحیح اعلان سن کر واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا سیدھا کر لو اپنا پاؤں پھر دست مبارک پھیرا تو عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ دوسرے پاؤں سے بہتر تھا ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔ایک جنگ میں صحابیؓ کی آنکھ کا پتلا نکل پڑا رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے پتلا رکھ دیا۔صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ا

سکی آنکھ کی نگاہ بُعدِ نظر سب سے تیز ہوئی۔

قلات کے نواب اور میں اکٹھے چل رہے تھے انہوں نے کہا کہ دنیا میں علماء کی عزت نہیں۔ میں نے کہا کہ خدا جسے عزت دے اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ علماء کی عزت آج بھی موجود ہے لیکن عزت مال و دولت میں نہیں۔ اسی گفتگو کے دوران راستے میں ایک بلوچن عورت آ گئی کہنے لگی میرے بچے کو دم کرو اور اس کے سینے پر ہاتھ پھیرو۔ میں نے نواب صاحب کو کہا کہ یہ میرے جواب کی تصدیق ہے۔ عورت آپ کے پاس کیوں نہیں آئی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں علماء کی عزت ہے۔

(۱۲) خصوصیت۔ امتیاز لسانی: زبان کی خصوصیت ہے۔ عام زبانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ میٹھی، کھٹی اور کڑوی کو پہچان لیتی ہے لیکن یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ یہ حلال سے ہے یا حرام سے۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان مبارک حِلت اور حُرمت کا ادراک کر لیتی ہے۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک انصاری عورت کی دعوت میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لے گئے بکری کا گوشت دسترخوان پر رکھا گیا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک بوٹی منہ میں ڈالی اور نکال دی فرمایا یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر بیچی گئی ہے۔ معلوم کیا گیا تو عورت نے بتایا کہ ایک عورت نے یہ بکری بیچی ہے اس کا یہ خیال تھا کہ رقم منہ مانگی دونگی۔ دیکھو شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف حرام ہے۔ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر پڑوسن کو سالن نہیں دے سکتی۔ یعنی جب

تک شوہر راضی نہ ہو۔ ہماری زبان یہ فیصلہ نہیں کرسکتی۔ حالانکہ یہ کھانا حرام بھی نہیں تھا مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان کے خلاف تھا۔

(۱۳) خصوصیت امتیازِ صوتی: پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز میں بھی فرق ہے۔ یہ تفاوت ہے کہ عام آدمی کی آواز بغیر آلے کے خاص حد تک پہنچتی ہے۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز مبارک دور اور نزدیک یکساں سنی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ دور جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ میں لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہؓ نے وہیں آواز سنی اور بیٹھ گئے۔

محدثین کرام نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن معاذ سے نقل کیا کہ حج کے دنوں میں منیٰ میں رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم تقریر فرمارہے تھے صحابہ کرامؓ دور دراز جا کر لیٹے ہوئے تھے فرمایا ہمارے کان خدا تعالیٰ نے کھولے۔ ہر گھر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز اس طرح سنتے کہ جیسے ساتھ بیٹھے ہوں۔

(۱۴) خصوصیت: امتیاز بصری عام آنکھ آگے دیکھتی ہے پیچھے نہیں دیکھتی لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمایا کرتے صفوں کو سیدھا کرو خلا بند کرو۔ میں تم میں سے ایک ایک کو پشت کی طرف سے دیکھتا ہوں۔ جیسے میں سامنے دیکھتا ہوں ویسے میں پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

(۱۵) خصوصیت امتیاز سمعی: لوگوں کے کان سنتے ہیں مگر سب دنیا کی سنتے ہیں لیکن انہیں قبروں کے حال کا پتہ نہیں۔ انسانوں کے کان نہیں سنتے۔ حضرت زید ابن ثابتؓ

فرماتے ہیں ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ تھے تو اسلام سے قبل سے پڑنے والے قبرستان سے گذر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ٹھہر گئے تو رقت پیدا ہوئی فرمایا اگر تم جانتے کہ قبرستان میں قبر والوں سے کیا ہوتا ہے تو تم رشتہ داروں سے ملنا چھوڑ دیتے اور کم ہنستے زیادہ روتے۔

(۱۶) خصوصیت۔ لعاب مبارک: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منہ مبارک کا لعاب بہت زیادہ بہتر اور موثر تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں جس مرد کو درد ہوتا یا پھوڑا ہوتا یا زخم ہوتا تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آتا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم شہادت کی انگلی سے لعاب مبارک زمین پر رکھ کر اس زخم وغیرہ پر رکھتے اور دعا مانگتے تو وہ ایسا ہو جاتا کہ بیماری ہے ہی نہیں۔ دعا یہ ہے: **بسم اللّٰہ تربة ارضنا بریقة بعضنا و یشفیٰ سقیمنا باذن ربنا۔**

(۱۷) خصوصیات۔ پسینہ مبارک: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پسینہ مبارک بھی ایک خصوصیت کا حامل تھا۔ ہر انسان کو گرمی میں پسینہ آتا ہے۔ یہ گرمی سے آتا ہے۔ عرب میں تو سخت گرمی ہوتی ہے تو پسینہ سے بدن میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اب تو پوڈر ایجاد ہو گئے ہیں کہ بدبو پیدا نہیں ہونے دیتا۔

مدینے کی ہجرت کے بعد وفات تک خادم حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی کستوری نہیں سونگھی اور کوئی عطر نہیں سونگھا جس کی خوشبو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پسینہ مبارک سے زائد ہو۔ ایک دوسرے صحابیؓ

تھے وہ ایک ہی قمیص پہنتے تھے دوسرے صحابیؓ نے کیفیت پوچھی تو کہا کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے گلے ملا تو پسینہ مبارک میری قمیص سے لگ گیا۔ مہینوں بعد تک وہ خوشبو باقی ہے۔

نبوت کے اور بھی بہت خصوصیات ہیں لیکن وقت ختم ہے اس لیے یہیں ختم کرتے ہیں۔

درس نمبر ۲۹

جمعۃ المبارک ۲ جون ۱۹۶۷ء

معجزات پر بحث

نمبر ا

انبیاء کرامؑ کی شان نرالی ہوتی ہے۔ سولہ خصوصیات نبوت پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

(۱۸) خصوصیت: جسم مبارک اور کپڑے مبارک کی خصوصیت:۔

اس بارے میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ خصائص کبریٰ میں بیان کرتے ہیں جواب بیان کرتا ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ جواب تک خصائص بیان کر چکا ہوں یہ تو چند قطرے ہیں۔

تو خصائص کبریٰ میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جسم مبارک پر اور کپڑوں مبارک پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی گویا جانور مکھی کو بھی شعور تھا کہ یہاں نہیں بیٹھنا۔

(۱۹) خصوصیت: کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمیشہ تہبند باندھا کرتے تھے صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ کپڑا اپنے مقام سے ہٹا ہو۔

(۲۰) خصوصیت: امام قرطبیؒ سے جلال الدین سیوطیؒ نے نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بغل مبارک میں بال نہیں ہوتے تھے۔

(۲۱) خصوصیت: آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پورا جسم مبارک سفید چاندی کی مانند تھا۔

اب تک تو مختصر خصوصیاتِ حیات طیبہ بیان ہوئیں اسی طرح خصوصیات موت بھی ہیں۔

(۱) خصوصیت موت: عام طور پر یہ معمول ہے کہ اچانک فرشتہ آتا ہے اور روح قبض کر لیتا ہے لیکن حضرات انبیاء کرامؑ کے پاس فرشتہ آکر مشورہ لیتا ہے کہ اللہ کے پاس آؤ گے یا یہیں رہو گے؟

تو نبی علیہ السلام کی رائے پر عمل ہوتا ہے۔ بخاری و ترمذی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ان عبداً خیرہ اللّٰہ فیما عندہ بین ان یکون فی الدنیا فاختار ماعنداللّٰہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ اس کے ہاں آنا چاہیں یا دنیا میں رہنا چاہیں۔ اس کے بندے نے اللہ کے پاس جانا پسند کیا ہے۔

اور صحابہ کرامؓ تو نہ سمجھے ابو بکر صدیقؓ چیخ اٹھے حضرت عمرؓ حیران ہو گئے۔ فرمایا قال عمرؓ و کان ابو بکرؓ اعلمنا۔ کہ ہم میں ابو بکرؓ بڑے عالم ہیں کہ بات سمجھ گئے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ کے پاس جانے کو پسند فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کرامؑ اللہ کی پسند پر عاشق ہوتے ہیں۔ دیکھا کہ اختیار تو عزت افزائی کے لیے دیا گیا ہے لیکن بلانا اس وقت چاہتے ہیں خداوند کریم۔

(۲) خصوصیت: کہ ہر نبی کو زمین کے جس ٹکڑے پر موت آئے وہیں دفن ہو یہ نہیں کہ لاہور میں موت اور دوسری جگہ دفن ہو۔

(۳) خصوصیت: عام اموات کے متعلق قانون ہے کہ کپڑے اتار کر نہلا دیا جاتا ہے مگر انبیاء کو انہی پہنے ہوئے کپڑوں میں نہلایا جاتا ہے۔ (نحن معشر الانبیاء لانرث ولانورث ماتر کناه صدقةً۔ ہم انبیاء کی جماعت نہ وارث بنتے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ خیرات ہوتا ہے۔)

(۴) خصوصیت: کہ پیغمبرؑ مال کی وارثت نہیں چھوڑتے۔ ماتر کنا صدقنا۔ یعنی ہم انبیاء کی جماعت نہ وارث بنتے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ خیرات ہوتا ہے۔

(۵) خصوصیت: کہ ان کی زواج مطہرات سے بعد میں نکاح نہیں کر سکتا۔

اب معجزات پر بحث کرتا ہوں۔

(۱) معجزہ کی حقیقت۔ (۲) معجزہ کی نبوت پر دلالت۔

(۳) موازنہ معجزات نبویہ مع معجزات الانبیاء

(۴) معقولیت معجزہ (۵) معجزہ کبریٰ کی تحقیق

جو اس آیت کا بیان ہے۔ قرآن شریف والا ایک معجزہ حقیقت میں ہزاروں معجزوں کے برابر ہے بلکہ بڑھ کر ہے۔

(۱) حقیقت معجزہ: معجزہ معنی عاجز کرنے والی چیز۔ اس سے قبل تین چیزوں کا بیان ضروری ہے۔ کہ کارخانہ عالم میں معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ فعل اللّٰہ خارق للعادة۔

ایک فعل ہے اللہ کا جو عام عادت کے خلاف ہے۔ یظھر لتصدیق نبی۔
پیغمبر کی پیغمبری کو نمایاں کر دیتا ہے۔ گویا معجزہ کی حقیقت کے یہ اجزاء ہو گئے۔

(۱) کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

(۲) فعل ایسا ہے کہ اللہ کی عام عادت کے خلاف ہے۔

(۳) کہ پیغمبر کی پیغمبری کو نمایاں کر دیتا ہے یہ نبی کا فعل نہیں اللہ کا فعل ہے۔ **قل سبحان ربی هل كنت الا بشراً رسولا۔**

(کفار کے مطالبہ معجزات پر) آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کہہ دیں کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف انسان اور رسول ہی ہوں۔

کفار خود معجزہ تجویز کر کے آتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ۔ تو جواب میں یہ مذکورہ بالا آیت اتری۔ تو واقعات کی تین چیزیں ہیں۔

(۱) خارقات، (۲) عادیات جلیہ (۳) عادیات خفیہ

خارقات یعنی پھاڑنا: یعنی عام عادات کو توڑنے والی چیز۔ خارقات وہ کام مراد ہیں کہ اللہ کے ارادہ کے خلاف اور کوئی کام نہ ہو اور جو عادت کو توڑنے والے ہیں وہ اسباب اللہ کی طرف سے ہوں۔ دیکھو مثلاً روٹی سے بھوک کا ختم ہو جانا۔ علاج معالجہ سے صحت کا حاصل ہو جانا۔ تجارت سے نفع ملنا یہ سب کام عادیات جلیہ میں معجزات نہیں کیونکہ یہ اسباب کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ جو ان اسباب کو کرے وہ یہ نتیجہ اٹھائے گا۔ تو یہ دائرہ عادت جلیہ کے تحت ہے۔

عادیات خفیہ: کہ پوشیدہ اسباب ہوں۔ مثال عجائبات عصریہ وسحر کہ آدمی نیویارک میں تقریر کرتا ہے اور یہاں سننے میں آتی ہے وغیرہ۔ دور حاضر کی تمام عجیب چیزیں جو بنائی گئی ہیں یہ معجزات نہیں بلکہ عادیات خفیہ ہیں کہ یہ اسباب پوشیدہ پر مبنی ہیں جو عام لوگوں کو معلوم نہیں بلکہ خاص فن کے ماہروں کو معلوم ہیں مثلاً ریڈیو شروع میں آیا تو عرب میں بدو نے کہا الشیطان یتکلم فیہ۔ کہ اس میں شیطان کلام کرتا ہے۔ معلوم ہو گیا کہ یہ معجزہ نہیں کیونکہ یہ تو اسباب کے تحت ہے اور اس میں عموم ہے جو چاہے کرے اور معجزہ یہ کہ صرف خدا کا ارادہ ہو اور کوئی نہیں کر سکتا۔ دیکھو مشینری کا موجد دراصل ایک ہوتا ہے مگر اسباب جس کے ہاتھ آجائیں اس نے بنا دیا۔ یہ ہیں اسباب جن سے عموم ہوتا ہے۔ تو ایک خارقات (۲) عادیات جلیہ (۳) عادات خفیہ سحر کا معنی جادو نہیں۔ مادق معرفة اسبابه۔ جس چیز کی پہچان باریک ہو اور ہو اسباب کے تحت تو اسے سحر کہتے ہیں۔ موجودہ صدی کی مصنوعات بھی سحر میں داخل ہیں۔ دنیا میں ایک کام زمینی اسباب سے اور کھلے اسباب سے ہوگا یہ عادیات جلیہ سے ہے اور ایک پوشیدہ اسباب سے ہوگا یہ عادیات خفیہ ہیں اور یہ موجودہ سائنسی اسباب ہیں۔

تیسری قسم یہ ہے کہ جس کا زمین میں کوئی سبب نہ ہو نہ جلی نہ خفی صرف اللہ کا ارادہ ہو یہ ہے معجزہ۔ یہ جانو کہ تخت سلیمان بھی آسمان میں اڑتا تھا اور ہوائی جہاز بھی اڑتا ہے۔ لیکن ہوائی جہاز کا اڑنا معجزہ نہیں تخت کا اڑنا معجزہ ہے۔ وسخرنا له الریح کہ ہم نے ہوا کو آرڈر دیا کہ تمہیں جب سلیمان کام میں لانا چاہے تو تم اس کے ماتحت

رہو۔ پیغمبرؑ کا معجزہ یہ ہے کہ پوری دنیا مل جائے وہ کام نہ کر سکے یہ ہے معجزات کا فرق۔ چونکہ نبوت اور معجزہ دونوں وھبی ہیں آدمؑ سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک معجزات رہے اب بند ہیں۔ جس زمانہ میں نبوت کا دروازہ کھلا تھا۔ (معجزات بھی تھے) اگر نبوت کسبی چیز ہوتی تو شہر شہر میں نبی ہوتا۔ نبی وھبی ہے اور اس کا معجزہ بھی وھبی ہے۔ اس ضمن میں معجزہ کبریٰ کی تحقیق پر بحث ہوگی۔

معجزہ کو ثبوت پر دلیل کیوں بنایا جاتا ہے؟ شبلی نعمانیؒ نے لکھا کہ معجزہ نبوت کی دلیل کیوں ہے۔ یہ چیز بالکل کھلی ہے۔ ہمارے متکلمین نے ایک مثال لکھی ہے کہ معجزہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ واقعات عام عادت کے خلاف ہوں۔ متکلمین اسلام شارح مواقف اور شارح مقاصد نے لکھا ہے کہ اگر ایک شاہی دربار میں بادشاہ اور وزراء موجود ہوں اب ایک شخص اٹھ کھڑا ہو کہ اس بادشاہ نے مجھے فلاں علاقہ کا گورنر بنایا ہے بادشاہ چپ ہے اگر آپ کو تردد ہو تو میں بادشاہ کی خدمت میں عرض کرونگا کہ وہ اس مجلس میں ایک بار اٹھ کھڑے ہوں اور پھر بیٹھ جائیں، یہ تین بار کریں تو پھر یہ لوگ سمجھیں گے کہ تین بار اٹھنا یہ بادشاہ کی عادت کے خلاف ہے اگر بادشاہ اسی طرح کرے تو کیا لوگ اسے گورنر نہ مانیں گے؟ یقیناً مانیں گے۔ اسی طرح گورنر یہ کہے کہ اگر میری گورنری کا عہدہ درست ہے تو بادشاہ منہ سے نہ کہے بلکہ یہ اپنے تاج کو سر سے تین بار ہٹا کر رکھے۔ تو اگر بادشاہ اسی طرح کرے تو گورنری کے عہدہ کی تصدیق ہو جاتی ہے میرے نزدیک معجزہ کے ذریعہ سے نبوت کے ثبوت کی ایک دوسری وجہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ فعل خدا ہے تو اللہ کے سوا یہ کام کوئی نہیں

کرسکتا اور یہ ظاہر ہے کہ سمندر پر لاٹھی مارنے سے بارہ راستے بن جانا یا مٹھی بھر کنکریاں مارنے سے لشکر کا فتح پانا یا انگلیوں کے درمیان سے چشموں کا بہہ پڑنا۔ یہ ایسا فعل ہے کہ عام عادت کے خلاف ہے۔

جب نبی ایک طرف اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور پھر ساتھ ہی ایک ایسا فعل دکھاتا ہے جو دنیا میں اور کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ یہ حقیقت معجزہ اور دلالت علی النبوت ہوئی۔

موازنہ معجزات: موزانہ معجزات باقی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام انبیاءؑ سے برتری ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معجزات بھی دوسرے انبیاءؑ سے برتر ہیں۔ پہلے آپ یہ یاد رکھیں کہ بہت سے اماموں نے لکھا ہے کہ نبی کا معجزہ اس زمانہ کے نبی کے ماحول کے مطابق ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں تین معجزات کو پیش کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں سحر کا چرچا تھا۔ **یخیل السحر من سحرھم انھا تسعیٰ فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لاتخف انک انت الاعلی۔**

ترجمہ: جادو کے ذریعے خیال ڈالا گیا سانپوں کی تصویر دوڑتی نظر آئی (حضرت) موسیٰؑ نے خوف محسوس کیا تو ہم نے کہا خوف نہ کر یقیناً تو اعلیٰ ہے۔

سحر میں تو محض فریب نظر ہوتا ہے چیز کی ماہیت اور حقیقت نہیں بدل جاتی مگر جب حضرت موسیٰؑ کا معجزانہ سانپ جادوگروں کے سانپوں کو نگلنے لگ گیا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں معجزہ ہے اس لیے بے اختیار پکار اٹھے۔

امنا برب ھارون و موسیٰ ۔کہ ہم (حضرت) ہارونؑ اور (حضرت) موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے۔

تو آخر میں ہے ان ساحروں پر کہ حق دیکھ کر ساتھ دیا لیکن افسوس ہے بیسویں صدی کے مسلمان پر کہ حق کو چند ٹکوں میں بیچتا ہے۔تو فرعون نے دھمکی دی کہ ہم تمہیں پھانسی دیں گے۔تو انہوں نے کہا فاقض ماانت قاض ۔کر دے جو کچھ کرنا ہے۔انما تقضی ھٰذہ الحیاۃ الدنیا۔کہ تیرا حکم تو دنیا میں چل سکتا ہے آگے نہیں۔یہ تھا حضرت موسیٰؑ کا معجزہ۔

حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں طب کا بڑا چرچا تھا۔طبیب مردہ کو زندہ نہیں کر سکتا حضرت عیسیٰؑ کو معجزہ دیا کہ مُردوں کو زندہ کیا۔مادرزاد اندھوں کو آنکھیں دیں۔آپ کے معجزوں نے طب یونانی کو مات کر دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت (ادب) کا چرچا تھا۔عرب کی فصاحت یکتا روزگار تھی تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قرآن دیا جو ہمیشہ رہے گا۔حضرت موسیٰؑ کا معجزہ ان کے جانے کے ساتھ ختم ہو گیا لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوں یا نہ ہوں قرآن رہے گا۔

(۱) معجزہ کی برتری یہ ہے کہ کسی نبی کو دائمی معجزہ نہیں ملا ہے سوا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کہ ہزاروں سال کے بعد بھی معجزہ قرآن موجود ہے اور قیامت تک رہے گا اور ہر شخص اس کو اپنا کر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔اس معجزہ کے فضائل میں بعد میں تقریر کرونگا۔

(۲) آسمانوں کا معجزہ کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اقتربة الساعة و انشق القمر۔ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور پھر جڑ گئے اور روایات کے تواتر سے ہے کہ کفار کی موجودگی میں مکہ میں چاند کے ٹکڑے ہوئے۔ پیغمبرؐ کے لیے چاند دو ٹکڑا ہوا یہ قیامت کی نشانی ہے۔

یہ آیت قرآن کے دشمن یہود اور نصاریٰ کے سامنے اتری لیکن کسی دشمن اسلام نے یہ نہ کہا کہ کہاں ہوا۔ اب بیسویں صدی کے ملحدین انکار کریں کہ یہ نہیں ہوا۔ تو ہم کہیں گے کہ تمہارے ملحدین باپ نے شروع صدی میں مانا ہے (تسلیم) کیا ہے۔ اب تمہارے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور کوئی جگہ نہیں۔ مالا بار کا راجہ ہندوستان والا اس نے جنوبی ہندوستان میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اور عرب تاجروں سے تصدیق کر کے مسلمان ہو گیا۔ اس علاقے میں ہندوستان میں سب سے پہلے دین آیا۔ یہ تو چند منٹ کا واقعہ ہے کہ دو ٹکڑے ہو گئے اور چند منٹ ایسے ہی گذرتے ہیں کہ عام لوگ ہر وقت آسمان کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ یہ واقعہ تو رات کو ہوا ہے۔ اور جاڑے کے موسم میں ہوا ہے۔ باقی ہم نے یہ بھی سوچا شق القمر تو پایا شق الشمس نہیں۔ تو عام طور پہ یہ کہتے ہیں کہ کفار نے چاند کے دو ٹکڑے کو طلب کیا اور ہوا۔

میرے نزدیک یہ ہے کہ معجزہ کا کمال یہ ہے کہ وہ طبعی اور سائنسی حالات کے خلاف ہو۔ ممکن ہے کہ کفار یہ کہتے ہوں کہ سورج خود گرم ہے طبعی طور پر دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قمر جو ٹھنڈی چیز ہے اسے دو ٹکڑے کیا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک معجزہ معراج ہے: صرف اتنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا سفر دوسرے آسمان تک محدود ہے اور سفر معراج میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو معراج کے واقعہ کی نظیر کسی نبی میں نہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سماوی معجزات ملے ہیں اور دیگر انبیاءؑ کرام کو زمینی ملے ہیں۔

(۴) باقی موازنہ کے سلسلہ میں یہ نہیں کہ ایک ہی رنگ کے معجزات ہوں کیونکہ یہ کوئی انسانی فعل تو نہیں ہے یہ تو خدائی فعل ہے لیکن جب موازنہ کرو گے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معجزات برتر ہونگے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ کا مردہ کو زندہ کرنے والا معجزہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کہاں ملا ہے؟ عیسائی یہ اعتراض کرتے ہیں۔ دیکھو جس معجزہ میں عجیب و غریب شان زیادہ ہو وہ معجزہ برتر ہے اور جس میں عجیب و غریب شان کم ہو وہ معجزہ اس سے کم درجہ کا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسجد نبوی میں کھجور کے خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ بیان فرمایا کرتے تھے تو مشورہ سے ایک منبر جھاؤ کے درخت کا بنایا گیا اور اس کے تین درجے تھے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پہلے خطبہ کے لیے اس تنے کو چھوڑ کر نئے ممبر پر چڑھے تو یکا یک اس خشک تنے میں جان آ گئی اور رونے لگا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فوراً اترے اور اس سے معانقہ کیا اور تھپکی دی وہ آہستہ آہستہ روتے روتے خاموش ہو گیا۔

استن حنانہ درحجر رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

نالہ مے زد ہمچو ارباب عقول

اب موزانہ کرو کہ حضرت عیسیٰؑ کا مردہ میں زندگی لوٹانا بیشک معجزہ ہے لیکن خشک تنے میں زندگی ڈال دینا یہ زیادہ عجیب وغریب ہے۔

فقلنا اضرب بعصاک الحجر ۔ہم نے کہا موسیٰؑ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو **فانفجرت منه اثنتا عشرة عيناً** ۔تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

کیا آپ کے نبی نے بھی یہ معجزہ پایا؟ یہ یہود کا اعتراض ہے۔تو اس کا جواب سنئے۔متعدد واقعات کتابوں میں درج ہیں۔

(۱) تبوک میں، (۲) حضرت انسؓ بن مالک کے گھر، (۳) حدیبیہ میں ہزاروں لوگ پانی کے لیے پیاسے تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کچھ ہے؟ عرض کی ہاں ایک چھوٹا سا کٹورا تھا اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہاتھ مبارک تنگی سے گیا۔ہاتھ مبارک ڈالنا تھا کہ پانی کے فوارے پھوٹ پڑے۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی انگلیوں مبارک سے اتنا پانی نکلا کہ پورے لشکر نے سیر ہو کر پی لیا اور پھر مشکیں اور چھاگلیں بھر لیں۔روای کہتا ہے

اری الماء ينبع بين الاصبعين ۔

میں دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دونوں انگلیوں سے پانی نکلتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزہ سے انکار نہیں مگر پتھر سے تو چشمہ نکلتا ہی ہے لیکن آدمی کے بدن سے پانی نکلنا اس کی مثال نہیں۔

شارحین نے لکھا کہ کٹورے میں ہاتھ ڈالنے کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا کہ اللہ اپنی عادت کا خیال رکھتا ہے اور سو فیصدی عالم اسباب سے وابستہ ہے۔ عادت الٰہی یہ ہے کہ حرکت میں برکت ہے۔ جو کچھ تم کر سکتے ہو کر گذرو آگے اسمیں برکت دینا اللہ کا کام ہے۔ امت کو یہ سبق دینا مقصود تھا۔

درس نمبر ۳۰

اتوار ۴ جون، ۱۹۶۷ء

معجزات پر بحث

نمبر ۲

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا...... اعدت للکفرین۔

معجزات کے سلسلہ میں چند چیزیں باقی رہتی ہیں پھر معجزات کی عقلی صورت بیان ہوگی۔

ایک چیز یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تمام معجزات کا بیان بڑا مشکل ہے بڑے سے بڑا عالم بھی جمع نہیں کرسکتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معجزات، دیگر انبیاء کرامؑ کے معجزات کی نسبت ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ معجزہ کا تعلق اگر زمین سے ہو یعنی اللہ اپنے پیغمبر کے احترام کے لیے کوئی ایسا تصرف کرے کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ پیغمبر اللہ کا محبوب ہے۔ بخاری میں سراقہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ غار حرا سے چپکے سے مدینہ کو روانہ ہونے لگے تو کفار نے ایک سو اونٹ کا انعام رکھا ہوا تھا۔ سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے دوڑا یہ مسلح تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صدیق اکبرؓ نہتے تھے کہا کہ صدیق اکبرؓ نے بار بار رخ

پھیر کر دیکھا اور کہا کہ کوئی تعاقب میں ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک بار بھی مُڑ کر نہ دیکھا اور تلاوت کرتے گئے اتنے میں سراقہ نزدیک آیا تو زمین پھٹ گئی اور زمین میں پھنس گیا پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دعا کروائی کہ میں تعاقب چھوڑ دونگا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس مصیبت سے چھڑائیں تو دعاء کی تو پھر اس نے پیچھا کیا پھر گر پڑا پھر دعا منگوائی تو نجات پائی پھر اس کا قلب بدل چکا تھا۔ تو اس نے عرض کی کہ میرے لیے امان نامہ لکھدو تو روایات کے مطابق ہرن کے چمڑے پر اَمن نامہ لکھا گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معجزہ زمین سے متعلق ہے تو حضرت موسیٰؑ کے معجزہ جو قارون کے متعلق تھا سے مشابہہ تھا۔ پھر مسلمان ہو کر مکہ پہنچے جب واپس آئے تو ابو جہل نے کہا کچھ نہ کیا کہا کہ اگر تو ہوتا تو اس بات کا یقین کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اے سراقہؓ میں دیکھ رہا ہوں کہ کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ پر ہیں۔ بات ہو گئی جب حضرت عمر فاروقؓ نے کسریٰ فتح کیا تو اس کے طلائی کنگن مال غنیمت میں آئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: سونے کا زیور مرد کے لیے جائز تو نہیں لیکن محض حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشین گوئی کی تکمیل کے لیے سراقہؓ یہ تم تھوڑی دیر کے لیے ہاتھوں میں ڈال لو۔

معجزہ ارضی کے بعد معجزہ ہوائی۔ یہ حضرت ہودؑ کے مطابق ہے کہ اللہ نے آندھی بھیجی۔ واما عادفا هلكوا بريح صَرصَرٍ۔ بہر حال قوم عاد تند ہوا سے ہلاکت سے پڑی۔ کانهم اعجاز نخل خاويه ۔ کہ خرما کے درخت جس طرح

پھینکے گئے ہوں اسی طرح قوم عاد کا حال ہوا۔

غزوہ خندق مشہور غزوہ ہے ۱۲ ہزار کفار نے مدینۃ الرسول پر حملہ کیا حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے خندق کھودی گئی مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ منظر بڑا خطرناک تھا۔ مدینۃ الرسول کا محاصرہ طول پکڑ گیا بعضوں کو بدگمانی ہوگئی کہ اب تو مسلمانوں کے خاتمے کا وقت آ گیا لیکن اللہ نے فرمایا ہم نے تو ایمان کے لیے آزمائش کی تھی۔ تو اللہ نے آندھی بھیجی جس سے آدمی پریشان ہوگئے۔ کوئی کہاں اور کوئی کہاں گیا جانور بھاگ کھڑے ہوئے غرضیکہ سب کے سب پریشانی کے عالم میں بھاگ گئے۔ واذجاؤ کم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر۔ جب وہ دشمن تمہارے اوپر نیچے سے آ پہنچے اور جب آنکھوں نے تار باندھ لیں اور دل دھڑک کر سینے سے لگتے تھے۔ فرمایا اب وہ ہم پر حملہ کریں گے وہ نہ کر سکیں گے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ شان رحمۃ للعلمینی کی شان کا ظہور تھا۔ قوم عاد کی طرح مکمل طور پر تباہ نہیں کیا کیونکہ فتح مکہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہونگے اس لیے مکمل طور پر تباہی نہ ہوئی (کہ قوم عاد مغرب کی ہوا سے تباہ ہوئی اور مجھے باد صبا سے مدد کی گئی نصرت بالصبا و اُهلك عاد بالدلور۔) اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کا معجزہ کہ پتھر پر لاٹھی ماری یا دریا میں لاٹھی ماری تو راستے بن گئے۔

جو صحیحین میں ہے وہ تین واقعات ہیں۔

(۱) حدیبیہ کا واقعہ، (۲) مدینہ شریف کا واقعہ (۳) مقام تبوک کا واقعہ۔

صحابہ کرامؓ نے شکایت کی کہ ڈیڑھ ہزار فوج ہے اور اونٹ وغیرہ بھی ہیں

لیکن پانی بالکل نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک شخص کو کہا کہ ایک تیر اس کے اردگرد پھیلا دو پھر اس میں اپنی لب مبارک ڈالی تو اب تک ۱۴سو برس گذر جانے کے بعد بھی اب تک اس میں پانی موجود ہے۔

مدینہ میں غزوہ تبوک میں ایک معمولی برتن میں ہاتھ مبارک رکھا تو عظیم الشان چشمے بہہ نکلے۔حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی کل تین قسمیں ہیں۔

(۱) بیماروں کا صحت یاب ہونا و ابری الاکمه و الابرص۔مادرزادنابینا کوٹھیک کیا اور برص والے کو درست کیا۔

(۲) مردہ کو زندہ کرنا۔ (۳) بات کو اللہ کے بتلانے سے بتلانا۔

حضرت عیسیٰؑ نے تو انسان جو زندہ شئی کا قالب ہے کو جان اللہ کی اجازت سے دی لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے استن حنانہ کو باذن اللہ جان دی۔یعنی استن حنانہ میں جان کا آنا یہ تو محلِ زندگی بھی نہیں۔باقی مریضوں کا شفاء یاب ہو جانا۔تو اگر حضرت عیسیٰؑ کی دعاء سے چند مریض آدمی چنگے بھلے ہو گئے ہوں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاتھ سے تو سینکڑوں شفاء یاب ہوئے ہیں۔غزوہ احد میں حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر رکھا تو پہلے سے بھی بینائی تیز ہو گئی۔حضرت عبداللہؓ ابن عتیک کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اس پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہاتھ پھیرا وہ ایسی درست ہوئی گویا کہ ٹوٹی بھی نہیں تھی۔یعنی مرض تھا ہی نہیں۔حضرت صالحؑ کی اونٹنی نے باتیں کی تو صحیحین اور غیر صحیحین سے ثابت ہے کہ آپ سے اونٹ نے باتیں کی

ہیں۔ایک بار ایک اونٹ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاؤں مبارک میں آ کر گر گیا اور رویا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کم خوراک اور زیادہ کام کی شکایت کرتا ہے۔

حجۃ الوداع میں ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کیئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ذبح کرر ہے تھے تو ہر ایک اونٹ دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا تا کہ پہلے میرے گلے پر چھری چلے۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

باقی رہا اشجار کا معجزہ۔ایک مرتبہ قضاء حاجت کے لیے ایسی جگہ کی ضرورت تھی کہ کوئی دیکھے نہ تو چند درختوں کو اشارہ فرمایا تو وہ درخت دوڑتے ہوئے آئے اور اردگرد جمع ہو کر جھونپڑا بنایا بعد از فراغت اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔ یہ معجزہ صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے خاص ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کہ (امتی) کی کرامت نبی کا معجزہ ہے۔خصائص کبریٰ میں نقل کیا کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے قریب حرا میدان میں شعلے بھڑک اٹھے تو حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اس کو ہٹانے گئے تو اسے دھکیل دھکیل کر ایک پہاڑ میں بند کر دیا یہ تھا حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کا زمانہ۔

ابھی لندن میں مولوی احمد حسینؒ ہندی کا واقعہ ہوا ہے کہ قرآن پڑھتے رہے اور آگ میں چلتے پھرتے رہے۔

نیل کا دریا حضرت موسیٰؑ کے لیے مسخر ہوا۔ (اللہ ناصر کا ناصر بنے اور اس کو منصور بنائے اور مسلمانوں کو فتح دے اور لعنتی کفار کو شکست دے) یہ دعائیہ کلمات صدر ناصر مصر کے لیے تھے۔

مصر کے دریاء میں مدو جزر ہوتا ہے کہ اگر دریا چڑھ جائے تو کھیتی باڑی ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ فاتح مصر ہیں۔ مصر کو فتح کیا تو اس سال پانی نہ چڑھا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ ہمارا ایک معمول ہے کہ ایک خوبصورت ترین لڑکی کو دلہن کی طرح بنا سنوار کر اس دریا میں پھینک دیتے ہیں تو دریا چڑھ جاتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ کام تو میں نہیں کرنے دیتا میں خلیفہ کو خط لکھتا ہوں تو سارا واقعہ تحریر کیا۔ آپؓ نے جواب دیا کہ خوب کیا کہ اس حرکت سے منع کیا فرمایا میں ایک پرچی بھیج رہا ہوں یہ دریا میں ڈال دو۔

من عبداللّٰه عمر بن الخطاب امیر المئومین الی النیل ان کنت تجری بامرک فلاتجروان کنت تجری بو احد القهار فَاَجدِ ۔ یہ خط اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ ابن خطاب کا بنام نیل۔ اگر تو اپنے امر سے بہتا ہے تو نہ بہہ اگر واحد قہار کے حکم سے بہتا ہے تو جاری ہو جا۔ پرچی کا پھینکنا تھا کہ سیوطیؒ لکھتے ہیں فزاد سِتتهَ عشر ذراعا۔ سولہ گز چڑھا

علامہ بن الحضرمی ایران میں تھا اس کو حکم ملا کہ وہاں پہنچو تو آگے سمندر ہے کشتی بھی نہیں بس گھوڑے سمندر میں ڈالدیئے جوتی تک گم نہ ہوئی جہاں گھوڑے تھک جاتے وہاں سمندر میں ایک چٹان بن جاتی جہاں گھوڑے اور آدمی کچھ آرام

کر لیتے۔ ہر نبی کے معجزات کا جداگانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ بل رفعة اللّٰہ الیہ۔ یہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ماوراعرش پر گئے۔ حضرت یونسؑ کا معجزہ کہ مچھلی کے پیٹ میں رہے فالتقم الحوت۔ مچھلی نے اس کو لقمہ بنالیا۔ یہ یقینی بات ہے کہ مچھلی کا پیٹ انسانی زندگی کے لیے خطرناک محل ہے غار ثور میں نہ مچھلی ہے نہ مچھلی کا پیٹ مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم غار ثور میں ہیں اور دشمن اوپر سامنے کھڑا ہے صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی اگر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا تو ہمیں پا لیتے صرف نظر کی جھکاؤ کا فرق تھا۔

حضرت اسماعیلؑ نے اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کیا۔ شان ذبیحیت کا جو معجزہ ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تین اہم واقعات میں ہے۔ حلیمہ سعدیہ کے گھر میں جب پرورش پاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ الہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا گیا۔ چیرا گیا۔ دوسری مرتبہ قبل النبوت شق صدر کیا گیا۔ تیسری مرتبہ معراج کے موقعہ پر شق صدر ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ادھر ایک آدمی کا آپریشن ہو تو اسے کہا جاتا ہے کہ کمرہ سے باہر نہ نکلنا مگر یہاں شق صدر کر کے سفر معراج شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا علماء نے کہ یہ تین بار تین مقاصد کے لیے ہوا۔ بچپن میں جو ہوا تو اللہ نے فرمایا کہ قلب عبد خاص (خاص بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلب) میں ایسا تصرف کیا جائے کہ بندہ خاتم الانبیاء کے اصول اٹھانے کے لائق ہو جائے۔ کہ نبوت کے بعد جس طرح مصائب آئیں ان کو نہایت صبر و استقلال سے نبھائیں۔ پہلے معراج کے موقعہ پر جو ہوا وہ اس لیے کہ آدمی جب تھوڑی بلندی پر

جائے تو دل گھبراتا ہے تو صدر میں (سینہ) میں ایسی روح ڈالی گئی جو اس سفر کی دقت کو برداشت کر سکے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عالم بالا کی سیر اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے قابل ہو جائیں۔

حضرت یعقوبؑ کا معجزہ کہ آپ کو جدائی ہوئی پھر محیر العقول کے ذریعے وصال ہوا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وطن، دوست احباب کو ترک کیا (چھوڑا۔ ہجرت کی) پھر فتح کر کے مکہ شریف کا وصال نصیب ہوا۔ بہر حال تمام انبیاء کرامؑ کے معجزوں کو دیکھا جائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معجزات زیادہ ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میری نظر سے تین ہزار معجزات گذرے ہیں۔ دورِ حاضر میں معجزہ کے مسئلہ کو مشکوک نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

سر سید نے تفسیرات احمدی میں یورپ کو خوش کرنے کے لیے معجزات کا انکار کیا ہے۔ اور اس کی عادت ہے کہ غلط تاویل کر کے ایک آیت فٹ کرتا ہے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ قانون تبدیل نہیں ہوتا۔ کہا کہ معجزہ تو قانون بدلنے کا نام ہے تو یہ غلط ہوا۔ یہ کہدو کہ قرآن نے یہ تو کہا کہ میرا حکم کوئی نہیں بدل سکتا۔ یہ تو نہیں کہا کہ میں بھی نہیں بدل سکتا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی اللہ کے قانون کو بدل نہیں سکتا۔ سر سید کو یہ پتہ نہیں کہ جس کو تو خوش کر رہا ہے وہ یورپ اس معجزہ کو مانتا ہے۔ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو قاعدے ہیں یہ ازلی طاقت کے بنائے ہوئے ہیں اور وہ جب چاہے بدل سکتا ہے۔ اور اس بدلنے کو معجزہ کہتے ہیں۔ سر سید نے کہا کہ آگ کا قانون یہ کہ وہ جلائے اور ابراہیمؑ کو نہ جلایا تو یہ

واقعہ غلط ہو گیا۔ فلسفہ میں اسے دلیل استقراء کہتے ہیں۔ استقراء کے متعلق یہ ہے کہ اگر وہ عالمگیر ہے تو دلیل ہے ورنہ نہیں۔

استقراء والوں سے پوچھتے ہیں کہ تم نے دنیا کی تمام آگوں کا استقراء کیا ہے کہ تمام آگیں جلا ڈالتی ہیں یا نہیں کیا قوی دلیل یہ کہ آگ کا ایک ایک فرد دیکھے دوم یہ کہ آگ علت ہے جلانے کی تو علت اس وقت کام کرتی ہے جب کوئی مانع نہ ہو۔ خود اس زمانہ میں فائر پروف ہے جس کی وجہ سے آگ اثر نہیں کرتی۔ تو معلوم ہو گیا کہ جب مانع نہ ہو تو عمل کرتی ہے۔ کیا انسانوں نے تو فائر پروف بنایا ہے اور نعوذ باللہ خدا اس سے عاجز ہے کہ ابراہیم کے لیے آگ کی تاثیر کو ختم کر سکے؟ اگر انسان مصالحہ کے ذریعے آگ کا جلانا روک سکتا ہے تو خدا انسان کو بھی کسی اعجازی ذریعہ سے بچا سکتا ہے۔ استقراء دو قسم ہے۔ استقراء تام اور ناقص اور استقراء یہ کہ ہر چیز یعنی آگ لیلو اس کو ٹسٹ کریں کہ یہ جلا دینے والی ہیں اور یہ ناممکن ہے۔ معجزہ کا انکار کرنا یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ ممکن اور ناممکن کے لیے فہرست قوت پر ہوتی ہے۔ تو انسان تو عاجز ہے اس کا ناممکن کہنا تو غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے جس طرح کرے کر سکتا ہے۔ چیونٹی کے کان میں یہ بات کہی جائے کہ ہاتھی چالیس من بوجھ اٹھاتا ہے تو وہ کہے گی کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ اس نے بوجھ اٹھانے کا مسئلہ اپنی طاقت پر قرار دیا۔

دنیا کے منکرین معجزات نے دیکھا کہ ہم سے تو ناممکن ہے اس لیے خدا کے لیے بھی ناممکن ہے۔ قطعاً نہیں۔

درس نمبر ۳۱

جمعۃ المبارک ۹ جون، ۱۹۶۷ء

قرآن کی معجزانہ خصوصیات

نمبر ا

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... اعدت للکفرین۔

آج معجزہ قرآنی پر بحث ہے۔یعنی معجزہ قرآنی کا بیان ہے۔اس میں اتنا فرق ہے کہ قرآن کے بغیر سارے معجزے وقتی تھے اور قرآن کا معجزہ دائمی تھا یہ رہتی دنیا تک رہے گا۔ان معجزات کو اس زمانہ کے صحابہ کرامؓ نے دیکھا لیکن یہ معجزہ ہم آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔اس لیے قرآن کے معجزانہ خصوصیات کو ذکر کرتا ہوں۔سب اسے اوّل چیز تاثیر نبوی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ سلم پر اترا خود ان پر اس کا کیا اکثر پڑا تو معجزات قرآن کے سلسلہ میں پہلی چیز یہ ہوئی اس بارے میں حدیث شریف کے ذخیرہ سے چند چیزیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) تاثیر عرقی یعنی پسینہ آجانا (۲) تاثیر ثقلی یعنی بوجھ محسوس ہونا

(۳) تاثیر بکائی یعنی رونا (۴) تاثیر تعبی یعنی تکان

(۱) تاثیر عرقی: دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ آدمی گرم دوا کھانے سے پسینہ لاسکتا ہے مگر ان اسباب کے علاوہ پسینہ لانا انسان کے اختیار میں نہیں۔ قرآن جب پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل ہوتا تھا تو مشاہدہ کرنے والی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ وینزل علیه الوحی فی یوم الشتاء ۔ کہ سخت سردی میں وحی نازل ہوتی و ان حبینه لیتفسدُ عرقاً ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ مبارک اتنا نکلتا جس طرح کوئی نشتر مار دے۔ معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت قرآن کی ہے اور کسی کلام کی خصوصیت نہیں۔ تو یہ کتاب حقیقت میں گرمی ایمان وگرمی عشق خداوندی کو پیدا کرنے والی ہے اور گرمی پر نظامِ حیات منحصر ہے۔ ایک گرمی روحانی زندگی کی اور ایک گرمی دنیاوی زندگی کی یعنی جسمانی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ روحانی گرمی کا معجزانہ نزول بوقت وحی نزول ہوا اگر اس گرمی سے تعلق ٹوٹا تو ہمارا روح اور ایمان مردہ ہوجائے گا جس طرح بدن کی گرمی ٹوٹی تو آدمی مردہ۔

(۲) تاثیر ثقلی: ثقل کہ کسی کلام میں بوجھ نہیں لیکن وہ کلام جو منہ سے نکلتا ہے۔ قرآن ہم پر براہ راست نازل نہیں ہوا مگر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر براہ راست آتا تھا تو ثقل معلوم ہوتا تھا۔

انا سنلقی علیک قولا ثقیلا ۔ بے شک ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر ثقیل کلام القاء فرمایا ہے۔ مگر اب اس وقت ہمارے پاس جو قرآن ہے اگر یہ ہم پر براہ راست نازل ہوتا تو ہم ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے۔ لو انزلنا ھذ القرآن علی جبل الرأیتہ خاشعا متصدعا ۔ اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو

آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) دیکھتے اسے جھکا ہوا۔

یہ تو صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی تھی کہ ثقل برداشت تھا۔ حضرت زیدؓ ابن ثابت انصاری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا اتنے میں وحی کا نزول شروع ہوا۔ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ ران کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔

مستدرک حاکم میں سورۃ مزمل کی تفسیر میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اونٹ پر سوار تھے تو وحی نازل ہوئی تو اونٹنی دب کر نیچے ہو گئی۔

حکمتِ عرقی: کہ صاحبِ قرآن میں گرمی لائی کہ امت کو تلقین ہوئی جب تک قرآن کی گرمی رہے گی تو تمہاری روح کی زندگی رہے گی ورنہ مردہ ہو جاؤ گے۔

حکمت ثقلی: کہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کچھ بوجھ برداشت کرنا پڑے گا تم میں اور کفار میں فرق ہوگا۔ تو تم بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

دوم حکمت:

اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ یہی قرآن وزن اعمال کے سلسلہ میں بوجھل بن جائے گا۔ اگر قیامت میں نیکی بوجھل ہوگئی تو بیڑا پار ورنہ بیڑا غرق ہوگا۔ فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة۔ بہرحال جس کے وزن اعمال بھاری ہوئے وہی عیش کی پسندیدہ زندگی پائے گا۔

(۳) تاثیر بُکائی: تیسری خصوصیت بکائی ہے یقینی بات ہے کہ آدمی خود کلام بنائے تو تنہائی اور خلوت اور اخلاص کے بارے میں کبھی نہ روئے گا۔ مسلمان اسے اللہ کا کلام اور کافر حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کلام مانتے تھے۔ ہم بھی قرآن سنتے ہیں اور صاحبِ قرآن بھی قرآن سنتے تھے۔ مطرف ابن عبداللہؓ شمائل ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں روایت کرتے ہیں کہ رات کو حجرہ مبارک کے نزدیک سے گذرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تہجد پڑھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سینہ سے جوش کی آواز ایسی نکلتی تھی جس طرح ہانڈی کو جوش دے رہے ہوں۔

فلجوفه ازیز کازیز مرجل ۔ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے اندر ایسی آواز تھی جیسے ہنڈیا کے جوش کی آواز ہوتی ہے۔ یہ خود قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ میں نے عرض کی کہ میں صاحبِ قرآن کو سناؤں فرمایا ہاں میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا نام فرمایا ہے تو عرض کی کہ میرا نام بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے! فرمایا ہاں تو حضرت عبداللہؓ ابن مسعود رو پڑے۔ تو میں نے سنانا شروع کیا جب آیت جئنا بک علی ھؤلاءِ شھیدا پر پہنچے (کہ اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو ان پر گواہ بنائیں گے) تو آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے فرمایا حسبک الآن بس کافی ہے۔ میں نے دیکھا فاذا عیناہ تذرفان ۔ کہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی دونوں آنکھوں مبارک سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

جامع رسافہ بغدا میں ایک مسجد ہے اس میں جب امام صاحب نے فاذانقر فی الناقور ۔کی آیت پڑھی تو ایک آدمی گرا اور جان نکل گئی۔فرید الدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں یحیی بن معاذ کے حالات میں لکھا ہے مقام رے پر گئے وہاں لوگوں نے وعظ کے لیے مجبور کیا تو تین دن وعظ کیا تو پہلے دن دس جنازے اٹھے اور بعض روایات میں سات جنازے دوسرے دن وعظ کیا تو تیرہ جنازے اٹھے جب تیسرے دن وعظ فرمایا تو ۷۰ جنازے اٹھے۔آج اگر شراب خانے کا افتتاح ہو تو تلاوت کی جاتی ہے۔بس نیکی ہو یا برائی ہو تو قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے۔شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ قرآنی آیت سن کر بیہوش ہو کر گر جاتے تھے۔فخر لوجهه ویعاد منه ایاماً ۔منہ کے بل گرتے اور کئی کئی دن تک ان کی بیمار پرسی کی جاتی تھی۔بہر حال حقیقی قرآن خوانی ہو رسمی نہ ہو۔

(۴) تاثیر تعمی: تعمی کہ کوئی آیت ایسی نہیں کہ اس کے نازل ہوتے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے عمل نہ کیا ہو۔یعنی فوراً عمل ہوتا تھا۔ ابوعبدالرحمٰن ثعلبی سے ذکر ہے کہ عبداللہؓ ابن مسعود کے شاگردوں سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تھے پہلے ان کو یاد کرتے پھر ان پر عمل کرتے تھے اور اس کا مقصد یاد رکھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ سے آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا؟ فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی عادتیں سب وہی تھیں جو منشاء قرآن ہے۔ومن الیل فتهجدبه نافلة لک عسیٰ ان یبعثک

ربک مقاماً محمودا ۔اور رات کے کچھ حصے میں تہجد ادا کریں یہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے ساتھ مخصوص ہے عنقریب آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا رب آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو مقامِ محمود میں مبعوث کرے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کان رسول اللّٰہ یوم باللیل حتی و رمت قدماہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات کو اتنا قیام یعنی شب بیداری فرماتے کہ پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ دنیا کی تھکان کی ضرورت نہیں اور نہ پسند ہے۔ لیکن دینی کام کی تھکان پسند ہے۔فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب ۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسل) کو فراغت ملے تو سخت کام میں مصروف ہو جائیں اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک دن کی عبادت ہم ساری عمر میں بھی پوری نہیں کر سکتے۔

تغلب سیاسی: کہ قرآن قوت اور غلبہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۔اگر یقین ہے تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔اور ایک آیت میں ہے دینھم.......... ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔کہ حکومت، امن اور غلبہ کر دیں گے ساتھ ساتھ قرآن نے یہ بتا دیا کہ ہم جو حکومت دیں گے کیا کرو گے؟ کیا کلب گھر میں ناچو گے اور سینما بناؤ گے؟الذین ان مکنھم فی الارض ۔مسلمان وہ ہے کہ جب حکومت دوں تو اقاموا الصلوٰۃ۔نماز قائم کریں گے۔اگر ملازم کے سالانہ ترقی ہو گی تو جانچیں گے کہ اس نے نماز کی پابندی کی تھی۔ مطلب یہ کہ حاکم وقت ملازم کو سالانہ ترقی دیتے وقت اس بات کو مدنظر رکھے گا کہ

ملازم نماز کا پابند ہے کہ نہیں۔ واتو الذکوۃ۔ اور زکوۃ دیں گے۔ مطلب یہ کہ بدنی و مالی اعمال درست ہوں۔ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ کہ نیکی پھیلائے اور بدی روکے۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ عہدہ کس مقصد کے لیے ملتا ہے۔ وللّٰہ عاقبہ الامور۔ کہ انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ میں دینا جانتا ہوں تو چھین بھی سکتا ہوں۔ بہادر شاہ ظفر کے وقت تک اس مقصد کی کچھ نہ کچھ تعمیل تھی مگر بعد میں نہ تھی تو اسے چھین لیا۔ تو عرب قبل القرآن اور بعد القرآن میں بڑا فرق ہے۔ جو کچھ میں تقریر کرونگا تو عیسائی مورخین بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ نزول قرآن سے قبل عربوں میں چند چیزیں پائی جاتی تھیں واذا ذکر اللّٰہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایؤمنون۔ کہ تنہا خدا کی عبادت کروتو ان کے چہرے بگڑ جاتے ہیں...... آج تو بعض بعض مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ خدا پرستی سے نفرت اور بت پرستی سے محبت۔ اللہ تعالیٰ ایسی حالت سے بچائے۔ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یسبشرون۔ تو جب اللہ کے علاوہ کسی کا نام آتا تو خوشی سے چہرہ چمک یا کھل اٹھتا تھا۔ تو عرب قبل القرآن کی یہ حالت تھی۔ دوم چیز عدل وانصاف سے نفرت اور ظلم سے محبت ایک آدمی اس بات پر فخر کرتا تھا کہ میں اتنے انسانوں کا قاتل ہوں۔ دیوان حَمَاسَہ کتاب دیکھیں کہتے ہیں کہ اگر کوئی دشمن نہ ملے تو ہم اپنے رشتہ داروں کو قتل کر دیتے ہیں۔ سوم عرب کی خصوصیات میں سے یہ کہ اتفاق سے نفرت اور اختلاف سے محبت۔ سید جمال الدین افغانی فرماتے ہیں کہ ہر قبیلہ ایک دوسرے کا دشمن ہوتا تھا۔ اتفقوا علی ما لایتفقوا۔ کہ مسلمان صرف اس بات پر متفق ہیں کہ اتفاق نہ ہو

آپ نے یہ جملہ جامعہ ازہر میں فرمایا تھا۔

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے تھے نہ ہرگز جو لڑ بیٹھتے تھے

(الطاف حسین حالیؒ)

چہارم خصوصیت عرب کی یہ کہ خونریزی سے محبت اور امن سے نفرت۔

پانچویں خصوصیت ضعف ابدان۔ کیونکہ ملک بھی گرم تھا اور کھانا بھی نہ ملتا تھا۔

چھٹی خصوصیت روزی کی کمی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ساری عمر جو کی روٹی بھی دو دن پیٹ بھر کر نہ کھائی تھی۔

ساتویں خصوصیت۔ جہل اور فقدان تعلیم نہ مدرسہ نہ تعلیم نہ کاغذ وغیرہ تھے۔

آٹھویں خصوصیت۔ فقدان زراعت۔ بوادغیر ذی زرع۔ ایسی وادی جس میں زراعت نہیں۔ خود قرآن فرما رہا ہے۔

نویں خصوصیت فقدان تجارت کہ عرب کی اپنی کوئی تجارت نہ تھی

دسویں خصوصیت فقدان صنعت۔ کہ کوئی صنعت وحرفت نہ تھی کہ یمن سے کپڑے اور ہندوستان سے تلواریں خریدتے تھے۔ یہ دس چیزیں میں نے اختصار سے بیان کیں کہ عرب قبل القرآن میں یہ دس چیزیں تھیں اور یہ دس ایسی ہیں کہ ان میں ایک نہ ہو تو پوری زندگی ختم ہو جائے۔

اس وقت ایران کی بادشاہت میں روس۔ ہندوستان اور کچھ عرب کا حصہ بھی شامل تھے اور ایک نصف حکومت مغربی قیصر کی تھی قسطنطنیہ میں۔ یہ حکومتیں قبل

القرآن تھیں۔ اس کے بعد نزول القرآن کل ۲۳ سال کا زمانہ ملا تھا ۱۳ سال کی مکی زندگی میں یہ حال تھا کہ خود عرب نے اس قرآن کو پھیلانے سے روکا اور بعد از ہجرت بھی قرآن کو پھیلنے نہ دیا۔ دس سال کی زندگی میں فتح مکہ تک آٹھ سال کافر مدینہ جا کر لوگوں سے یعنی صحابہ کرامؓ سے لڑتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد قرآن کو پھیلنے کے لیے صرف دو سال ملے۔ تو صرف دو سال میں قرآن نے ان دس خرابیوں میں جو لوگ مبتلا تھے ان پر کیا اثر ڈالا؟ وہ تھے ناخواندہ یعنی دنیا کا کوئی علم نہیں پڑھا صرف قرآن پڑھا تو ان لوگوں نے کیا کرشمہ دکھلایا کہ یہ چند درویشوں کی جماعت بیک وقت ان دو عظیم الشان سلطنتوں سے لڑے ہیں۔ کسریٰ کی سلطنت کے ساتھ جنگ قادسیہ میں اور قیصر مغربی طاقت سے یرموک میں لڑے تو ان دونوں سلطنتوں کا جو حال ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

کہ پھر قسطنطنیہ میں کوئی قیصر نہ پاؤ گے اب بھی وہاں ترکی کی حکومت ہے۔

فتح کے لیے بدنی اور روحانی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عرب دبلے تھے اور یورپ کا عیسائی بہت وزنی تھا کہ ایک پلڑے میں ایک یورپی یا ایک ایرانی رکھیں اور دوسرے پلڑے میں چار عرب تو بھی برابر نہ ہوں۔ اس کے بعد فتح کے لیے آلاتِ حرب کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ بھی کم تھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سینکڑوں سال سے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تھیں اور ان کی تلواریں بھی تو ہندوستان کی تھیں۔ عرب کے ہاں کوئی صنعت و حرفت نہ تھی اور راشن بھی کھجوریں تھیں۔ صنعت و حرفت نہ ہونے کی وجہ سے فوج کے لیے کپڑے وغیرہ بھی نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ مطلب یہ کہ ترقی کے اور کوئی اسباب

نہیں ماسوا قرآن کے۔

اب سوال یہ کہ تغلب سیاسی مادی اسباب کا نتیجہ تو نہیں کیونکہ یہ مادی اسباب تو دشمنوں کے پاس زیادہ تھے۔ راشن، صنعت وحرفت، تعلیم وتجارت وغیرہ سب دشمنوں کے پاس تھی مگر ناخواندہ نے جو صرف ایک کتاب قرآن کے خواندہ تھے ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ مجھے یہ بتلانا ہے کہ قرآن اپنے ماننے اور یقین کرنے والوں میں وہ تسخیر پیدا کرتا ہے جو غیر قرآن میں نہیں۔ یعنی اسلام کی قوت نا قابل تسخیر ہے۔

درس نمبر ۳۲

اتوار، ۱۱ جون ۱۹۶۷ء

قرآن کی معجزانہ خصوصیات نمبر ۲

(وحدتِ فکر و عمل)

اسلام میں پاسپورٹ اور ویزا نہیں

وان کنتم فی ریب............. اعدت للکفرین۔

اس سے پہلے درس میں قرآن پاک کے معجزانہ خصوصیات کے سلسلہ میں یہ بیان ہوا تھا کہ اس کتاب پر یقین اور عمل کرنے والی قوم غالب رہے گی یعنی یہ تغلب سیاسی کا سرچشمہ ہے۔ آج یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن سیاسی غلبہ کی طاقت کیسے بخشتا ہے۔ اور اس کی ایسی کونسی ہدایات و تعلیمات ہیں کہ قرآنی تعلیمات و ہدایات کی برکت سے اس کو ماننے والے غالب ہو جاتے ہیں اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ قرآن نے سیاسی غلبہ کے لیے جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کے بعد غلبہ کا اس قدر یقین ہے کہ جس قدر کہ آگ کے لیے گرمی ضروری ہے۔

وہ چیزیں حسب ذیل ہیں۔

عنوانات۔ (۱) تلقین وحدت کہ ایک ہو جاؤ،

(۲) اعدادقوت۔ کہ نکمے نہ بنو طاقتور بنو، (۳) اہمیت علم وعمل،

(۴) عشق موت کہ موت کی محبت،

(۵) اعتماد علی النفس اور ترک اعتماد علی الغیر (۶) اعتماد علی اللہ

یہ کل چھ چیزیں ہیں جن کی ہدایات وتعلیمات کی روشنی میں قرآن سیاسی غلبہ کی طاقت بخشتا ہے۔

ا۔ پہلی چیز وحدت کا نتیجہ ہے کہ تمام مسلمان ایک ہو جائیں اس کے لیے بھی ذریعہ اور سبب ہے۔ مثلاً مسلمان کو کہا جائے کہ تندرست بنو یا آسودہ حال بنو تو ان کے لیے بھی اسباب ہیں یہ تو نہیں کہ اسباب نہ ہوں تو تندرستی کیسے ہو گی۔

تو وحدت کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن نے ایک طرف وحدت کی تلقین کی اور ایک طرف اسباب بھی بیان کئے۔ مثلاً و اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا۔ کہ تم اللہ کی رسی کو پکڑ کر مضبوط ہو جاؤ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کو وحدت پسند ہے اور دوسرا یہ فرمایا کہ اسے پکڑو۔ مفسرین نے فرمایا کہ یہ استعارہ ہے کہ مستقل کوئی چیز نہیں یا قرآن یا ایمان یا اسلام وغیرہ مراد لے لو رسی کی دو صفتیں ہیں ایک ارتقاء کہ اونچا کرنا اور ایک تحفظ من الاسقاط کہ نیچے گرنے سے بچائے مثلاً کنوئیں سے ڈول نکالیں تو رسی اونچا بھی کرتی ہے ڈول کو اور گرنے سے بھی بچاتی ہے۔ اللہ نے قرآن واسلام کو اس سے اس لیے تعبیر کیا کہ جب اس کو پکڑو گے تو سقوط زوال سے حفاظت ہو گی اور اوپر چڑھتے رہو گے۔ وحدت ہے ایک ہونا۔ حبل اللہ کا لفظ اس لیے لیا کہ جس طرح ہم یہ نہیں کہ انسان تندرست ہو تو تندرست کے اسباب کو اختیار کریں اسی طرح اگر ہم یہ

کہیں کہ ہم ایک رہیں تو اس کے اسباب ہیں وہ قرآن اور اسلام کی رسی ہے۔ پائیدار اتحاد ہونہ کہ اغراض کا ہو اور یہ اتحاد بغیر دین کے نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک فوج مورچہ پر لڑ رہی ہے اور پوری فوج متحدہ انداز میں مقابلہ کرتی ہے اگر یہ اس لیے ہو کہ ہمیں تنخواہ ملتی ہے تو یہ اتحاد کوئی زوردار نہیں ممکن ہے کہ دشمن ان سے زیادہ تنخواہ دے تو اتحاد ٹوٹ جاتا ہے۔

دنیوی غرض پر اتحاد قائم و دائم نہیں رہتا۔ اس لیے دین کے نام سے اتحاد فولادی اتحاد ہوتا ہے۔ مثلاً یہ ہو کہ اس میدان میں قربانی سے جنت اور بزدلی سے دوزخ ہوگی اس میں اتحاد مضبوط ہوگا۔ اس کے مقابلے میں کوئی دس ارب روپے دیدے تو کچھ بھی اثر پذیر نہ ہوگا۔

تو اللہ نے فرمایا کہ صرف متحد ہونا نہیں بتلاتا بلکہ ساتھ اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بتلاتا ہوں وہ ہے دین و قرآن کی رسی کو مضبوط بھی پکڑو۔ اسلام کی حیثیت یہ ہے کہ تسبیح کے دانے پرونے کے لیے جو تار ہوتا ہے اسی کے مثل ہوئی یعنی اسی طرح ہوئی۔ تو ڈور کو جتنا مضبوط کروگے دانوں کا اتنا اتحاد رہے گا۔ تو اسلام کی دشمنی اتحاد کی دشمنی ہوئی۔ کیونکہ متحد بنانے والا تو یہی رشتہ ہے تو اس لیے حکومت اور عوام کا فرض ہے کہ اسے مضبوط بنائے۔ دین اور ضروریات دین کا مذاق کرنا یہ مسلمانوں کے رشتہ اتحاد کو توڑنے کا سبب ہے۔ تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی گردن توڑی جائے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ذریعہ اتحاد اسلام اور قرآن ہیں اور دینوی اغرض سے مضبوط اور پائیدار اتحاد نہیں ہوتا۔ وحدت فکر اور وحدت عمل سے اتحاد ہوتا ہے۔ بس قوم کا عمل وفکر

ایک نہ ہو تو اتحاد نہیں۔قرآن مسلمانوں میں فکر و عمل کی وحدت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

فکر کہتے ہیں عقیدہ کی وحدت کو۔ برطانیہ اصلی چار کروڑ ہے۔امریکہ بارہ کروڑ ہے اور روس بائیس کروڑ ہے اور مسلمان اسی کروڑ ہیں۔اسی کروڑ کی آواز کچھ نہیں (بے طاقت ہیں) کمزور ہے۔اور ان غیر قوموں کی ایک آواز ہے دیکھو آج اسرائیل نے ہماری بے عملی کی وجہ سے ہمیں شکست سے دوچار کیا جب دین مضبوط تھا تو ہمارے بزرگوں نے نصاریٰ (انگریز) کے پرخچے اڑائے لیکن جب دین کمزور ہوگیا تو ہم نے ان سے شکست کھائی۔باقی رہے تھے یہود تو اب ان سے بھی شکست کھائی (اس موقعہ پر اسرائیل نے مصر سے جنگ جیتی تھی) دکھ تو یہ ہے کہ یہود سے شکست کھائی مگر خوشی یہ بھی ہے کہ بے عمل مسلمانوں کو یہود کے ہتھوڑا سے پیسا جائے تا کہ ان کا دماغ درست ہو۔ناصر کی صرف ایک غلطی ہے کہ اس نے روس پر بھروسہ کیا خدا تعالیٰ پر نہ کیا۔روس تو رئیس المنافقین ہے۔جب مسلمان نامرد ہو جائیں پھر اگر خالد بن ولیدؓ بھی سپہ سالار بن کر آجائیں تو بھی شکست ہوگی اس میں ناصر کا کیا قصور ہے۔جب قوم کے اندر موت و قربانی کا جذبہ نہ ہو تو اس کا سپہ سالار کیا کر سکتا ہے۔ لیکن میں اس بات کا مخالف ہوں کہ صدر ناصر قاہرہ ریڈیو اسٹیشن پر روئے۔مسلمانوں کے لیے یہ ناامیدی غلط ہے بلکہ اپنی خامیوں کو دور کرو اور نقصانات کو دور کرو۔

شاہ عبدالعزیزؒ اسی برس کی عمر میں فوت ہوئے وہ دو دن درس دیتے تھے۔ جمعہ اور منگل۔حالات میں لکھا ہے کہ پہلا درس بسم اللہ سے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شروع کیا۔اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔انصاف کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

جب تک زندہ رہے درس دیتے رہے وفات تک سورۃ مائدہ تک پہنچے۔اس کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے اعدلوا ھوا قرب للتقویٰ ۔سے درس شروع کیا تو عجیب بات یہ ہے۔کہ آپ کی وفات کے قریب آخری درس ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم۔پر بیان تھا تو آپ کے یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے داماد شاہ محمد اسحاقؒ نے اس آیت سے شروع کر کے والناس تک قرآن کا درس ختم کیا۔عجیب بات یہ ہے کہ منگل کا دن آیا تو آپ سخت بیمار تھے مگر فرمایا کہ چند منٹ درس دونگا تو یہ آیت تھی ان اکــرمــکــم عنداللّٰہ اتقکم ۔بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔بدھ وخمیس کو درس نہیں تھا جمعہ کے دن بیہوش ہو گئے اور وفات پائی دہلی کے گلی کوچوں میں لوگ دھاڑیں مار مار کر روئے اور دہلی میں آپ کا جنازہ پچپن بار ہوا۔

جس طرح دنیوی زندگی ضروری ہے اور اس کے لیے مال حلال کمانا بھی ضروری ہے۔اسی طرح ہمارے اتحاد کے لیے اور آخرت کے لیے قرآن ضروری ہے۔قرآن اتحاد کا سبب اور روزی ظاہری زندگی کا سبب ہے۔جب زندگی کا سبب ہے تو غریب اور امیر کو فرق ہے؟ نہیں ادنیٰ۔درمیانہ اور اعلیٰ تمام مسلمانوں کو روزی کی ضرورت ہے۔تو کیا اس صورت میں اتحاد کی ضرورت تمام مسلمانوں کو نہیں؟ بلکہ تمام کو ہے۔تو تمام امیروں اور غریبوں کو قرآن کے معاملے میں برابر خواہش ہونی چاہیے۔ کل (سب) کو قرآن کے درس میں شامل ہونا چاہیے اور صدر مملکت کو بھی شامل ہونا چاہیے کیونکہ تمام کے ذھنوں کو سدھرنے کی ضرورت ہے تو جو قرآن کے درس میں

شامل ہونگے ان سب کا ذہن ایک ہی طرز کا ہوگا اور اگر غیر قرآن کے درس میں گئے تو ان کا ذہن مختلف طرز کا ہوگا تو اس صورت میں آپس میں اتحاد نہ ہو سکے گا۔ روٹی سب کھاتے ہیں تو جب قرآن کی تعلیم سب حاصل کریں گے تو وحدت فکر اور وحدت عمل کی وجہ سے پائیدار اتحاد ہوگا۔ تو اتحاد کا سرچشمہ قرآن ہے۔ عجب بات ہے کہ ۸۰ کروڑ کی افرادی قوت سب بے قیمت ہے۔ آج ہم میں اتحاد نہیں قرآن نے تو مضبوط اتحاد کو بھی نہیں بلکہ اس سے اوپر بھائی بنا کر اعلان کیا۔ انما المؤمنون اخوۃ ۔ کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اب تمہیں کیا کرنا چاہیے کہ یہ جوڑا جوڑوں والے بت ہیں ان کو توڑو کہ کہیں شام کہیں مصر کہیں سعودیہ ہیں بلکہ ایک ہو جاؤ۔ یہ چال دشمن کی ہے۔ چلو بت کو تم نے نہیں توڑنا کہ میں ہی اپنی سلطنت کرتا رہوں۔ کرو۔ مگر دیکھو اسلام لانے کے بعد سب امتیازات ختم ہو جاتے ہیں نصب العین اور مقصد صرف ایک ہے کہ قوم ایک ہو جائے باقی یہ کہ فلاں پنجابی فلاں پٹھان فلاں عرب تو اس حقیقت سے قرآن انکار نہیں کرتا مگر بات یہ ہے کہ نصب العین اور آواز ایک ہو۔ قوم ایک دریا کی مانند ہے اور اسلام سمندر کی مانند ہے جب دریا علیحدہ علیحدہ چلتے ہیں تو نام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں مگر جب سمندر میں گرتے ہیں تو پھر یہ سمندر کہلاتے ہیں پھر وہاں سندھ، ستلج، راوی وغیرہ کا نام نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ مقصد میں ایک ہو جاؤ چلو تم اپنی اپنی الگ حکومت کرو لیکن مقصد اور نصب العین ایک ہو۔ انڈونیشیا، پاکستان وغیرہ دائرۂ سلطنت اپنی جگہ رہنے دیں بس وحدت ہو۔

اسلام میں پاسپورٹ اور ویزہ نہیں یہ سب بکواس ہے یہ اتحاد نہیں۔ ایک مسلمان ملک کا باشندہ دوسرے مسلمان ملک میں جائے تو رکاوٹ نہ ہوتا کہ میل ملاپ میں اور اتحاد میں رکاوٹ پیش نہ ہو۔ یہ بھی کافر دشمن کی چال ہے۔

وحدتِ وطن: کہ سب سے پہلے وحدت وطن کا تصور ہو کہ اسلامی ممالک ملکر ایک ملک ہے۔ یہ شیطان سے سیاست سیکھتے ہیں قرآن سے نہیں۔

وحدت لسانی: یہ تو یقینی بات ہے کہ زبانیں علیحدہ علیحدہ ہیں مگر ہندوستان میں انگریزوں کی وقت سرکاری زبان صرف انگریزی تھی تو اب تمام مسلمان ملک جمع ہوجائیں کہ ہم سرکاری زبان ایک طرح کی بنائیں جو عربی ہو کیونکہ جب ہمیں انگریزی زبان اپنانے میں تکلیف نہ ہوئی تو عربی میں کیا تکلیف ہے؟

زبان کا بڑا اثر ہے۔ دیکھو بہاول پور والے صاحبان تمہاری زبان ریاستی ہے مگر امام صاحب خطبہ عربی میں دیتے ہیں۔ نماز، قرآن عربی میں ہوتی ہے یہ اس لیے کہ یہ مسلمان کی وحدت کا ذریعہ ہے۔

وحدت تعلیم: ہر ملک کے اعتبار سے نصاب تعلیم (کورس) بدلا ہوا ہو لیکن بنیادی تعلیم اور بنیادی نصاب تعلیم (بنیادی کورس) ایک ہوتا کہ وحدت پیدا ہوجائے۔ اب مولوی اور مسٹر کی کیا لڑائی ہے؟ یہی تو ہے کہ مسٹر کے ذہن میں اور بنیادی تعلیم ہے اور مولوی کے ذہن میں دوسری بنیادی تعلیم ہے اتحاد ہو بھی نہیں ہوسکتا کہ تعلیم جدا جدا ہے مختلف ہے۔ آج کل جب بھی کسی کو قلم پکڑنا آجاتا ہے تو وہ مولوی پر چوٹ کرتا ہے۔

وحدت ایک ضروری چیز ہے تو اس کے لیے بنیادی نصاب ایک ہو وہ بھی میرے ذہن میں ہے لیکن اس وقت تو بیان نہیں کر سکتا کیونکہ یہ محض قرآن کے بیان کرنے کا وقت ہے۔

وحدت وطن: انما المؤمنون اخوۃ۔ جب مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں تو وطن بھی علیحدہ ہو سکتا ہے؟

وحدت لسانی:

نزلہ علی قبلک لتکون من المنذرین۔ اس نے آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے دل پر اتارا تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ جبرائیل کے واسطے سے آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تک اتارا کہ آپ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) لوگوں کو خطرہ سے بچائیں۔

بلسان عربی مبین۔ واضح عربی زبان میں

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا ۔ اس اللہ نے امی لوگوں (ان پڑھ) میں رسول بھیجا۔

تمہاری تعلیم کا سرچشمہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) ہیں وہ ایک نصاب لائے ہیں تمام مسلمان ان کو اپنالیں اپنی حاجت کے مطابق اپنی ضروریات تعلیم میں بھی بڑھالو۔ وحدتِ تعلیم ہو۔ قرآن ہر فائدہ مند بات کے سیکھنے کو اور اس پر عمل کرنے کو حکمت کہتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا کے فائدہ مند کام ہوں تو بھی حکمت اور دین کے کام کے فائدہ میں تو شک نہیں۔ لہذا عالم اسلام ان دو حکمتوں کو آپس میں اپنائے۔